علمائے دیوبند کا ماضی
(تاریخ کے آئینہ میں)
حکیم محمود احمد
بن مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب .... عُلمائے دیوبند کا ماضی

تالیف .... حکیم محمود احمد

صفحات 376

ناشر .... ادارہ نشر التوحید والسنۃ

سال طباعت .... جولائی 2003ء

قیمت .... 140 روپے

ملنے کے پتے

- لاہور: مکتبہ قدوسیہ نعمانی کتب خانہ' اسلامی و نورِ اسلام و فیض اللہ اکیڈمی' دار الفرقان' مکتبہ سلفیہ اُردو بازار لاہور
- فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ' مکتبہ دار ارقم' بھوانہ بازار فیصل آباد۔ - پشاور: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور۔
- کراچی: مکتبہ نور حرم گلشن اقبال' - راولپنڈی: تجلیات طیبہ کشمیری بازار۔

ادارہ نشر التوحید والسنۃ۔ لاہور پاکستان

علمائے دیوبند کا ماضی
(تاریخ کے آئینے میں)
حکیم محمود احمد
بن مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ
ادارہ نشر التوحید والسنۃ۔ لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

پیش لفظ

آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

مجھے یہ اعتراف ہے کہ ان مسائل پر قلم اٹھانا مناسب نہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ مولانا سرفراز صاحب اور ان کے فرزندار جمند مسلسل ان باہمی تعلقات اور موجودہ فضا کو خراب کر رہے ہیں اور بلا اشتعال اور بلا وجہ جماعت اہلحدیث کے خلاف خامہ فرسائی کرتے رہتے ہیں مجھے توقع ہے کہ میرے بھائی اور میرے دوست دیوبندی حضرات مجھے مجبور سمجھتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔

کیونکہ یہ حمیتی اور بے غیرتی میرے لیے بھی قابل برداشت نہیں کہ میرے مسلک اور میرے بزرگوں پر بہتان تراشی کی جائے اور میں خاموش رہوں۔

کیا میں بھی صنم پتھر ہوں کہ خاموش رہوں

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میرے دوست احباب دوسرے دیوبندی شرفاء نے بھی ان کو نہیں روکا اس کا مجھے گلہ بھی ہے اور افسوس بھی لہٰذا مجھے مجبوراً قلم اٹھانا پڑا اور اب اسے میری مجبوری اور اپنی بے اعتنائی کا ثمرہ سمجھ کر برداشت فرمائیں۔ آج ہم اور دیوبندی ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں وہ ابتدائی مخاصمت کا دور ختم ہو چکا ہے اور الحمد للہ عقائد میں بھی کوئی ایسا بُعد نہیں رہا بلکہ ہمارا اور اس مسلک کا مستقبل بھی دونوں کے اتحاد پر موقوف ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۔ مولانا یعقوب نانوتوی صاحب کے اشعار اور مولانا گنگوہی کا مرقوم مرثیہ جس میں بے شمار شرکیہ الفاظ اور ندا لغیر اللہ موجود تھی اب علمائے دیوبند کا مسلک نہیں ۔

جامع الشواہد میں مذکور الزامات کو اب کوئی دیوبندی عالم بیان نہیں کرتا ۔ گاؤں میں جمعہ کا جواز ۔ عورتوں کی مسجد میں حاضری ۔ عورتوں کی عیدگاہ میں حاضری ایک شہر میں کئی مساجد میں جمعہ کی نماز اور تنخواہ لے کر امام صاحبؒ کے مسلک سے اختلاف اور اسی پر انشراح صدر سے عمل بہرحال خوش آئند ہے اور اب تقلید شخصی بھی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی ہے ۔

مولانا سرفراز صاحب محقق ہیں تمام اختلافی مسائل میں وہ قرآن و حدیث سے استنباط و استدلال کرتے ہیں ۔ وہ کسی کے مقلد نہیں ان کا اپنا ایک طریق استدلال و تحقیق ہے ان کی تحقیق سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور ہے مگر یہ بات تو مسلمہ ہے "کہ ان کو بات بنا آتی ہے" اور مقلد بات نہیں بناتا تحقیق نہیں کرتا اجتہاد نہیں کرتا بلکہ تقلید کرتا ہے ۔

میری ادبًا درخواست ہے جس طرح آپ نے دیگر مسائل میں اپنی روش درست فرمالی ہے اور مذہب امام سے اختلاف کیا ، جس طرح امام محمدؒ ، امام ابو یوسفؒ ، امام زفرؒ نے پچھتر فی صد مسائل میں حضرت امام سے الگ راہ اختیار کی ہے اور ان کی تقلید نہیں کی ۔ آپ بھی اس نامناسب لفظ کا استعمال ترک کر دیں کیونکہ یہی تعصب کی بنیاد ہے ۔

انسان کو مقلد (پٹے پہننے والا) کہنا اس کی توہین ہے ۔ یہ لفظ ذوی العقول کے لیے استعمال نہیں ہونا چاہیے ۔ پٹہ تو ان کو ہی زیب دیتا ہے جو جاندار تو ہیں مگر ذوی العقول نہیں ۔

میں بھی معذرت کرتا ہوں کہ میں نے قلم مجبوراً اٹھایا ہے تاکہ مولانا سرفراز صاحب سمجھ لیں کہ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں اور کوئی چیز اور

تاریخ کا کوئی گوشہ نظر سے اوجھل نہیں اور کسی پر کیچڑ اچھالنے کے یہی نتائج ہوتے ہیں۔

اہل توحید کے ناطے سے ایک تعلق موجود ہے اور اختلاف کے باوجود وہ باقی ہے اور رہے گا اور یہی دکھ کی بات ہے : ؎

ترک تعلقات پہ رو یا نہ تو نہ میں لیکن یہ کیا کہ رات بھر سویا نہ تو نہ میں

آخر میں مولانا سرفراز صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس طرز تکلم کو بند کر دیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، آپ کی وجہ سے آپ کے شاگردوں نے بھی زبان کھولی ہے اور جس قدر اخلاقی پستی، انحطاط، زبان درازی نے آج کے علماء میں راہ پائی ہے اس سے ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا لہٰذا اس بدزبانی اور بداخلاقی کے آگے بند باندھیں۔ نہ آپ شرمسار ہوں نہ ہمیں شرمسار کریں۔ اور اگر یہ روش نہ بدلی گئی تو پھر ہم کو بھی مجبور سمجھیں ان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا ولو کثرت وان اللہ مع المؤمنین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز قارئین۔! گوجرانوالہ ایک ایسا شہر ہے جہاں علمائے کرام کا باہمی رابطہ مثالی ہے، باہمی رواداری کی وجہ سے آپس میں نہایت خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور یہ رابطہ ہمیں وراثتاً اپنے بزرگوں سے ملا ہے۔ والد محترم حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحومؒ۔ مولانا محمد چراغ صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ۔ مولانا عبدالواحد صاحبؒ مرحوم خطیب جامع شیرانوالہ باغ مفتی خلیل احمد صاحب مرحومؒ کا باہمی تعلق قابل رشک تھا اور آج بھی دیوبندی اہلحدیث تعلقات بہت اچھے ہیں اہل توحید ہونے کے ناطے سے ہم دیوبندی حضرات سے خوشدلانہ رابطہ رکھتے ہیں اور اکثر مسائل میں ہمارا موقف ایک ہوتا ہے جو باہم افہام و تفہیم سے طے کر لیا جاتا ہے۔

وقت کی نزاکت۔ کا تقاضا ہے کہ علماء کا رابطہ مزید بڑھے۔ فرقہ جاتی کشمکش کم ہو فروعی مسائل کی بجائے اجتماعی مسائل کی طرف توجہ دی جائے ملک کو درپیش خطرناک صورت احوال کا کوئی مشترکہ حل سوچا جائے اور ملک جس کی سرحدوں پہ کمیونزم منڈلا رہا ہے اور جس کا نشانہ صرف علماء ہوں گے کے متعلق کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا جائے میرے نزدیک علمائے دیوبند کی اکثریت قابل احترام ہے اور میں ان کی تعظیم کرتا ہوں۔

وجہ تالیف | مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے دین کو ذریعہ معاش بنا

رکھا ہے اور وہ بلا وجہ اور بلا اشتعال دوسروں کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور ان کو بیچ کر اسی سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں اس طائفہ کے سربراہ مولانا سرفراز صاحب گکھڑوی ہیں اس سے پہلے وہ خود اپنے نام سے لکھتے اور اپنے نام سے شائع کرتے تھے اب وہ خود لکھ کر اپنے بیٹوں کے نام پر شائع فرماتے ہیں۔

اس سے پہلے میں نے ان کے دو رسالوں کا تعاقب کیا، ان میں بھی میں نے تمام دیوبندی علماء سے معذرت کی تھی کہ میں مسلک دیوبند کے خلاف نہیں، میں صرف مولانا سرفراز صاحب گکھڑوی کے خلاف لکھ رہا ہوں اور اسی میں بحمد اللہ کبھی پہل نہیں کی اور نہ آئندہ ایسا ارادہ ہے لیکن اگر کوئی شخص بلا وجہ میرے مسلک کو نشانہ بنائے اور میرے بزرگ اکابرین کے خلاف کیچڑ اچھالے، جھوٹ بولے تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں اس کا دفاع کروں اور الزامات کی تردید کروں۔ ایسے ہی کم ظرف اور تنگ نظر علماء کی وجہ سے اسلام کو یہ دن دیکھنا پڑا ہے۔ کوفہ۔ بغداد اور اندلس کی عبرت ناک داستانیں تاریخ عالم میں ایسے ہی علماء کی روسیاہی کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہیں صنم بھی ہری ہری

مگر ان سبق آموز داستانوں سے انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی اور نہ وہ اپنے رویے کو تبدیل کرنے کے لیے تیار ہیں وہ اپنے شکم کا ایندھن مہیا کرنے کے لیے مسلسل چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہتے ہیں اور بزعم خویش وہ دین کی خدمت کرتے ہیں۔

فتویٰ امام ربانی برمرزا قادیانی

میرے پیش نظر ایسا ہی ایک کتابچہ جس کا نام "فتویٰ امام ربانی برمرزا قادیانی مصنفہ مولانا عبدالحق بشیر بن شیخ الفقہ" حضرت مولانا محمد سرفراز

خانصاحب" صف در" ہے مگر کتاب کے مندرجات بتا رہے ہیں کہ مولانا سرفراز صاحب" اتحاد اہل توحید" کی صف دری فرما رہے ہیں انسان کا علم اور مطالعہ اپنے گردوپیش کے ماحول کے مطابق ہوتا ہے مولانا عبدالحق صاحب کی ہوش سے پہلے مرزائیت شکست کھا چکی تھی اور اس کی بحثیں ختم ہو چکی تھیں اسی لیے ان مالیخولیائی کتب کا مطالعہ بھی ختم ہو چکا تھا اور مولانا سرفراز کی جوانی کے زمانے میں یہ بحثیں عروج پر تھیں اس لیے یہ معلومات مولانا ہی کی معلوم ہوتی ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ ان کی ہی تحریر ہے۔

اس رسالے کی وجہ تحریر یہ ہے کہ کسی بریلوی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے متعلق الزام تراشی کی ہے کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں کہا اس پر مصنف کو طیش آگیا اور انہوں نے بریلویوں کے ساتھ اہلحدیثوں کو بھی من حیث الجماعت رگید ا اور یہ نہیں بتایا کہ کسی اہلحدیث نے بھی ایسا کیا ہے۔ کبھی اہلحدیثوں کو بریلویوں کے ساتھ ملایا اور کبھی ان کو مرزائیوں سے نتھی کیا پتہ نہیں ان بیچارے اہلحدیثوں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

در مدح خود می گوید اپنی تعریف کرتے ہوئے کتاب کے ص۸ پر فرماتے ہیں" اوّل تو ہمارے ملکی حالات ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ فرقہ واریت کو ہوا دینے والے عناصر کی حوصلہ افزائی کی جائے دوسرا ہمارا مذہب اور اخلاق بھی ہمارے لیے شرعاً اخلاقاً قانوناً عرفاً گالی کا جواب گالی سے دینے کو روا نہیں رکھتا اور ہمارے اکابر کی روشن روایات بھی گستاخانہ انداز تحریر بے ہودہ طرز تکلم اور فرقہ وارانہ موضوع سخن اختیار کرنے کے معاملے میں ہماری سرپرستی کرتے یا حوصلہ افزائی کرتے پر آمادہ نہیں ان کا بے لوث اور بے داغ کردار ہمیں بہرحال اتحاد و اتفاق کی فضا برقرار رکھنے پر بہر صورت مجبور کرتا ہے۔

صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں" علمائے دیوبند کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ فروعی

اختلاف سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ اُسے ملت کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔"

کس قدر بھولے بھالے اور سادہ لوح ہیں آنجناب جن کی پوری زندگی اختلافی فروعی اور فرقہ جاتی موضوعات پر لکھتے گزر گئی وہ کس قدر معصومیت سے فرما رہے ہیں کہ انہوں نے کبھی غیر اخلاقی گفتگو نہیں کی۔ گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا جنہوں نے اپنے ہم مسلک دیوبندیوں کے خلاف مسئلہ حیات النبی گھڑ کر سر پھٹول تک نوبت پہنچا دی۔ مساجد کے دروازے بند کروا دیے، وہ زبان استعمال کی کہ پوری جماعت بلبلا اٹھی اور بیچ بچاؤ کرا کے اشتہار بازی بند کرائی مگر اس پر دعویٰ یہ کہ ہم اتحاد کے داعی ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ان دلدادگانِ اتحاد نے اپنی ہی جماعت کو حیاتی اور مماتی میں تقسیم کر دیا اور ایک فرقے کو دو حصوں میں بانٹ کر نہ صرف فرقہ جاتی کش مکش پیدا کی بلکہ ان کو نامراد گروہ اور قادیانی مذہب کا ہم خیال قرار دیا اور زبان اس قدر سطحی استعمال کی کہ جو کسی بھی عالم دین کو زیب نہیں دیتی۔

اس خوش کلامی کا نمونہ ہم آخری باب میں پیش کریں گے ایسا نہ ہو کہ آپ ان کے کردار سے بدکام ہو جائیں، اپنے متعلق بھی نوازش لٹانے بے جا کا تذکرہ آخری باب میں ہو گا۔

بڑے پاکباز اور بڑے پاک طینت — جناب آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

اختلافی فروعی فرقہ جاتی موضوعات کو ملّت کے لیے سم قاتل سمجھتے ہیں

دعویٰ دیکھیے کتنا خوبصورت ہے اور عمل ملاحظہ فرمائیں تو ششدر رہ جائیں، قول اور عمل میں کتنا تضاد ہے اور کس قدر بے تکلفی سے جھوٹ بولا جا رہا ہے

عمر ساری تو کٹی اس دشت کی سیاحی میں، ہمیشہ فروعی مسائل پر لکھ کر اختلاف

کی خلیج کو وسیع کرتے اور فرقہ جاتی کش مکش پیدا کر کے چٹخارے لیتے رہتے مگر اب صوفی بن بیٹھے ذرا ان کی تصنیفات پر ایک نظر ڈالیں۔

(۱) احسن الکلام (۲) آنکھوں کی ٹھنڈک (۳) مسئلہ قربانی (۴) اطیب الکلام

(۵) دل کا سرور (۶) تنقید بر تفسیر نعیم الدین (۷) اثبات تقلید (۸) سماع موتیٰ

(۹) طائفہ منصورہ (۱۰) تسکین صدور (۱۱) ازالۃ الریب (۱۲) رسالہ تراویح

(۱۳) مودودی کا غلط فتوے (۱۴) اظہار الغیب (۱۵) عمدۃ الاثاث فی کلمہ طلاق الثلاث (۱۶) تنقید متین۔

ان میں سے کونسی کتاب ہے جو فروعی، فرقہ جاتی اور اختلافی موضوع پر نہیں لکھی گئی اور زبان اس قدر زہریلی کہ پڑھنے والا ماہی بے آب اور مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے، جس رات میں نے یہ کتابچہ پڑھا میں سو نہ سکا میں سوچتا رہا اس کا باپ عالم اس کا چچا عالم اس کا بھائی عالم کسی نے اس کو نہیں روکا اور کسی دیوبندی دوست نے اس طرزِ تکلم پر احتجاج نہیں کیا، اختلاف تھے، ہیں اور رہیں گے لیکن "انداز گفتگو تو شریفانہ چاہیے" آخر میرے ضمیر نے فیصلہ کیا ؎

ترک تعلقات پہ جب وہ نہیں حزیں تو بھی جواب ان کا دے غیرت کا بن امیں

مجبوراً قلم اٹھا رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ ایسے باضمیر دیوبندی ضرور ہوں گے جو اسے نامناسب سمجھیں گے اور مجھے حق دیں گے کہ میں اپنے بزرگوں کا دفاع کروں۔ میں انشاء اللہ کوشش کروں گا کہ ایسی زبان نہ استعمال ہو جیسی ہمارے متعلق استعمال کی گئی ہے۔

قارئین کرام انصاف فرمائیں ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ اختلافی فروعی مسائل پر لکھنا ملت کے لیے سم قاتل سمجھتے ہیں اور دوسری طرف انہی مسائل پر لکھ کر آگ لگائی جا رہی ہے قول و فعل میں کتنا تضاد ہے۔ کس قدر سینہ زوری ہے ؎

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا — ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

موضوعِ کتاب تو تھا کہ ایک بریلوی نے کہا کہ امام ربانی نے مرزا صاحب کے متعلق کفر کا فتویٰ نہیں دیا مگر حضرت حافظ عبدالحق کو غصہ بے چارے اہلحدیثوں پر چڑھ گیا اور انہوں نے اپنی کتاب میں ان کو اپنی نوازش لطف بے جا کا نشانہ بنایا، گناہ کسی کا سزا کسی کو، ان کے ملفوظات کے مشتملات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ مولوی ثناء اللہ خاتم الملحدین تھا مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز سمجھتا تھا اس کی مرزائیت نوازی کی داستان نہایت طویل ہے وہ مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا تھا۔

۲۔ اہلحدیثوں اور مرزائیوں کے مسائل مشترک ہیں۔

۳۔ مرزا صاحب غیر مقلد تھے۔

۴۔ مولانا مودودی صاحب مرزا کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔

۵۔ سرسید غیر مقلد تھے نیچری تھے اور اسی گروہِ نامراد سے نکلے تھے۔

۶۔ مولانا بٹالوی نے سپاس نامہ پیش کیا حرمتِ جہاد کا فتوے دیا۔ مرزا صاحب کے متعلق فتوے کفر سے رجوع کرلیا۔ اور پوری جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے انگریز کی وفاداری کا اعلان کیا۔

(۷) فتویٰ جہاد کے خلاف کتابیں شائع کیں اور ان کی تشہیر کی۔

۸۔ اہلحدیث نے انگریز کی کوکھ سے جنم لیا اور علمائے دیوبند نے ان کے خلاف پہلے فتوے انتظام المساجد پھر جامع الشواہد شائع کیا کہ ان فسادیوں کو مساجد سے نکالا جائے۔

۹۔ علمائے دیوبند ۱۸۵۷ء کے جہاد میں کو د پڑے اور شاملی کے معرکہ میں حصہ لیا۔

۱۰۔ دیوبند مجاہدین کی چھاؤنی تھی جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ اس نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ مولانا قاسمؒ رشید احمد گنگوہیؒ

حافظ ضامن علیؒ - امداد اللہ مہاجر مکیؒ جیسے مجاہد پیدا کیے۔

۱۱ - علمائے دیوبند آئے تو سب سے پہلے مرزا صاحب کو کافر کہا۔

۱۲ - شیخ الہندؒ نے تحریک ریشمی رومال میں حصہ لیا اور یہ ان کی تحریک تھی۔

۱۳ - سید نذیر حسین صاحبؒ نے فتوے جہاد پر مجبوراً دستخط کیے۔

۱۴ - انہوں نے میم کی جان بچائی۔

۱۵ - جاسوسی کرتے تھے۔

۱۶ - غیر مقلد فرقہ خود انگریز نے پیدا کیا۔

۱۷ - انہوں نے انگریزی اقتدار کی تائید میں فتوے دیے۔

۱۸ - فروعی مسائل پر فتویٰ بازی اور مساجد میں فساد برپا کرنا ان کا کام ہے۔

۱۹ - منکرین حدیث ان ہی سے نکلے ہیں۔

۲۰ - غیر مقلد گستاخ ہوتے ہیں۔

مولانا نے جو کچھ بھی کہا ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان میں سے کوئی ایک بات بھی سچی نہیں - انہوں نے بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں اور جن فوت شدہ بزرگوں کے متعلق انہوں نے اپنی چونچ کھولی ہے ان کا اس فتویٰ سے کوئی بھی تعلق نہیں اور مولانا نے صرف اپنی قلبی حالت کا اظہار کیا ہے اور یہ سب سینے کا کینہ ہے جس کا انہوں نے مظاہرہ کیا ہے۔

میں شکر گزار ہوں

میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر کے مجھے موقعہ فراہم کیا ہے کہ اپنے بزرگوں کی صفائی پیش کر دوں اور گیدڑ پر سے شیر کی کھال اتار کر اس کا اصل روپ ظاہر کر دوں۔ یہ اگر کسی کو ناگوار ہو تو "ایں ہمہ آوردہ تست" سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے۔ اور بھُس میں ڈال چنگاری جمالو دور کھڑی۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، کا تماشہ کرنا ہوگا۔

تو اگر سوختہ ساماں ہے تو یہ روز سیاہ خود دکھایا ہے ترے گھر کے چراغاں نے تجھے

لا تلمزوا انفسکم : خدا کسی کو ایسی اولاد نہ دے جو اپنے اکابرین کی بدنامی کا سبب بنے۔ اب جو کچھ میں لکھوں گا اس کے لیے مجبور ہوں اور مجبور بھی مجھے حافظ صاحب نے کیا اس لیے اس کی ذمہ داری حافظ صاحب پر ہے جنہوں نے البادی اظلم کا کردار ادا کیا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حافظ عبد الحق صاحب کے خیالات ونظریات :۔ فرماتے ہیں :۔

مولانا ثناء اللہ ان جہال اہلحدیث سے خاتم الملحدین نکلا۔ قادیانیوں کی طرف سے مولانا ثناء اللہ کی کافی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی ص۲۹ مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے تھے ص۵۰ سردار اہلحدیث مرزا آقا دیانی کے دیدار کے لیے قادیان گئے ص۴۷ مولانا ثناء اللہ کی مرزائیت نوازی کی داستان بہت طویل ہے۔ بٹالوی صاحب کا لاہور میں مناظرہ کے اصرار کی سمجھ تو آتی ہے کہ ممکن ہے مرزا صاحب کو ...... مسجد چینیانوالی کے منتظمین اور لاہور کے دیگر مقلدین سے امداد و اعانت کی توقع ہو کہ وہ عین مناظرہ کے وقت ہلڑ بازی وغیرہ کے اپنے روایتی طریقہ واردات کے ذریعہ مرزا صاحب کی جان بخشی کرا دیں گے لیکن سہارن پور میں مناظرہ سے انکار کے لیے انہوں نے جو عذر پیش کیا وہ ارباب عقل ودانش کے لیے ناقابل فہم ہے۔

مولانا ثناء اللہ کا مقام

مولانا ثناء اللہ صاحبؒ مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ استاذ نے شاگرد کو خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے ان کی تعریف کی، عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ نے ان کے اوصاف بیان کیے، سید سلیمان ندوی مرحوم نے ان کی مدح سرائی کی۔ شورش کاشمیری نے ان سے عقیدت کا اظہار کیا۔

مرزائیت کے خلاف جتنا لٹریچر انہوں نے لکھا کسی نے اس کے

مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں لکھا، مرزائیوں سے جتنے مناظرے انہوں نے کیے اس میں ان کا کوئی شریک اور سہیم نہیں اور جب بھی انہیں پکارا گیا انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔

مولانا محمود الحسنؒ نے بلایا کہ آریوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے تو فوراً پہنچے اور نگینہ کا مناظرہ جیتا استاد نے ہاتھی پہ سوار کرا کے جلوس نکلوایا۔ اس سے بڑا اعزاز کسی شاگرد کے لیے کیا ہو سکتا ہے کیا حافظ عبد الحق کی حیثیت ان علمائے دیوبند سے بھی اونچی ہے؟ برخوردار! نہ تمہیں علم ہے نہ احساس کہ کس قدر غلط حرکت تم نے کی ہے۔ تم کیا جانو مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کیا حیثیت رکھتے تھے۔

تعارف مولانا ثناء اللہ صاحب اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے اور انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت، ہندی، اردو زبانوں پہ ان کو مکمل عبور تھا۔ آریوں، ہندوؤں، سناتن دھرمیوں، عیسائیوں، مرزائیوں، چکڑالویوں، بہائیوں اور شیعوں کے متعلق ان کی معلومات کی گرد کو کوئی نہیں پہنچ سکا، اتنا بڑا محقق ہندوستان نے آج تک پیدا نہیں کیا جس نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں پندرھویں سمولاس کے متعلق کہا کہ یہ سوامی کا لکھا ہوا نہیں، ان کے ہم عصر کہتے ہیں بائبل کے متعلق ان کی معلومات اس قدر تھیں کہ عیسائی ان کا لوہا مانتے تھے اور مرزائیت کے متعلق تو ان کا اپنا دعویٰ تھا کہ اپنے لٹریچر کے متعلق مرزائیوں کو اتنا علم نہیں جتنا مجھ کو ہے اور وہ اکثر ایسے ایسے حوالے دیتے جسے سن کر مرزائی حیران رہ جاتے اور ہمیں تو فخر ہے کہ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے

القاب ان کو سردار اہلحدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ فاتح قادیان کہلائے اور شیر پنجاب کا لقب تو ان کو استاد محترم نے دیا

ان کی گرج کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکا جو بھی مقابلہ پر آیا اس نے منہ کی کھائی۔

اخلاق آپ ہمیشہ متانت اور سنجیدگی سے گفتگو کرتے جوں جوں مخالف گالی گلوچ پر اترتا مولانا ایسا رویہ اختیار کرتے کہ سننے والے ان کے اخلاق فاضلہ کے گرویدہ ہو جاتے۔

بعض لوگ ان کو مشورہ دیتے کہ آپ بھی ترکی بترکی جواب دیں اور وہی زبان استعمال کریں جو دشمن استعمال کرتا ہے، مگر آپ فرماتے:

جو شخص دینی و قومی خدمات کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہو۔ اسے عدو کی مخالفت کو خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرنا اور مصائب و مشکلات کو خوشی سے جھیلنا چاہیے۔ گھبرانا۔ مضطرب ہونا۔ چھچھورا پن دکھانا، بدزبانی کرنا، بزدلوں، کمینوں۔ رذیلوں اور ناقص الایمان لوگوں کا کام ہے ہم لا تصعر خدک للناس کے ماتحت اعدا سے بے رخی نہ کریں گے اور خلق اور محبت سے ان کے دلوں کو فتح کریں گے (سیرت ثنائی صفحہ ۲۶۰)

ان کی کنیت ابو الوفا تھی اور واقعی الوفائے عہد میں ان کی کوئی مثال نہیں فرمایا کرتے۔

مجھ میں ایک بڑا عیب ہے وفادار ہوں میں

ان میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہیں عیار بھی ہیں

ایسا مناظر جو بدخو اور بدکلام ہوتا وہ ان کا بڑا آسان شکار ہوتا وہ بڑے اخلاق سے اس کا ہنس ہنس کر جواب دیتے اس پر وہ مزید غصے میں آکر حواس کھو بیٹھتا۔

ترک اسلام کے مصنف نے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد مولانا کے متعلق فرمایا کہ میں جوں جوں بدکلامی اور بدزبانی کرتا مولانا اسی قدر اخلاق اور محبت سے پیش آتے، میرے دوبارہ مسلمان ہونے کی وجہ مولانا کا

اخلاق ہے۔

ایثار مولانا خود امیر آدمی تھے اپنا پریس اور اپنا کتابوں کا کاروبار بہت اچھا تھا اس لیے وہ بارہا کرایہ تک وصول کیے بغیر پہنچ جاتے۔ مناظرہ کسی کا بھی ہو وعدہ کرتے اور وفا کرتے آج کل کسی مردے کی لاش کو لانا اتنا مشکل نہیں جتنا کسی مولوی کو گھر سے جلسہ گاہ تک لے جانا اور مناظرہ میں لے جانا بہت ہی مشکل کام تھا مگر وہ ازخود حسب وعدہ پہنچ جاتے غیر مسلموں کے خلاف تمام فرقوں کی طرف سے مناظر بن جاتے اور بعض اوقات تو وہ اس طرح بروقت میدان مناظرہ میں پہنچتے کہ اپنوں کا جوش طوفان کی صورت اختیار کر جاتا اور مخالف ششدر اور حیران رہ جاتے۔

بارہا مخالفین آپ کو مقابلے سے ہٹانے کے لیے عجیب عجیب اعتراض کرتے مگر آپ کسی کو بھاگنے نہ دیتے تھے۔

کبھی کہتے کہ تم مسلمان نہیں تمہیں تمام فرقے کافر کہتے ہیں اس لیے ہم آپ سے مناظرہ نہیں کریں گے آپ مجمع میں کھڑے ہو کر کلمہ پڑھ لیتے اور کہتے کہ میں نئے سرے سے مسلمان ہوا ہوں آؤ مناظرہ کرو۔

کبھی کہتے کہ تم سُنی یا دیوبندی نہیں ہم تم سے بات نہیں کرتے۔ آپ فرماتے کہ سب فرقے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور مسلمان کا لفظ سب کو شامل ہے جس طرح بنگالی۔ مدراسی، پنجابی۔ سندھی۔ بلوچی سب ہندوستانی ہیں اور آپ کسی کو نہیں کہہ سکتے کہ تم ہندوستانی نہیں، اسی طرح ہم سب مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کے فرقے ہیں لہٰذا میں بحیثیت مسلمان سب کی نمائندگی کر سکتا ہوں۔

امام المناظرین ہندوستان نے مناظرات میں آپ کا کوئی ہمسر پیدا نہیں کیا۔ مناظرے کا دن آپ کے لیے

عید کا دن ہوتا، ایسے سوالات کرتے جن کا جواب نہ بن پڑتا ایک عیسائی نے کہا عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے، آپ نے فوراً پوچھا خدا کی بیوی کا نام بتاؤ کہاں نکاح ہوا اور اگر بیوی نہیں تو بیٹا کیسے؟

ایک چکڑالوی نے حدیث کے خلاف بڑی دھواں دار تقریر کی آپ نے ایک بنچ منگوایا اس پر کپڑا ڈالا اور فرمانے لگے کہ یہ ایک منکرِ حدیث کی لاش ہے ذرا قرآن مجید کھول کر بتاؤ اس کو نہلانا کیسے دفنانا کیسے؟ مناظر جواب نہ دے سکا، فرمانے لگے لاش سڑ رہی ہے گل رہی ہے جلدی سے اسے سنبھالنے کا طریقہ قرآن سے بتاؤ؟ مناظر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

مولانا بڑے کے گھر تک پہنچ جاتے

مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کو چیلنج کر دیا اور کوئی تو نہ آیا مگر مولانا بڑے کے گھر تک پہنچ گئے قادیان جا کر چیلنج قبول کیا تو مرزا صاحب نے کہا کہ مجھے اللہ نے تم سے مناظرہ کرنے سے منع کر دیا ہے۔

غرضکہ اتنا بہادر اور جرأت مند آدمی علماء میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔

"مائیں بچے جنتی ہیں ایسے بہادر خال خال"

خراج عقیدت

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا " اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی یا قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیرِ بے نیام ہو گیا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔"

مدیر اخبار مدینہ فرماتے ہیں" اگر پوری دنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں۔ آریوں سناتن دھرمیوں۔ ملحدوں۔ نیچریوں۔ شیعوں۔ منکرین حدیث چکڑالویوں۔ بریلویوں۔ دیوبندیوں سے غرض ہر فرقے سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل تو

گھنٹے بحث و مناظرہ کی نوبت آئے تو عالم اسلام کی طرف سے کون مقابلے پہ آئے گا مجھے معلوم نہیں۔ لیکن پاکستان۔ ہندوستان۔ برما۔ سری لنکا، جزائر جاوا سماٹرا کی طرف سے ایک ہستی پیش ہو سکتی ہے اور وہ حضرت مولانا شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم و مغفور کی ہستی تھی ان کی رحلت کے بعد ہندوستان، پاکستان کی یہ سربلندی باقی نہیں رہی۔

علامہ رشید رضا نے فرمایا کہ مولانا ثناء اللہ صاحبؒ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں اور ان کی خدمات ان کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر ایک آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ وہ "رجل الٰہی" ہے۔ (مجلہ المنار المجلد الثالث والثلاثون السنہ ۱۳۵۱ ص ۶۳۹)

علامہ محمد جمیل مفتی حنابلہ (دمشق) نے جب آپ کی تصنیف "فیصلہ مرزا" کو دیکھا تو فرمایا آپ نے یقیناً ملحد و مرتد غلام احمد قادیانی سے اور اس کے بعد اس کی جماعت سے زبردست جہاد کیا ہے اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے۔ (اہلحدیث ۱۰ جون ۱۹۳۲ء)

علم کلام مرزا کی اشاعت پر جید علماء کرام نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا جن میں مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ۔ مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی اور مولانا سید سلیمان ندویؒ شامل ہیں سید صاحبؒ فرماتے ہیں "میں نے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ کا یہ رسالہ پڑھا موصوف کو مرزا صاحب کی کتابوں، رسالوں پر اس قدر عبور حاصل ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ مرزا صاحب کا علم کلام سراسر لفاظی۔ جگت اور محرف تاویلات پہ مبنی ہے۔

آغا عبدالکریم شورش فرماتے ہیں علمائے اہلحدیث نے مرزا صاحب کے خلاف کفر کا فتوےٰ دیا، ان کا فتویٰ فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل کے ص ۴۲ پر موجود ہے مرزا صاحب اس فتوے پہ تلملا اٹھے اور دیبان

صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا میاں صاحب سو برس سے اوپر ہو چکے تھے اور انتہائی کمزور تھے آپ نے مرزا صاحب کے چیلنج کو اپنے تلامذہ کے سپرد کیا، مرزا صاحب اپنی عادت کے مطابق فرار ہو گئے جن علمائے اہلحدیث نے مرزا صاحب کو اور ان کے بعد قادیانی اُمت کو زیر کیا ان میں مولانا محمد بشیر سہسوانی۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سرفہرست تھے لیکن جس شخص کو علمائے اہلحدیث میں فاتح قادیان کا لقب ملا وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے انہوں نے مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو لوہے کے چنے چبوائے۔ اپنی زندگی ان کے تعاقب میں گزار دی، ان کی بدولت قادیانی جماعت کا پھیلاؤ رک گیا۔ مرزا صاحب نے تنگ آ کر ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا ہے اور صبر کرتا رہا ہوں اگر میں کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں تو آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا ورنہ آپ سنت اللہ کے مطابق مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے خدا آپ کو نابود کر دے گا۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مفسد اور کذاب کو صادق کی زندگی میں اٹھا لے (خط مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء) اس خط کے ایک سال ایک ماہ بارہ دن بعد مرزا صاحب لاہور میں اپنے میزبان کے بیت الخلاء میں دم توڑ گئے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے وہ مرزا صاحب کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے ان کے علاوہ مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی۔ مولانا عبداللہ معمار (مصنف محمدیہ پاکٹ بک) مولانا سید محمد شریف صاحب گھڑیالوی۔ مولانا عبدالرحیم لکھو کے والے۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑیؒ۔ مولانا حافظ محمد گوندلویؒ۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ گوجرانوالہ۔ مولانا محمد حنیف ندوی۔ مولانا حبیب اللہ حافظ ابراہیم کمیرپوری وغیرہ نے قادیانی اُمت کو ہر دینی محاذ پر خوار کیا اس سلسلہ میں غزنوی خاندان نے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ مولانا سید محمد

داؤد غزنوی جو جماعت اہلحدیث کے امیر اور مجلس احرارِ اسلام کے سیکرٹری رہے انہوں نے اسی محاذ پر بے نظیر کام کیا علمائے اہلحدیث قادیانیت کے تعاقب میں پیش پیش رہے۔ (تحریک ختم نبوت صفحہ ۳۰-۳۱)

سب سے بڑا تھا نام ان کا سب سے اونچا مقام ان کا

مولانا ثناء اللہ صاحب ندوۃ العلماء کے رکن تھے اس لیے اکثر ندوۃ العلماء تشریف لاتے سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں "ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے میں بھی درس میں تھا ان کو آتا دیکھ کر ان کی طرف لپکا مگر مرحوم نے میری بجائے سبقت استادی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا، کبروا الکبراء "بڑوں کو بڑائی دو۔" مرحوم قومی جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے ۱۹۱۲ء میں ندوہ کی تحریک اصلاح کے سلسلہ میں جب حکیم اجمل خاں مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندے شریک ہوئے تو مولانا شبلی نعمانیؒ کی تحریک پر مولانا ثناء اللہ ہی صدر مجلس قرار پائے۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں ہوا جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع ہوئے اس میں مولانا شریک ہوئے تھے۔

مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری لکھتے ہیں تقسیم ملک کے بعد مولانا گوجرانوالہ تشریف لے گئے مگر کبھی زکوٰۃ کا یا لوٹ کا مال قبول نہیں کیا۔

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مولانا کی عادت تھی کہ وہ مرزائیوں کو آڑے ہاتھوں لیتے مرزا صاحب اکثر دوسرے فرقوں کو چیلنج کرتے مگر مولانا ثناء اللہ صاحبؒ اس کے ہر چیلنج کا جواب دیتے۔

حسب سابق ۱۹۳۵ء کو قادیان میں جلسہ ہوا جس میں مولانا مرتضیٰ حسن

صاحب استاد دارالعلوم دیوبند شریک ہوئے انہوں نے مرزا صاحب کی تفسیر قرآن پر تنقید کی۔

اس پر مرزا محمود نے ان کو چیلنج کر دیا کہ قرآن مجید کے کسی جگہ سے تین رکوع کی تفسیر کرو اور میں بھی کرتا ہوں۔ میں تفسیر مرزا صاحب کی تعلیم کی روشنی میں کروں گا دنیا دیکھ لے گی کہ کون بہتر تفسیر کرتا ہے (الفضل ۱۹ر جولائی ۱۹۲۵ء)

مولانا ثناء اللہ صاحبؒ نے فوراً لکھا کہ ہمیں چیلنج منظور ہے اسی میدان میں آجاؤ جہاں مرزا صاحب نے مباہلہ کیا تھا۔ میں آپ کی طرف سے تاریخ اور وقت کے تقرر کا منتظر ہوں۔

مرزا محمود نے لکھا ہمارا چیلنج علمائے دیوبند کو ہے آپ کو نہیں اگر آپ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ان کا وکالت نامہ لیں (الفضل ۳ر نومبر ۱۹۲۵ء)

اس کے جواب میں مولانا ثناء اللہ صاحبؒ نے اخبار اہلحدیث ۱۲ر نومبر ۱۹۲۵ء میں لکھا مجھے کسی سے وکالت نامہ لینے کی ضرورت نہیں آپ اگر امرتسر نہیں آسکتے تو آپ بٹالہ کی جامع مسجد میں تشریف لائیں جہاں ۸ بجے سے ۱۲ بجے تک تفسیر قرآن لکھیں گے کاغذ اور قلم کے علاوہ کوئی کتاب پاس نہیں ہوگی اور دس گز کے فاصلے تک قریب کوئی آدمی بھی نہیں بیٹھے گا مگر مرزا محمود صاحب اس کے باوجود حاضر نہ ہوئے اور بھاگ گئے۔

جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تحریک پر ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں منٹو مارلے اصلاحات پر علماء کے نقطہ نظر سے بحث ہوئی اور ایک وفد وائسرائے کو ملا۔

مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کی تجویز پر کہ مستقل ایک جماعت بننی چاہیے جو دینی نقطۂ نظر سے سیاسیات پر نظر رکھے۔ چنانچہ جمعیۃ علمائے ہند

کی بنیاد رکھی گئی جس کے صدر مفتی کفایت اللہ اور ناظم مولانا احمد سعید مقرر ہوئے اس کی پہلی میٹنگ میں پہلا ریزولیشن حضرت مولانا محمود الحسن کی رہائی کے متعلق پاس ہوا جو جزیرہ مالٹا میں قید تھے اپنے شاگردوں سے کہتے کچھ میری رہائی کے لیے کوشش کرو (سیرت ثنائی صفحہ ۲۱۸)

مولانا محمود الحسنؒ کی رہائی کیلئے تار

مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا کی رہائی کے لیے وائسرائے کو تار دیا گیا اور میں بڑی مسرت سے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ اس تار کے جملہ اخراجات میں نے اپنی گرہ سے دیے ہیں اس کو اپنے لیے باعث عزت اور موجب نجات سمجھتا ہوں مولانا محمود الحسنؒ میرے ساتھ اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اس لیے بڑے بڑے مباحثوں میں جہاں اکابر دیوبند کا دخل ہوتا مباحثہ اس خاکسار کے سپرد کیا جاتا جیسے مباحثہ نگینہ۔ مباحثہ رامپور وغیرہ۔

متبادل مناظر

مولانا صرف دیوبندیوں کی طرف سے نہیں بلکہ بریلویوں کی طرف سے بھی مناظر مقرر کیے جاتے چنانچہ شیعوں کے مقابلہ میں مولانا کو بریلوی احناف نے مناظر مقرر کیا اور انہوں نے مناظرہ دار برٹن جیتا (جو شیعہ حضرات سے تھا)

اسی طرح مناظرہ رامپور میں بھی آپ نے احناف اور نواب رامپور کے کہنے پر مرزائیوں سے مناظرہ کیا جس پر نواب رامپور نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا اور دو صد روپے مستقل وظیفہ مقرر کیا۔

اعزاز

مولانا ثناء اللہ صاحب جب مدرسہ دیوبند سے فارغ ہوئے اور سند لینے کے لیے مولانا محمود الحسن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

"ثناء اللہ طلباء تمہاری بہت شکائتیں کیا کرتے تھے کہ یہ اعتراض ول

میں بہت سا وقت ضائع کرتا ہے لیکن تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ جسے اللہ تعالی کچھ عطا کرتا ہے اسی سے حسد ہوتا ہے (سیرت ثنائی ص ۲۴۵)

مولانا ظفر علی خان صاحبؒ نے مولانا کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ؎

خدا سمجھائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

مرزائیت کے متعلق مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کی تصانیف

مولانا ثناء اللہ صاحبؒ خود فرماتے تھے کہ مجھ کو خود ان کتابوں کی تعداد یاد نہیں جو میں نے مرزا غلام احمد کے خلاف لکھیں، کچھ کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) الہامات مرزا
(۲) صحیفہ محبوبیہ
(۳) ہفوات مرزا
(۴) آفتہ اللہ
(۵) عقائد مرزا
(۶) چیستان مرزا
(۷) فسخ نکاح مرزائیاں
(۸) نکاح مرزا
(۹) عجائبات مرزا
(۱۰) شہادات مرزا
(۱۱) ہندوستان کے دو ریفارمر
(۱۲) فیصلہ مرزا
(۱۳) مراق مرزا
(۱۴) علم کلام مرزا
(۱۵) عشرہ کاملہ
(۱۶) تحفہ احمدیہ
(۱۷) بطش قدیر بر قادیانی تفسیر
(۱۸) ناقابل مصنف
(۱۹) رسائل اعجازیہ
(۲۰) فاتح قادیان
(۲۱) فتح ربانی در مباحثہ قادیانی
(۲۲) مرقع قادیانی
(۲۳) زار قادیان
(۲۴) عشرہ مرزائیہ / تاریخ مرزا
(۲۵) شاہ انگلستان اور مرزا قادیان
(۲۶) قادیانی مباحثہ دکن
(۲۷) نکات مرزا
(۲۸) محمد قادیان

(۲۹) تعلیمات مرزا (۳۳) مکالمہ احمد
(۳۰) تفسیر نویسی کا چیلنج اور مرزا (۳۴) لیکھرام اور مرزا
(۳۱) بہاء اللہ اور مرزا (۳۵) محمود مصلح موعود
(۳۲) اناجیل مرزا (۳۶) تحفہ مرزائیہ

علاوہ ازیں مولانا نے سیکڑوں کتابیں لکھیں جن میں بعض کتابیں ایسی تھیں جن پر ان کو دوست و دشمن نے خراج عقیدت پیش کیا۔

ترک اسلام دھرمپال آریہ نے ترک اسلام کتاب لکھی جس کا جواب کسی سے نہ بن پڑا، اس کا جواب مولانا نے ترک اسلام لکھا جس سے متاثر ہو کر دھرمپال مسلمان ہو گیا۔

رنگیلا رسول رنگیلا رسول کی اشاعت پر مسلمانوں میں اشتعال پھیل گیا۔ حضرت رسول اکرم پر اس کتاب میں کیچڑ اچھالا گیا تھا، اس کا جواب کوئی نہ دے سکا، مولانا نے اس کا جواب مقدس رسول لکھا

حق پرکاش ستیارتھ پرکاش کے چودھویں سمولاس کے جواب میں آپ نے حق پرکاش لکھی، ان کتابوں کا جواب کوئی نہ دے سکا۔

یہ مرتبہ بلند جس کو ملا، مل گیا حضرت مولانا ثناء اللہ صاحبؒ ہندوستان کے ان علماء سے تھے جن کی رائے نہایت وقیع سمجھی جاتی تھی چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس بھی آپ کی تجویز پر ہوئی وہ مدت العمر اس کے رکن رہے اسی طرح ندوۃ العلماء کی تاسیس میں بھی آپ نے حصہ لیا اور آپ اس کے مستقل رکن رہے اور دہلی کا اجلاس جو حکیم اجمل خاں صاحب کے کہنے کے مطابق بلایا گیا تھا اس کے صدر منتخب ہوئے۔

اسی طرح کانگرس سے متنفر ہو کر حکیم صاحب نے جو اجلاس مسلم لیگ کے

نام پر طلب کیا گیا اس میں بھی مولانا بنیادی ارکان میں شامل تھے۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس تو ان کی اپنی جماعت تھی جہاں رہے جس جماعت میں گئے اپنی امتیازی حیثیت ہمیشہ برقرار رکھی ؎

یہ مرتبہ بلند جس کو ملا مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بریلویوں کا اظہارِ عقیدت

علاوہ ازیں آریوں، سناتن دھرمیوں، عیسائیوں۔ چکڑالویوں جیسے فرق باطلہ کے مقابلہ میں کوئی بھی مسلمان کہلانے والا فرقہ بلاتے فوراً پہنچ جاتے اور وعدہ کر کے ہمیشہ پورا کرتے اسی لیے ابوالوفاء کہلائے خود امیر آدمی تھے اور مخیر بھی بے حد تھے اس لیے اگر کسی غریب آدمی نے بھی بلایا تو اپنے اخراجات پر فوراً پہنچ جاتے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بھانجے محبوب رضا خاں صاحب جو علی گڑھ میں میرے ساتھ پڑھتے تھے نے فرمایا کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آریوں نے ہمیں بہت تنگ کیا، کوئی آدمی ان کے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کرتا تھا ہم نے ایک معمولی وہابی کو کہا اس نے خط لکھ دیا۔ حضرت مولانا اسی خط پر بریلی پہنچ گئے جب آریوں کو علم ہوا تو وہ بھاگ گئے۔ مولانا نے رات انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون پر تقریر فرمائی ہم نے بہت زور لگایا کہ دو ایک دن اور ٹھہر جائیں مگر انہوں نے معذرت کی کہ مجھے دوسری جگہ جانا ہے اور فرمایا کہ ثناء اللہ کی پیدائش سے پہلے بھی اللہ نے قرآن کی حفاظت کی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اللہ ہی اس کی حفاظت کرے گا ان کے چلے آنے کے بعد آریوں نے پھر اودھم مچایا اور ان کے ایک مقرر نے کہا کہ میں قرآن کو جوتے کی ٹھوکر مارتا ہوں دیکھتا ہوں کون خدا اسے بچاتا ہے مگر اس سے پہلے کہ اس کا پاؤں قرآن مجید تک پہنچے ایک آدمی نمودار ہوا اس نے اس زور سے

اس کے سر پر بھالا رسید کیا کہ سر جسم میں دھنس گیا، شور مچ گیا مگر مارنے والا نہ ملا میں تو کہتا ہوں مولوی ثناء اللہ ولی اللہ تھا۔

کیا ایسے پاکیزہ محسن اور درد دل رکھنے والے انسان کے متعلق زبان درازی اور الزام تراشی مناسب ہے، اللہ آپ کے بیٹوں کو سمجھ دے، آپ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی اعمالنامہ سیاہ کر رہے ہیں اور روز قیامت آپ کو اس پر ضرور شرمندہ ہونا پڑے گا۔

مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ اس کے متعلق شورش کاشمیری کا ایک اقتباس ذکر کر چکا ہوں جس میں انہوں نے ذکر کیا کہ

مولانا ثناء اللہ صاحب کے دادا استاد سید نذیر حسین نے مرزا پہ کفر کا فتویٰ لگایا جو فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۴ پر موجود ہے۔ آخری عمر میں یہ محاذ آپ نے اپنے شاگردوں کے سپرد کر دیا جن میں مولانا ثناء اللہ صاحب کو امتیازی حیثیت حاصل ہے جتنا لٹریچر مولانا نے مرزا کے خلاف لکھا ہے شاید سب علماء کا لکھا ہوا ملا کر بھی اس کے برابر نہ ہو، کیا مولانا اس کو مسلمان سمجھ کر اس کے خلاف لکھتے رہے کوئی مخبوط الحواس ہی یہ کہہ سکتا ہے وہ تو ظرافت میں بڑے بڑے مسائل پر داسٹے نذنی کر جاتے تھے۔

خواجہ حسن نظامیؒ کے متعلق فرمایا: خواجہ صاحب دہلوی بریلویوں میں خوش مزاج اور خوش اخلاق بزرگ ہیں آپ بہت سے مریدوں کے پیر بھی ہیں اور بہت سے لیڈروں کے رہنما بھی، صوفیوں میں آپ صوفی بھی ہیں، علماء میں آپ ایسے عالم ہیں کہ قادیان سے کفر کا فتویٰ ہٹا دیتے ہیں۔

رند بھی ہوں میں پارسا بھی ہوں ‏ ‏ مری نگاہ میں ہیں رند و پارسا اک ایک

(سیرت ثنائی صفحہ ۲۱۴ اخبار پیغام صلح ۲۲ اگست ۴۳ء اہلحدیث یکم ستمبر ۴۴ء)

مرزا کو کافر کہنا کفر کی توہین ہے مولانا عبدالغنی صاحب خانپوری کا بیان ہے کہ میں نے مولانا سے کہا آپ کے

متعلق مشہور ہے کہ آپ مرزا کو کافر نہیں کہتے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں مرزا صاحب کو کافر کہنا کفر کی توہین سمجھتا ہوں وہ کافروں سے ہزار درجہ بدتر ہے حیات ثنائی ص۳۷۱

مرزا صاحب مردود تھے مباحثہ میرٹھ میں مولانا نے لوگوں سے سوال کیا کیا میں زندہ ہوں لوگوں نے کہا کہ ہاں پھر فرمایا مرزا صاحب مر چکے ہیں یا نہیں؟ لوگوں نے کہا مر چکے ہیں فرمایا بتاؤ کیا کسی نبی کی دعا مردود ہو سکتی ہے لوگوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس کی دعا بھی مردود وہ خود بھی مردود۔ کافر اور جھوٹا تھا پہلے مرگیا (حیات ثنائی ص۶۷۵)

ایک اور حوالہ (اخبار اہلحدیث ۱۳ ستمبر ۱۹۶۰ء بحوالہ فتنہ قادیانیت اور مولانا امرتسری ص۲۸۹)

مولانا نے فرمایا اس میں کچھ شک نہیں کہ مرزائی گروہ عرفِ اسلام سے بالکل الگ ہے ان کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال وافعال کو سند مانتے ہیں بلکہ حدیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں اس لیے گروہ کے ساتھ کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کے نہیں کرنا چاہیے۔

ایک اور حوالہ (حیات ثنائی ص۱۷۹ پر ایک جلسہ کا واقعہ درج ہے۔) ایک جلسہ میں مولانا نے مرزائیت کی تردید میں تقریر فرمائی اور کہا کہ مرزا اور ان کی جماعت چونکہ عقائد باطلہ کی حامل ہے اور اصولِ اسلام سے منحرف ہے لہٰذا دین محمد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

محتاط گفتگو مولانا ثناءاللہ صاحب کا یہ وصف تھا کہ وہ بہت محتاط گفتگو کرتے تھے اور کسی کو مشتعل نہیں ہونے دیتے تھے آپ سوچیں اگر کوئی شخص دیوبندیوں کے خلاف دیوبند میں جاکر مناظرہ کرے اور جاتے ہی ان پر کفر کا فتوے لگا دے تو کیا وہ

تقریر کر سکے گا ہرگز نہیں وہ اپنا مدعا بیان کرنے سے پہلے جوتے کھائے گا اسی طرح کوئی بریلی جا کر بریلوی حضرات پر فتوی کفر لگا دے تو وہ اسے اسٹیج پر چڑھنے نہیں دیں گے شور اور ادھم مچ جائے گا۔ ہاں اپنے گھر بیٹھ کر بے شک سارے جہان کو کاذب کہتا رہے اسے کوئی فکر نہ ہوگا۔ اور نہ اُسے کوئی روکے گا۔

یہی باتیں جو آپ نے اہلحدیث کے خلاف لکھی ہیں آپ میں ہمت نہیں کہ اسے اپنے ممبر پہ کھڑے ہو کر یا جامع مسجد نور میں بیان کر سکیں اگر ایسا کریں تو آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔

یہاں تو آپ کے چچا جان اور والد بزرگوار کسی کے خلاف بات نہیں کرنے اور سچ ہے ایسی جھوٹی اور لغو گفتگو یا الزام تراشی اگر عام پبلک میں کی جائے تو پبلک منہ توڑ دے۔

حسن بیان

مولانا جانتے تھے کہ مرزائی مجھ سے بہت تنگ ہیں اس لیے وہ بات بڑے سلیقے اور طریقے سے کرتے تھے بات بھی کر جاتے تھے اور مشتعل بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔

میرے ایک دوست ثناء اللہ تھے جو پہلے مرزائی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے وہ خود کشمیری تھے اور بڑے اکھڑ وہ خود اُلجھنے کے لیے مولانا ثناء اللہ کے پاس پہنچے اور کہا تم ہمیں کافر کہتے ہو؟ مولانا نے فرمایا تمہارا اور ہمارا خیال ایک ہی ہے ہم مرزا کو نہیں مانتے اس لیے تم ہم کو کافر کہتے ہو اور ہم تم کو مرزا کی اُمت سمجھتے ہیں جس طرح ہم حضرت عیسیٰ کو ماننے کے باوجود عیسائی نہیں کہلا سکتے بلکہ اُمت محمدیہ کہلاتے ہیں اسی طرح تم اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہو تم اُمت محمدیہ یعنی مسلمانوں میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ تم غلام احمد کی اُمت ہو سابقہ انبیاء کو ماننے کا دعویٰ بھی تم کو سابقہ نبی کی اُمت میں

داخل نہیں کر سکتا اور اس پر تمہارا ہمارا اتفاق ہے وہ سب کچھ کہہ بھی گئے اور الجھنے کا موقعہ بھی نہ دیا۔

اسی طرح وہ مخالفین کے اپنے گھروں، مسجدوں محلوں میں جا کر بڑے محتاط لہجے میں گفتگو کرتے اپنی بات کہہ بھی دیتے مگر مشتعل بھی نہ ہونے دیتے۔ اولئک آبائی فجئنی بمثلھم۔

کیا مرزائی کا کسی مسلمان سے نکاح ہو سکتا ہے

مولانا عبدالحق صاحب نے یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ وہ مرزائی سے نکاح جائز سمجھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے ۱۸۹ علماء کرام سے فتوے حاصل کیے جنہیں ہر مکتب فکر یعنی اہلحدیث دیوبندی۔ بریلوی شیعہ شامل تھے سب نے متفقہ فتویٰ دیا۔

"کہ ان عقائد کا اختیار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور کافر ومرتد ہے اور ایسے مرد یا عورت کا کسی مسلمان مرد یا عورت سے نکاح صحیح نہیں اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص یہ عقائد اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔

یہ رسالہ ۹۶ صفحات پر مشتمل تھا اور مولانا کی زندگی ہی میں دو دفعہ چھپا تھا اس کے باوجود مولانا پر یہ الزام کہ وہ مرزائیوں سے نکاح جائز سمجھتے تھے کتنا بڑا الزام اور جھوٹ ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ حافظ صاحب کو حوالے ملے تو مرزائیوں کی کتابوں سے کوئی حوالہ تاریخ احمدیت سے کوئی حوالہ مغرب میں تبلیغ اسلام محمد علی لاہوری کی کتاب سے، کس قدر حسن ظن ہے ان پر کہ مرزائیوں کی جھوٹی باتیں نقل کر کے بلاوجہ بہانے بنا کر اکابر اہلحدیث پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے حالانکہ کسی بیچارے اہلحدیث نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا اور آپ باپ بیٹا بلا اشتعال ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے برخلاف صـ۸۲ پر فتویٰ ربانی پر حافظ صاحب فرماتے ہیں" اگرچہ مولوی محمد علی لاہوری اور صدر دین احمد لاہوری مرزائیوں کے دیگر حضرات نے اپنی کتب میں یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مولانا امرتسری مرزا کو کافر قرار نہیں دیتے تھے یعنی جو کچھ اہلحدیث کے متعلق وہ لکھیں وہ سچ اور جو آپ کے متعلق لکھیں وہ جھوٹ ہے

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
جو تیرگی میرے نامہ سیاہ میں ہے

ملاحظہ فرمائیں یہ کتنا غلیظ جملہ ہے۔

سردار اہلحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب غیر مقلد مرزا قادیانی کے دیدار کے لیے قادیان گئے

ایک مرزائی کے کہنے پر آپ کے لیے یہ قابل تسلیم ہے کہ مولانا شوق زیارت میں امرتسر سے قادیان پہنچے اور وہ بھی پیدل۔

مولانا امیر آدمی تھے بہت بڑا پریس اور کتب خانہ اور مکتبہ سب کتابیں خود اپنے خرچ سے چھپواتے ان کو پیدل قادیان جانے کی کیا ضرورت تھی وہ جب بھی قادیان گئے مرزا کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے گئے۔

مرزا قادیانی، ایک کتاب اعجاز احمدی لکھی جس میں اس نے مولانا کو چیلنج دیا کہ وہ قادیان آکر الہامات مرزا کو غلط ثابت کریں اور ایک لاکھ پندرہ ہزار انعام پائیں۔ مولانا ثناء اللہ کا ابھی ابتدائی دور تھا مگر مرزا آپ کے علمی مقام سے ڈرتا تھا اسے مولانا کے علم کا اعتراف تھا مولانا کب رکنے والے تھے فوراً قادیان پہنچے، حاضری کی اطلاع دی، مگر مرزا نے جواب دیا " میں خدا سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں مولویوں سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ مولانا نے مرزا محمود کو تفسیری چیلنج دیا جو اس نے دیوبندیوں کو کیا تھا مگر مرزا محمود فرار ہو گیا۔

بار بار آپ نے علمائے لدھیانہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے کفر کا فتویٰ دیا۔

مگر آپ کو یہ یاد نہ رہا کہ علمائے لدھیانہ مرزا کے خلاف حجروں میں گھسے رہے باہر نہ نکلے اور نہ ان کو گفتگو کا یارا ہوا، یہ کام شیر پنجاب فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ نے کیا کہ مرزا کو مناظرہ لدھیانہ میں شکست فاش دی اور اس زمانے میں تین صد روپے انعام وصول کیا ثالث نے آپ کے حق میں فیصلہ دیا۔

گنگوہیؒ صاحب کی بہادری

آپ نے اپنی کتاب کے ص۸۱ پر تحریر فرمایا:

مرزا صاحب نے گنگوہیؒ صاحب سے اس شرط پر مناظرہ کرنا منظور کیا۔ کہ آپ تقریر کرتے جائیں اور دوسرا شخص آپ کی تقریر لکھتا جائے۔ اور جب تک آپ کی تقریر ختم نہ ہو دوسرا فریق یا کوئی اور دوران تقریر نہ بولے، پھر دونوں تقریریں شائع ہو جائیں مگر بحث لاہور میں ہو۔

مگر مولانا گنگوہیؒ نے جواب دیا کہ تقریر زبانی ہوگی لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور حاضرین میں سے جس کسی کے جی میں جو آئے گا وہ دفع اعتراض وشک کے لیے بولے گا۔ اور مباحثہ سہارن پور میں ہوگا۔

گنگوہیؒ صاحب کا یہ حال تھا کہ مرزا صاحب نے لاہور میں مناظرہ کرنے کے لیے کہا تو انھوں نے انکار کر دیا انھوں نے تحریری مناظرے کا چیلنج دیا تو گنگوہی صاحبؒ نے فرمایا ایک جملہ بھی لکھنے نہ دیا جائے گا اور تقریری مناظرہ پر زور دیا اور شرط یہ لگائی کہ مناظرہ سہارن پور میں ہوگا جہاں دیوبندیوں کے بہت بڑے مدرسے مظاہر العلوم اور دار العلوم دیوبند موجود ہیں اور بدترین شرط یہ لگائی کہ حاضرین میں سے جس کسی کے جی میں جو بھی آئے گا وہ دفع اعتراض کے لیے بولے گا یعنی طلبا کو اور عوام کو مناظرہ میں اٹھ اٹھ کر بولنے کی اجازت ہوگی۔ گیا جس شخص کا مناظرے کا ارادہ ہو وہ اسی قسم کی شرائط لگاتا ہے تاکہ شور مچایا جائے اور دھم مچ جائے کوئی فیصلہ نہ ہو سکے۔

اور بے شرمی کی انتہا آپ فرماتے ہیں کہ لاہور میں مناظرے کے اصرار کی سمجھ تو آتی ہے کہ ممکن ہے مرزا صاحب کو بٹالوی صاحب مسجد چینیا نوالی کے منتظمین اور لاہور کے غیر مقلدین سے امداد کی توقع ہو کہ وہ عین مناظرہ کے وقت میں ہلڑ بازی وغیرہ کے اپنے روایتی طریقہ واردات کے ذریعے مرزا صاحب کی جان بخشی کرا دیں۔ لیکن سہارن پور مناظرہ سے انکار کے لیے انہوں نے جو عذر بیان کیا ہے وہ ارباب عقل و دانش کے لیے ناقابل فہم ہے۔

واقعی بڑے منصف مزاج اور بہادر ہیں آپ اور آپ کے اکابر کہ اپنے گھر (سہارن پور) سے باہر نکل کر مناظرہ نہیں کر سکتے۔ اور خود ہلڑ بازی کی شرط لکھ کر منواتے ہیں۔

اور جو شخص بڑے کے گھر تک پہنچتا ہے قادیان جا کر مناظرے کا چیلنج کرتا ہے اور مرزا تحریری طور پر مقابلہ پر آنے سے گریز کرتا ہے اس کے متعلق لکھتے ہوئے آپ کو ذرا شرم نہیں آئی "سردار اہلحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب مرزا قادیانی کے دیدار کے لیے قادیان میں" آپ گھر بیٹھے بلا مناظرہ سورما بن گئے اور جو بڑے کے گھر تک تعاقب کرتے ہوئے قادیان پہنچے اور مرزا صاحب سے تحریر لکھوائی کہ میں مناظرہ نہیں کرتا وہ مرزائی نواز ٹھہرے اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ

اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

دعائے مرزا مرزا صاحب جس قدر مولانا ثناء اللہ صاحب سے تنگ تھے اتنے کسی سے تنگ نہ تھے مولانا بے شمار لٹریچر مرزا صاحب کے خلاف لکھا اور ہر میدان میں اسے للکارا بر سر عام شکست دے کر انعامات حاصل کیے، کئی ثالثوں جن میں نواب رامپور بھی شامل تھے سے اپنے حق میں فیصلے اور سندات حاصل کیں اور مرزا صاحب کا ناطقہ بند

کر دیا تو وہ سر بیٹھ کر رہ گیا۔ مناظرہ مقابلہ اور مباہلہ کے بیسے سامنے آنے کی جرأت نہ رہی تو آخری فیصلہ کے لیے خدا سے دعا کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولانا سے بہت تنگ تھا اس نے ایک خط لکھا جس کا عنوان تھا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب سے آخری فیصلہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
یستنبئونک أحق ھو قل ای و ربی انہ لحق۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب! سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ
مدت سے آپ کے پرچے اہلحدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچے میں مردود دکذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری بہت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری، کذاب اور دجال ہے اور اسی شخص کا مسیح موعود ہونے کا دعوے سراسر افترا ہے میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا ہے اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر رکھ کر دنیا کو میری طرف سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا اگر میں ایسا کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں" تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔" کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفتری کذاب کی عمر بہت نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے

اشد دشمنوں کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ سنت اللہ کے مطابق مکذبین کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں نہ وارد ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک نصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے اور جو میرے دل کے حالات کو جانتا ہے اور اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں اس کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون اور ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے تمام ان گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھ کو دکھ دیتا ہے آمین رب العالمین

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا ہوں اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ اس کی بدزبانی حد سے گزر گئی مجھ کو ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بدتر مانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لا تقف ما لیس لک بہ علم پر عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ، دکاندار، کذاب اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر اثر بد نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ اپنی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لیے میں تیری ہی تقدیس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر آمین ثم آمین ۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین ، آمین

بالآخر مولانا سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے۔

الراقم عبد اللہ الاحد مرزا غلام احمد مسیح موعود و عافاہ اللہ وایدہ“

مرقوم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵ راپریل ۱۹۰۷ء

کیا اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا ثناءاللہ صاحب اور مرزا غلام احمد کی گاڑھی چھنتی تھی ۔ اور مولانا مرزائی نواز تھے یا یہ پتہ چلتا ہے کہ مرزا غلام احمد کا انہوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا کسی میدان میں کبھی ان کو ٹکنے نہ دیتے تھے وہ کسی اور کو کبھی چیلنج کرتا تو مقابلے پر مولانا ثناءاللہ خود پہنچ جاتے اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کے سوا اس کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا گھر میں بیٹھ کر توڑ بینگیں مارنے والے بہت ہیں مگر مقابلے کی جرأت کسی میں نہ تھی ۔

کیا مرزا غلام احمد غیر مقلد تھا ؟

کس قدر ستم ظریفی ہے کہ جس جماعت کے علماء نے مرزا کو سرِ میدان للکارا اور جن سے وہ جان بچاتا پھرتا تھا اور جن کے مقابلے میں وہ مرگیا ان کو آپ نے مرزا صاحب کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے اور کہا کہ مرزا صاحب غیر مقلد تھے ص ۲۴

میرے خیال میں یہ سینہ زوری ہے ورنہ مرزا صاحب کبھی بھی اہلحدیث نہ تھے دلائل درج ذیل ہیں :۔

ایک دفعہ مشہور عالم دین مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور منکر حدیث عبداللہ چکڑالوی کے مابین مناظرہ ہوا ، اس پہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ۔

(۱) " غرض یہ فرقہ اہل حدیث اس بات میں افراط کی راہ پر قدم مار رہا ہے کہ قرآنی شہادت پہ حدیث کو مقدم سمجھتے ہیں اور اگر وہ انصاف اور خدا ترسی سے کام لیتے تو ایسی حدیثوں کی تطبیق قرآن شریف سے کر سکتے تھے مگر وہ اس بات پہ راضی ہو گئے کہ خدا کے قطعی اور یقینی کلام کو بطورِ متروک اور مہجور قرار دیں اور اس بات پہ راضی نہ ہوئے کہ ایسی حدیثوں کو جن کے بیانات کتاب اللہ

کے مخالف ہیں یا تو چھوڑ دیں اور یا ان کی کتاب اللہ سے تطبیق کر لیں ۔ پس یہ افراط کی راہ ہے جو مولوی محمد حسین نے اختیار کر رکھی ہے (مسیح موعود حکم ربانی کا ریویو)

(۲) حدیث کو عجمی سازش قرار دیتے ہوئے مزید لکھتا ہے "جبکہ حدیثیں سو ڈیڑھ سو برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمع کی گئیں ہیں اور انسانی ہاتھوں کے مس سے وہ خالی نہیں ہیں اور باایں ہمہ وہ احاد کا ذخیرہ اور ظنی ہیں اور پھر وہی قرآن شریف پر قاضی بھی ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ تمام دین اسلام ظنیات کا ایک تودہ اور انبار ہے اور ظاہر ہے کہ ظن کوئی چیز نہیں اور جو شخص محض ظن کو پنجہ مارتا ہے وہ مقام بلند سے بہت نیچے گرا ہوا ہے ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان الظن لا یغنی من الحق ۔ یعنی محض ظن حق الیقین کے مقابلہ پر کچھ چیز نہیں پس قرآن شریف تو یوں ہاتھ سے گیا کہ وہ بغیر قاضی کے فتوؤں کے واجب العمل نہیں اور متروک و مہجور ہے ۔ اور قاضی صاحب یعنی حدیث صرف ظن کے میلے کچیلے کپڑے زیب تن رکھتے ہیں جس سے احتمال کذب کسی طرح مرتفع نہیں کیونکہ ظن کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ دروغ کے احتمال سے خالی نہیں پس اس صورت میں نہ تو قرآن ہاتھ میں رہا اور نہ حدیث اس لائق کہ اس پر بھروسہ ہو سکے (مسیح موعود حکم ربانی کا ریویو ۳)

(۳) پھر لکھتے ہیں کہ اس جگہ ہم اہل حدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جب کہ رسمی محدثین کا طریقہ ہے (صفحہ ۶ مسیح موعود حکم ربانی کا ریویو)

(۴) حضرت مسیح کے مقابل بھی وہی فرقہ یہودیوں کا تھا جو عامل بالحدیث کہلاتا تھا ۔ (رسالہ مذکور)

(۵) اس لیے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود بھی نہ ہوتا جو مدت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی اصل تعلیم کا کچھ بھی حرج

نہیں (رسالہ مذکور)

(۶) "پس اسلام یہی ہے کہ نہ تو اس زمانے کے اہلحدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وہ مقدم ہیں" (رسالہ مذکور)

(۷) مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ "حدیث میں اگر کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے"۔ (مجدد اعظم جلد ۳ ص ۹۸-۹۹)

ملاحظہ فرمایا آپ نے نبوت کا دعویٰ کرنے والا امام کی تقلید کر رہا ہے جس طرح آپ نبی کی اتباع کو چھوڑ کر حنفی بنے بیٹھے ہیں۔

(۸) مرزا بشیر لکھتا ہے "اصولاً آپ (مرزا غلام احمد) ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے اور اپنے لیے کسی زمانے میں بھی اہلحدیث کا لفظ پسند نہیں فرمایا (سیرت المہدی ج ۲ ص ۴۹)"

(۹) ہم کوئی حنفیوں کے خلاف نہیں (ج ۳ ص ۴۶ سیرت المہدی)

(۱۰) "خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود یوں تو سارے اماموں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر امام ابو حنیفہؒ صاحب کو خصوصیت کے ساتھ علم و معرفت میں بڑھا ہوا سمجھتے تھے اور ان کی قوت استدلال کی بہت تعریف کرتے تھے"۔ (سیرت المہدی جلد ص ۴۹)

(۱۱) باپ بیٹے کے ان اقبالی بیانات کے بعد اب مرزا قادیانی کے دست راست خلیفہ نور دین بھیروی کی دوشہادتیں بھی پڑھ لیجیے۔ وہ مرزا صاحب کا عقیدہ بتاتے ہوئے لکھتا ہے "مرزا صاحب اہلسنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے اور اس طائفہ ظاہرین علی الحق سے تھے" (ملفوظات نور از خلیفہ نور دین ص ۵۴)

(۱۲) مسئلہ اگر قرآن و حدیث سے نہ ملے تو فقہ حنفیہ پر عمل کرتے ہیں" (مرقات الیقین از خلیفہ نور دین ص ۳۲)

(۱۳) مرزا کا اپنی ڈائری کلام مرزا صفحہ ۱۴۲ پر رقمطراز ہیں" ہمارے ہاں جو آتا ہے پہلے اُسے حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری"

(۱۴) "مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نئے نئے پڑھ کر بٹالہ آئے تو چونکہ اہلحدیث تھے اس لیے سینوں کو ان کے خیالات گراں گذرے بعض اختلافی مسائل پر بحث کرنے کے لیے حنفیوں نے حضرتِ اقدس مرزا (قادیانی) صاحب کی طرف رجوع کیا اور ان کا ایک نمائندہ حضرت اقدس کو قادیان سے لے آیا (تاکہ مولانا بٹالوی سے مناظرہ کریں) وہ بطور متفقہ نمائندہ احناف تشریف لائے" (مجدد اعظم ج ۲ رسالہ مذکور صفحہ ۳۴۳)

ان حوالہ جات کو ملاحظہ فرمائیں مرزا صاحب نے اہلحدیثوں کو بے جا افراط کا الزام لگا رہے ہیں پھر فرماتے ہیں حدیثیں ڈیڑھ صدی بعد بنی ہیں پھر کہتے ہیں یہ ظنی ہیں ان میں کذب کا احتمال ہے پھر عامل بالحدیث کو یہودی کا لقب دیا چھٹی تحریر میں حدیث کو غیر ضروری قرار دیا پھر کہتا ہے اہلحدیث بننا اسلام کے خلاف ہے۔

ساتویں تحریر میں نبی ہونے کے باوجود امام صاحبؒ کا مقلد بنتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو حنفی بننے کی تلقین کرتا ہے ۸، ۹، ۱۰ نمبر کی تحریرات میں ان کا بیٹا کہتا ہے کہ انہوں نے کبھی اہلحدیث کہلانا پسند نہیں کیا اور وہ مرتے دم تک حنفی رہا۔

تحریر ۱۱، ۱۲ میں خلیفہ نور دین شہادت دیتا ہے کہ وہ حنفی تھے۔ تحریر ۱۳ میں کہتا ہے جو شخص مرزائی بنتا ہے اس کو پہلے حنفی بناتے ہیں تحریر ۱۴ میں مرزا صاحب کو اپنا نمائندہ بنا کر مولانا بٹالوی سے مناظرہ کرانا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ۱۵ علاوہ ازیں مولوی محمد علی لاہوری فرماتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب ابتداء سے لے کر آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی رہے
(تحریک احمدیت ص۱۱)

مشترکہ مسائل

اس کے بعد مولانا عبدالحق بشیر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ درج ذیل مسائل میں مرزا صاحب اہلحدیث کے ساتھ ہیں۔

(۱) قنوت نازلہ (۲) دعا بعد از صلوٰۃ (۳) گوہ حلال (۴) مسح علی الجوربین (۵) جمع بین الصلوٰتین (۶) نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنا (۷) سفری قصر۔ (۸) بسم اللہ بالجہر۔

حالانکہ یہ بھی غلط ہے، مصنف سیرت المہدی جلد اوّل ص۱۶۲ پر لکھتے ہیں
"میاں عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے مرزا صاحب کو کبھی رفع الیدین کرتے آمین بالجہر کرتے سنا اور نہ ہی کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سُنا۔"
اسی سیرت المہدی جلد ۲ ص۴۹ پر فرماتے ہیں "میں نہیں کہتا کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

لیکن آپ کو کیا غرض آپ کو تو کوئی حوالہ چاہیے جس سے آپ کو الزام تراشنے میں آسانی ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی مرزا صاحب اور عام مسلمانوں میں کئی مسائل میں اشتراک ہے۔ جیسے
وضو کرنا۔ قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ پانچ نمازیں ادا کرنا، زکوٰۃ دینا اور جنازہ مسلمانوں کی طرح پڑھنا اس طرح کے بیسیوں افعال ہیں جن میں مرزا صاحب اور عام مسلمانوں میں اشتراک ہے۔

لیکن بعض مسائل کے اشتراک سے کوئی آدمی مرزائی نہیں بن جاتا گو آپ نے یہی ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اصل اشتراک تو یہ ہے کہ کوئی شخص ختم

نبوت کا قائل نہ ہو اور بحمد اللہ اہلحدیث میں یہ بات نہیں مذکورہ بالا حوالہ جات تو محض میں نے آپ کے جواب کے لیے ذکر کر دیے ہیں ورنہ اس قسم کی طعنہ بازی اور الزام تراشی کو میں پسند نہیں کرتا ان حوالوں کو میں بھی مرچ مصالحہ لگا کر بیان کر سکتا تھا مگر میں نے ایسا عمداً نہیں کیا مرزا صاحب کے سب خیالات بھی اگر احناف کے مطابق ہوں مگر وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہو کر مرتد ہو گیا اب احناف سے اس کا کیا تعلق ہے اور کیا احناف کسی گمراہ کے ذمہ دار ہیں۔

ہاں اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو میں عرض کروں گا کہ ختم نبوت کے متعلق آپ کے اکابرین کا عقیدہ ہمیشہ مشکوک رہا ہے آئیے آپ کو آپ کے گھر کی سیر کرا دوں۔

دیوبندی اکابرین کا عقیدہ ختم نبوت

مولانا احسن نانوتوی جو مولانا مظہر نانوتوی (سربراہ مظاہر العلوم سہارنپور) محمد قاسم صاحب نانوتوی (سربراہ دار العلوم دیوبند) مولانا یعقوب علی نانوتوی یہ مولانا مملوک علی کے ہم عصر تھے وہ بریلی کالج میں پڑھاتے تھے اور علمائے دیوبند کے اکابرین میں سے تھے انہوں نے ایک فتوے دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اور بھی محمد باقی چھ زمینوں میں موجود ہیں اس پر مولانا نقی علی بریلوی جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے مورث اعلیٰ تھے انہوں نے احسن نانوتوی پر کفر کا فتوے لگا دیا۔ پھر یہ دنگل وسیع ہو گیا۔ مولانا احسن نانوتوی کی تائید مولوی عبد الحیٔ فرنگی محلی اور مولوی سعد اللہ مراد آبادی نے کی (محمد احسن نانوتوی ص ۸۶) ملخصا

اس فتویٰ سے بریلی میں اشتعال پھیل گیا۔ مولانا محمد احسن نانوتوی جو مدت ہائے دراز سے بریلی میں عید پڑھاتے تھے اور مولوی نقی علی ان کے پیچھے نماز عید پڑھا کرتے تھے اس اختلاف کے بعد انہوں نے

مولوی نقی علی کو پیغام بھجوایا اور پسپائی اختیار کی انہوں نے کہلا بھیجا۔

"میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا آپ تشریف لائیے جسے چاہیں امام کیجیے اس کی اقتدا کر لوں گا صـ۸۶ احسن نانوتوی)

" اگر سید احمد شاہ صاحب نماز عیدگاہ میں پڑھا دیں گے تو کسی قسم کا نزاع اور تکرار پیش نہ ہوگا نہ ہماری طرف سے نہ ہمارے دوستوں کی طرف سے اور یہ صورت نہ ہونے یا انکار کرنے کے سید صاحب کے قاضی صاحب کا امام ہونا مناسب ہے اس پر بھی کچھ تکرار نہ ہوگی انہوں نے بھی نہ قبول کیا تو کسی کی امامت پر ہماری طرف سے نزاع نہ ہوگی" (صـ۸۶ احسن نانوتوی)

ظاہر ہے کہ حالات کس قدر پراگندہ ہوں گے کہ مولانا کو جو مستقل امام تھے یہ تحریر لکھ کر دینا پڑی مگر اس کے باوجود مولوی نقی علی صاحب نے عید الگ پڑھائی اور اس میں مولوی احسن علی نانوتوی پر کفر کا فتویٰ لگایا۔

مولانا احسن علی صاحب نے پھر ایک تحریر لکھی کہ فتویٰ صرف میرا نہیں، مولوی عبد الحئی فرنگی محلی اور مولوی سعد اللہ صاحب بھی میرے مؤید ہیں، میں نے نظام حسین شاہ کے سامنے یہ بات کہی ہے کہ مولانا نقی علی علماء کے اقوال اور کتب مستندہ سے میری غلطی ثابت کر دیں تو میں مان لوں گا۔ مگر مولوی صاحب نے آکر غلطی تو ثابت نہیں کی مگر فتویٰ کفر صادر کر دیا اور اب تمام بریلی میں لوگ یہی کہتے پھرتے ہیں" (احسن نانوتوی صـ۸۶)

مولوی صاحب اس فتویٰ کفر سے بہت پریشان ہوئے خاطر خواہ جواب نہ ملنے پر یہ بھی کہا۔

"کہ میں اس تحریر سے عند اللہ کافر ہوں تو توبہ کرتا ہوں" (صـ۸۸ احسن نانوتوی)

مولوی نقی علی صاحب ان پھیروں میں آنے والے نہ تھے وہ ان چکنی چپڑی باتوں سے مطمئن نہ ہوئے کیونکہ ان کے خیال میں مولوی حسن علی نانوتوی

منکر خاتم النبیین ٹھہرے تھے مولوی نقی علی صاحب نے رامپور کے علماء سے فتویٰ منگوایا جس کی رُو سے مولانا محمد احسن کو کافر کہا گیا اور اس کی خوب تشہیر کی گئی ' (احسن نانوتوی صہ ۸۸)

مولانا محمد احسن صاحب نے بھی ایک اشتہار چھپوایا کہ "میرا بھی عقیدہ یہی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور اس کے خلاف عقیدہ غیر صحیح اور غلط تصور ہوگا (کافر نہیں کہا کیونکہ اکثر علمائے دیوبند نے نانوتوی صاحب کی تائید کی تھی اس طرح وہ بھی کافر ٹھہرتے)" (احسن نانوتوی صہ ۸۹)

مولانا اپنی تائید میں ایک فتویٰ مولانا قاسم نانوتوی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) اور مولوی عبدالحئی فرنگی محلی سے منگوایا۔

"کہ ایک شخص اثر ابن عباس کو صحیح سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس زمین کے علاوہ کئی زمینیں ہیں جن میں انبیاء کا موجود ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے اس سے ہر زمین میں ایک ایک خاتم (الانبیاء) کا ہونا معلوم ہوتا ہے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مماثل نہیں کیونکہ آپ افضل مخلوقات ہیں کیا یہ کہنے والا کافر فاسق اور خارج اہل سنت ہوگا۔

مولانا قاسم نانوتوی ؒ نے اس کے جواب میں ایک مکمل رسالہ "تحذیر الناس" تحریر فرمایا اور اس کے آخر میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کا جواب بھی شامل کیا اور مفتی محمد نعیم نے بھی اس کی تصویب کی۔

تائیدی رسائل مولوی عبدالحئی فرنگی محلی نے اس موضوع پر "زجر الناس علیٰ انکار اثر ابن عباس" لکھا علاوہ ازیں "الآیات البینات علیٰ وجود الانبیاء فی الطبقات" اور پھر تیسرا رسالہ "دافع الوسواس فی اثر ابن عباس" لکھا۔ یہ رسالہ آپ نے "کشف الالتباس فی اثر ابن عباس" کے رد میں لکھا اس موضوع پر مولانا عبدالحئی فرنگی محل کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اوّل میں تین فتوے بھی شامل ہیں جن پر مولوی عبدالحئی فرنگی محل کے علاوہ

دوسرے علماء ۔مفتی سعد اللہ ۔محمد لطف اللہ ۔محمد نعیم ۔محمد ابراہیم ۔مولوی محمد عبداللہ الحسینی ۔ ابوالخیر محمد معین الدین ۔ مولوی امیر احمد سہسوانی ۔مولوی محمد حسین ۔حفیظ اللہ ۔شریف حسین ۔محمد عبدالعلی ۔محمد عبدالعزیز ۔شہاب الدین غزنوی ۔عبدالغفور لاہوری ۔محمد عبدالغفار ٹونکی کی تصدیق اور تصویب موجود ہے اس کی تائید میں ایک رسالہ "در نصر المومنین فی قول الجاہلین" لکھا گیا۔
یعنی مولانا احسن نانوتوی صاحب ایک طرف توبہ کر رہے تھے دوسری طرف بڑے بڑے علماء واکابرین دیوبند سے اپنے موقف کی تائید کرا رہے تھے۔

ان سب علماء نے اثر ابن عباس کو صحیح قرار دے کر ہر ہر زمین میں ایک ایک خاتم الانبیاء کا اقرار کیا اس ہٹ دھرمی کا ردعمل یقینی تھا اس لیے ان کے خلاف بہت سے رسالے لکھے گئے۔

" (۱) تحقیقات محمدیہ علیٰ اوہام نجدیہ (۲) الکلام الاحسن
(۳) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال (۴) القول الفصیح
(۵) افادات الصمدیہ (۶) رسالہ قانون شریعت
(۷) ابطال اغلاط قاسمیہ (۸) فتاویٰ بے نظیر
(۹) کشف الالتباس فی اثر ابن عباس
(۱۰) قسطاس فی موازنۃ اثر ابن عباس "

غرض کہ بڑے گھمسان کا رن پڑا دیوبندی کہتے کہ اثر ابن عباس درست ہے اور اس غلط موقف پر ڈٹے ہوئے تھے کہ ہر طبقہ زمین میں ایک ایک خاتم النبیین موجود ہے۔
اور بریلوی حضرات کہتے تھے کہ اس کا مطلب اجرائے نبوت ہے لہٰذا یہ کفر ہے دیوبند حضرات محض ہٹ دھرمی اور سینہ زوری سے

اپنا موقف منوانے کی کوشش کرتے تھے (احسن نانوتوی ص ۹۶)

ایک طرف یہ دیوبندی پارٹی تھی اور دوسری طرف مولوی نقی علی صاحب کا بریلی میں اور بدایوں میں مولوی عبد القادر تھے بس یہیں سے بریلوی اور دیوبندی اختلاف نے دو جماعتوں کی صورت اختیار کر لی اس کے نتیجہ میں مولوی احسن نانوتوی کو بریلی چھوڑنا پڑی۔ اور یہ دو دین حنیف کے پیروکار ہندوستان کے دو شہروں کی طرف نسبت کرنے لگے اگر دیوبندی اپنی انا کا مسئلہ نہ بناتے اور اپنے علمی گھمنڈ کی وجہ سے تکبر نہ کرتے اور اپنے غلط موقف سے رجوع کر لیتے تو حنفی علماء دو فرقوں میں تقسیم نہ ہوتے، دیوبندیوں نے اجرائے نبوت میں مرزا صاحب کی ہم نوائی کر کے تاریخ میں اپنا نام مستقل طور پر ہیٹ دھرمیوں میں لکھوا لیا۔ اللہ ان کو معاف کرے۔

علاوہ ازیں مرزا صاحب دیوبندیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے انہوں نے ان کی کتابوں سے بہت استفادہ کیا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ۔ تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت تھانوی صاحبؒ مرزا صاحب کے خوشہ چین تھے

مرزا غلام احمد ۱۹۰۸ء میں جہنم واصل ہوا مگر حضرت تھانوی صاحبؒ اس کی کتابوں کا خوب مطالعہ کرتے رہے آپ نے ایک کتاب "احکام اسلام عقل کی نظر میں" لکھی جو ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔ حضرت تھانوی صاحبؒ کو مرزا کا کلام اس قدر پسند آیا کہ اس کو اپنی کتاب میں من و عن نقل کر دیا۔ انہیں الفاظ نہ ملے کہ وہ اس کا مفہوم ہی اپنے الفاظ میں ادا کر سکیں آپ بھی مزا لے لیں۔

مولانا تھانوی کی عبارت	مرزا قادیانی کی عبارت
اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور	اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اوّل درجہ کا نجاست خور اور بیز

اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون بھی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور رُوح پر بھی پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر اثر ہوتا ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے۔	بے غیرت اور دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون بھی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور رُوح پر بھی پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی رُوح پر اثر ہوتا ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے۔
(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۳۰۴ مولف: مولانا تھانوی طبع ۱۹۷۸ء)	(اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۲۴ مرزا قادیانی طبع ۱۸۹۶ء)

صرف یہی ایک اقتباس نہیں حضرت تھانوی صاحب نے مرزا صاحب کے چبائے ہوئے لقمے چٹخارے لے لے کر کھائے ہیں اور معنی نہیں بلکہ الفاظ ہی نقل کر دیے ہیں آپ خود ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا تھانوی صاحب کی کتابیں	مرزا صاحب کی کتابیں
نمازوں کا فلسفہ ص ۵۱	کشتی نوح ص ۶۵
فلسفہ اخلاق ص ۲۲۴	نسیم دعوت ص ۷۲
عفت کا فلسفہ ص ۱۶۶	اسلام اصول کی فلاسفہ ص ۳۰
فلسفہ نکاح ص ۱۳۷ و ۱۵۸	آریہ دھرم ص ۱۹

قبولیت دُعا صہ۸۵ (یہ اقتباس لکھا گیا ہے) برکات الدعا صہ۸۰ و ۱۱-۱۲)
الحکم جلد ۳ صہ۲-۳
تمہور سے تعلق ارداح صہ۶۵

مولانا عبدالماجد صاحب گواہی دیتے ہیں کہ کسی شخص نے مرزا صاحب کے متعلق سخت الفاظ استعمال کیے اس پر تھانوی صاحب بگڑ گئے اور کہا قرآن مجید کہتا ہے" اے مسلمانو! کسی قوم کی مخالفت تم کو اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم بے انصافی پہ اتر آؤ، انصاف پر قائم رہو اور یہی قرین تقوے ہے۔
فرمایا مرزا صاحب کا اور ہمارا کسی مسئلے پر اختلاف نہیں بجز ختم رسالت کے۔ کیونکہ اصل میں دونوں ایک ہیں اور فقہ حنفی دونوں کی مشترکہ اور محبوب میراث ہے۔ (سچی باتیں صہ۲۱۳)

ملّا علی قاری رحؒ خاتم النبیین کی تشریح کرتے ہوئے موضوعاتِ کبیر صہ۱ پر لکھتے ہیں .... " اذا المعنی انہ لا یاتی نبی بعدہ ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ۔ (اس کے معنی یہ ہیں کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمت محمدیہ سے نہ ہو۔)
یعنی ان کی اُمت میں سے غیر تشریعی، تابع نبی آسکتا ہے اور یہی مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تابع اور ظلی نبی ہوں نئی شریعت لے کر نہیں آیا۔

قاسم نانوتوی رحؒ صاحب تحذیر الناس پہ فرماتے ہیں" بالفرض بعد زمانہ نبوت کبھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ مزید سنیے صہ۱۸ پر فرماتے ہیں" آپ کے زمانے میں بھی کوئی نبی ہو تو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔ ملاحظہ فرمایا جناب نے آپ کا مرزا صاحب سے کتنا گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ آپ سے سیکھا ہے اور مرزا صاحب بھی فرماتے ہیں خاتم کا معنی مہر ہے

حضور مہر لگا لگا کر نبی بناتے ہیں اور ان کے اُمتی ہمت کرکے نبی بن جاتے ہیں

ایک اور بھی وجہ اشتراک

آپ میں اور مرزا صاحب میں ایک اور بھی وجہ اشتراک موجود ہے وہ خود نبی ہو کر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے" ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن و سنت نہ ہو تو خواہ کیسی بھی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اسی صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقے کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ (مجدد اعظم ص ۹۸، ۹۹)

اور حافظ عبدالحق بشر صاحب فرماتے ہیں کیا یہ کسی حنفی کا نظریہ ہے یا غیر مقلد کا؟ حنفی تو ڈنکے کی چوٹ اور علی الاعلان لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ تم فقہ حنفی پر عمل کرو کیونکہ فقہ حنفی کا کوئی بھی مفتیٰ بہا قول حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں (کبرت کلمۃ تخرج من افواھم) فتاویٰ ربانی بر مرزا قادیانی)

انا للہ کتنی جسارت ہے کہ کوئی حنفی یہ کہتا ہی نہیں کہ قرآن و حدیث کو مانو بلکہ وہ تو فقہ حنفی کو ماننے کا حکم کرتا ہے۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں ایک بھی حنفی اتنا بڑا کلمہ کفر یہ نہیں کہہ سکتا جو آپ نے کہا ہے یہ صرف آپ کا ہی خیال ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک ایک بھی حنفی کا یہ عقیدہ نہیں آپ کو توبہ کرکے اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے آپ تعصب میں کس قدر اندھے ہو چکے ہیں۔

اتفاق و اتحاد

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہمارا اور احناف کا کوئی اختلاف نہیں کہ ادلہ شرعیہ چار ہیں:۔

(۱) قرآن مجید (۲) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع (۴) قیاس

اس آخری دلیل میں صرف حضرت الامام کا قیاس تو مراد نہیں بلکہ سب ائمہ کا قیاس مراد ہے۔

وہ قیاس جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے "مگر وہ مسائل جن کو آپ نے غیر مفتیٰ بہا کہا ان کو آپ بھی نہیں مانتے اور ہم بھی نہیں مانتے۔"

اسی طرح امام ابو حنیفہ رح امام جعفر صادق کے شاگرد ہونے کے باوجود فقہ جعفری کو بالکل نہیں مانتے، اور یہی تلقین انہوں نے اپنے شاگردوں کو کی کہ میرا جو بھی مسئلہ تمہیں صحیح نہ معلوم ہو اسے مت مانو، یہی وہ وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں امام یوسف رح، امام محمد رح، امام زفر رح نے پچھتر فی صد مسائل میں اپنے استاد کی مخالفت کی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جو لیکچر بہاولپور میں دیے اس میں انہوں نے پچاسی فی صد مسائل میں اختلاف کا دعویٰ کیا اور اس کے علاوہ آپ نے بھی ان کے بہت سے مسائل کو چھوڑ دیا ہے۔

وہ قرآن و حدیث کی تعلیم پر تنخواہ ناجائز سمجھتے تھے مگر آپ لیتے ہیں۔

وہ گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے مگر آپ پڑھتے ہیں۔

ان کے نزدیک شہر میں صرف ایک مسجد میں جمعہ پڑھنا چاہیے مگر آپ کی ایک شہر میں سینکڑوں جامع مساجد میں جمعہ ادا کرتے ہیں۔

وہ مفقود الخبر خاوند کی بیوی کو نوے سال انتظار کرنے کا فتویٰ دیتے تھے مگر آپ نے اس کا انکار کر دیا ہے اور آپ امام مالک رح کے مذہب پہ فتوے دیتے ہیں۔

ہم بھی آپ سے متفق ہیں کہ ان مسائل میں حضرت امام سے اختلاف جائز ہے ہمارا اور آپ کا عمل ایک ہے پتہ نہیں آپ ہمارے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔

کیا پچاسی فیصد مسائل میں اختلاف کر کے بھی کوئی شخص مقلد ہی کہلائے گا۔

مولانا یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنے کا حکم تو غیر مقلدین کا نظریہ ہے حنفی تو ڈنکے کی چوٹ اور علی الاعلان لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ فقہ حنفی پر عمل کرو کیا یہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کے زمرے میں نہیں آتا۔

کیا کتاب اللہ اور سنت رسول کے مقابلے میں آپ فقہ کی تلقین کرتے ہیں کیا آپ خدا اور رسول کے مقابلے میں اُمتی کی بات ماننے کی تلقین کرتے ہیں۔ کیا فقہ اصل اور کتاب وسنت اور اجماع ضمنی چیزیں ہیں جو اس میں آجاتی ہیں کیا فقہ کو کتاب وسنت اور اجماع پر بالادستی حاصل ہے کیا نصوص قطعیہ کے مقابلے میں آپ قیاس کے قائل ہیں کیا فقہ کے ہوتے ہوئے قرآن وسنت اور اجماع کی کوئی ضرورت نہیں کیا فقہ کو باقی ادلہ شرعیہ پر بالادستی حاصل ہے۔

کیا احناف کا یہی مسلک ہے نہیں بالکل نہیں یہ صرف آپ کا مسلک ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی دنیا میں اس کا قائل نہیں فقہ کا نمبر سب کے نزدیک چوتھا ہے۔

امام ابوحنیفہ رح کو آپ جیسے کسی دلال کی ضرورت نہیں انہوں نے خود امام جعفر رح کی مخالفت کی اور ان کے شاگردوں نے ان کی پچاسی فیصد مسائل میں مخالفت کی اور اس سے نہ امام جعفر رح کی توہین ہوئی نہ امام ابوحنیفہ رح کی۔ انسانوں کے بتائے ہوئے مسائل کو کتاب وسنت پر تفوق دینا یہ صرف آپ کی جسارت ہے کاش آج حضرت عمر رض موجود ہوتے تو نبی کے مقابلے میں کسی اُمتی کو مسئلہ پوچھنے کا نتیجہ آپ کو معلوم ہو جاتا۔ اللہ آپ کو سمجھ دے اور توبہ کی توفیق دے۔

مولانا مودودیؒ پر الزام

مولانا پہلے آپ نے اہلحدیثوں کو مرزائیوں کے ساتھ ملانے کی کوشش فرمائی اور اب

مولانا مودودی صاحب پر الزام تراشی کی وہ مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتے تھے مولانا اخلاقی قدروں کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ مولانا مودودیؒ سے اختلاف ہوسکتا ہے اگر ائمہ مجتہدین سے اختلاف ہوسکتا ہے تو مولانا سے کیوں نہیں ہوسکتا لیکن شرافت اور اخلاق کو بالائے طاق نہیں رکھ دینا چاہیے۔
وہ شخص جس کو قادیانیوں کی مخالفت کی وجہ سے پھانسی کا حکم ملتا ہے پھر اس کو معافی کی درخواست کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ معافی کی درخواست تک نہیں دیتا اس کے متعلق آپ کو یہ حرکت زیب دیتی ہے؟ مجھے یاد ہے والد بزرگوار کو مجلس عمل کا ممبر ہونے کی وجہ سے دو سال جیل کاٹنا پڑی سرکاری طور پر بارہا یہ پیش کش ہوئی کہ آپ تو کراچی مجلس عمل کے اجلاس میں شامل بھی نہیں ہوئے تھے آپ لکھ دیں کہ میں اجلاس میں نہیں تھا سرکار چھوڑ دے گی مگر انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ میں رہائی کے لیے صفائی پیش کروں۔ ناموس رسالت کے لیے مجھے یہ جیل گھر سے زیادہ پسند ہے۔
جب یہ لوگ قربانی دے رہے تھے اور دس ہزار مسلمان ناموس رسالت پر اپنی جانیں قربان کر گئے اس وقت آپ لوگ حجروں میں گھسے ہوئے حیض و نفاس کے مسائل پڑھا رہے تھے آپ کی رگِ حمیت نہ پھڑکی جس نبی کے نام کے صدقے یہ حلوے مانڈے نصیب ہیں اس کے نام پر قربانی دینے کا تخیل آپ کے تحت الشعور میں بھی کہیں موجود نہ تھا۔ اپنے اعمال پر خفت محسوس کرنے کی بجائے آپ ان جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں پر ان کی موت کے بعد چڑھ دوڑے ہیں۔
قربانی تو بہت بڑی بات ہے آپ کے خاندان کے کسی فرد کو آج تک کسی مرزائی سے گفتگو کی جرأت نہیں ہوئی اگر مرزا کو للکارا تو سید نذیر حسینؒ صاحب۔ مولانا محمد حسین بٹالویؒ۔ مولانا ثناء اللہ صاحبؒ۔ مولانا ابراہیم میرؒ

صاحب سیالکوٹی نے مولانا عبداللہ معارؒ ۔ مولانا داؤد غزنویؒ کے اکابرین نے ہی اس کو سرِ میدان شکست دی اس کا منہ بند کر دیا اور بالآخر مولانا ثناء اللہؒ کے حق میں بددعا کر کے خود موت کا شکار ہو گیا ۔

جب لڑنے کا وقت تھا آپ غائب تھے جب شیرِ پنجاب کے مقابلے مرزا مر گیا اب آپ اس کے شکار کا پس خوردہ کھا کر اینٹھ رہے ہیں اب آپ نے ختم نبوت کے نام پر دکان ڈال لی ہے اور باور کرانا چاہتے ہیں کہ تاج و تخت ختم نبوت کے ہم صدر نشین ہیں ۔ ہم ان دیوبندی علمائے کرام کا نہایت احترام کرتے ہیں جنہوں نے اس جہاد میں حصہ لیا ہم ان کی عظمت کو سلام کہتے ہیں مگر آپ اور آپ کے ابا اس میں شامل نہیں ۔

مولانا مودودیؒ سے ہزار اختلاف کے باوجود وہ ایک غیر متنازعہ نابغہ روزگار شخصیت تھے جنہوں نے جدید ذہن کو مذہب سے متاثر کیا ہے وہ عالم اسلام کے عظیم مفکر کی حیثیت سے اپنا نام تاریخ عالم میں یادگار چھوڑ گئے ہیں اللہ مرحوم کو جنت الفردوس دے تمام مسلم ممالک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے ان کو استاد مودودی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر آپ ہیں کہ ان کی میت پر چڑھ دوڑے ہیں وہ اول و آخر حنفی تھے مگر تقلید کا زبانی اقرار نہ کرتے تھے ان کے تمام اعمال فقہ حنفی کے مطابق تھے مگر آپ کب کسی کو معاف کرتے ہیں آپ یہ بدزبانی کسی زندہ شخص کے متعلق کریں تو وہ آپ کو جواب دے مُردوں پر چڑھ دوڑنا مردانگی نہیں کمینگی ہے ۔

سید احمد مرحومؒ

جو بعد میں سرسید کے نام سے مشہور ہوئے نیچری تھے آپ نے ان کو بھی ہمارے کھاتے میں ڈال دیا ۔ مولانا آپ کی معلومات بہت ناقص ہیں اور یا آپ غلط بیانی کرتے ہیں سرسید احمد صاحبؒ نیچری تھے اور ان کی سب سے زیادہ مخالفت مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا محمد حسین بٹالوی نے کی ۔

نیچری تو آپ کے اکابرین تھے اور یہ الزام تراشی نہیں حقیقت ہے نوٹ فرمائیے مولانا احسن نانوتوی جو دیوبندیوں کے مورثِ اعلیٰ تھے اُنہوں نے نیچرل فلاسفی پر کتاب لکھی جو مسٹر ٹیلر پرنسپل دلی کالج کی نگرانی میں دو دفعہ چھپی (احسن نانوتوی صفحہ ۲۵) سرسید مرحوم یورپ سے بہت تلاش کے بعد خرید کر لائے اور مولانا نے اس فری ہیگنس کی کتاب کا انگریزی سے ترجمہ سید مرحوم کے کہنے پر کیا (احسن نانوتوی صفحہ ۲۵)

مولوی نجف علی ساکن مراد آباد متوطن بریلی محمد احسن کے خاص شاگرد تھے یہ بریلی کالج میں ملازم تھے جب سرسید نے علی گڑھ کالج قائم کیا تو وہ ان کو علی گڑھ لے گئے (احسن نانوتوی صفحہ ۴۴)

کیونکہ سرسید مرحوم اور مولانا احسن نانوتوی کے بہت گہرے تعلقات تھے دونوں انگریز کے حمایتی تھے دونوں کے خیالات میں حد درجہ اشتراک تھا اور ایک دوسرے کے معاون تھے۔ (احسن نانوتوی صفحہ ۱۲۱)

مولانا شیخ الہندؒ کا خیال!

جب کالج کے طلباء میں سے کوئی مذہب کا پابند یا مذہب میں دلچسپی لینے والا ملتا تو مولانا اُسے گودڑیوں کا لال سمجھ کر اس کی بے انتہا قدر کرتے۔ ان کا یہ رجحان اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مخالف کہتے کہ حضرت کو نیچریوں سے نسبت ہو گئی تھی (رود کوثر صفحہ ۲۲۹ حیات شیخ الہند صفحہ ۱۳۴)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ تو سرسید کے گرویدہ تھے

وہ اپنی کتاب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۱۱ پر فرماتے ہیں "دیوبندی نظام اور اس کی سیاسی مصلحتوں کو سمجھنے کے لیے اس حقیقت کو مستحضر کر لینا چاہیے کہ جس دیوبندی جماعت کا ہم تعارف کرانا چاہتے ہیں وہ اس دہلوی جماعت (حزب ولی اللہی) کا دوسرا نام ہے جو مولانا محمد اسحٰق صاحب کی ہجرت کے بعد ان کے متبعین نے ان کی مالی اعانت سے ان کے افکار کی اشاعت کے لیے بنائی۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ پر فرماتے ہیں :-

"۱۸۵۷ء میں اس جماعت کی مرکزی قوت میں سلطان دہلی کی طرف داری اور غیر جانب داری کی بنا پر ایک اختلاف رونما ہوا اور یہ جماعت دو حصوں میں منقسم ہو گئی بعد میں اسی جماعت کے دہلی کے ایک مرکز کی بجائے دیوبند اور علی گڑھ دو مرکز بن گئے۔ مولانا قاسم دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے اور سرسید احمد خان دہلی کالج کے انگریزی حصے کو علی گڑھ لے گئے۔"

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں "سرسید احمد خانؒ استاذ الاساتذۃ الہند مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے" ص۱۱۲ کتاب مذکور) تمام دیوبندی علماء مثلاً مولانا یعقوب علی نانوتویؒ۔ مولانا قاسم علی نانوتویؒ۔ مولانا احسن نانوتویؒ مولانا مظہر نانوتویؒ۔ مولانا ذو الفقار علی، والد بزرگوار شیخ الہند، مولانا فضل الرحمنؒ والد بزرگوار مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ سب مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔

پھر اسی کتاب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۲۱۶ پر رقمطراز ہیں۔

"مولانا مملوک علیؒ کے شاگردوں میں مولانا مظہر نانوتوی۔ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ عبد الرحمن پانی پتیؒ۔ احمد علی سہارنپوری۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ شیخ محمد یعقوب بن مملوک علی اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ تھے سرسید احمد بانی جامعہ علی گڑھ ڈپٹی نذیر احمد مترجم قرآن اور مولوی ذکاء اللہ اور دوسرے نامور اہل علم کو بھی ان کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔"

یہ سرسید احمد خان تو آپ کے گھر کے آدمی تھے اور ان کا پروگرام علمائے دیوبند کو بہت پسند تھا شیخ الہندؒ نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اسی کتاب کے ص۱۲۸ پر مولانا عبید اللہ سندھیؒ امام انقلاب فرماتے ہیں:۔

"مولانا شیخ الہندؒ نے علی گڑھ کالج کے انقلابی عنصر کو اپنی تحریک میں شامل کر لیا تھا چنانچہ ان کی پارٹی پروگرام کو چلانے والے ایک طرف مولانا کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد تھے تو ان کے ساتھ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی مساوی درجہ میں شریک تھے۔ مولانا شیخ الہندؒ کے اس اقدام سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ

ہم یورپین ازم کو اپنی مستقل پارٹی پروگرام میں داخل کرتے ہیں۔
(ماشاء اللہ علماء کو یورپین بنانے کا پروگرام علمائے دیوبند مولانا سندھی اور سرسید احمد خان کا مشترکہ پروگرام تھا) چنانچہ اسی کتاب کے صہ ۱۳۱ پر رقمطراز ہیں۔
"اور مولانا شیخ الہندؒ کالج کی تحریک کو اپنے اندر مدغم کرنے کا فیصلہ کرچکے تھے چنانچہ ان کے آگے کام کرنے والوں میں ایک طرف مولانا کفایت اللہؒ اور مولانا حسین احمدؒ تھے تو دوسری طرف ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی، بیشک علی گڑھ کالج اگر ایک قدم آگے بڑھائے گا تو مصطفیٰ کمال کی نقل کرے گا۔ ہم ترقی یافتہ علی گڑھ کو اپنے اندر لینا چاہتے ہیں۔ دیوبندی جماعت کا جو فرد اس کا حوصلہ نہیں رکھتا اس کو ریاست سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے اور اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اپنے کسی کام کو شیخ الہندؒ کی طرف منسوب کرے۔ خط کشیدہ الفاظ غور سے پڑھیں۔

علیگڈھ کا شعبہ دینیات

علی گڈھ میں مذہب اور دینیات کا صیغہ ارباب دیوبند کے سپرد تھا جو بزرگ اس زمانے میں وہاں ناظم دینیات تھے وہ داماد تھے مولانا قاسم کے اور نواسے تھے مولانا مملوک علی کے اور فی الحقیقت ان کا شمار علمائے دیوبند میں ہوتا تھا (رود کوثر صہ ۲۰۲)

مولانا شیخ الہندؒ فرماتے ہیں

اے نونہالان وطن جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کا غمخوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلصین احباب نے ایک قدم علی گڈھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڈھ کا رشتہ جوڑا (رود کوثر صہ ۲۰۳ خطبہ صدارت جامعہ ملیہ ۱۹۲۰ء ۲۹ر اکتوبر)۔
"شیخ الہندؒ نے اس سلسلہ میں پہلا قدم ۱۹۰۶ء میں اٹھایا۔ علی گڈھ سے

معاہدہ ہوا کہ انگریزی خواندہ طلبہ جو تبلیغ کا شوق رکھیں وہ دارالعلوم میں جاکر علوم اسلامیہ حاصل کریں اس طرح علی گڑھ کالج ان طلبہ کا خاص انتظام کرے گا جو دارالعلوم سے فارغ ہوکر انگریزی تعلیم کے لیے علی گڑھ جائیں۔
(رودِ کوثر ص ۲۰۴)

جمعیت الانصار | مولانا عبیداللہ سندھی کو دیوبند بلایا انہوں نے جمعیت الانصار کو چلایا جس کا مقصد علی گڑھ کالج اور مدرسہ دیوبند کے درمیان تعلقات بڑھانا تھا
(رودِ کوثر ص ۲۰۴)

اب آپ سمجھے سرسید احمد خاں کا علیگڑھ آپ کی تحریک کا حصہ تھا اور رہنمائی کا کردار ادا کر رہا تھا اگر آپ سرسید سے متفق نہیں تو آپ کا شیخ الہند سے کوئی تعلق نہیں۔

اب آپ کا سوال کہ سرسید غیر مقلد تھے کے متعلق سرسید کی شہادت پیش کرتا ہوں۔

سرسیّد خود فرماتے ہیں | "میں صاف کہتا ہوں اگر لوگ تقلید نہ چھوڑیں گے اور خاص اس روشنی کو جو قرآن و حدیث سے حاصل ہوئی نہ تلاش کریں گے اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کریں گے تو مذہب اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جائے گا اس خیر خواہی نے مجھے برانگیختہ کیا ہے جو میں ہر قسم کی تحقیقات کرتے ہوئے اور تقلید کی پروا نہیں کرتا ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میرے نزدیک مسلمان رہنے کے لیے ائمہ کبار درکنار مولوی جبتو کی بھی تقلید کافی ہے لا الہ الا اللہ کہہ لینا ہی ایک طہارت ہے کہ کوئی نجاست باقی نہیں رہتی (رودِ کوثر ص ۱۶۵)

لامذہب غیر مقلد | تہذیب الاخلاق پرچہ اول ۱۲۹۶ھ بحوالہ حاشیہ اشاعۃ السنہ ج ۶ ضمیمہ ۱ سرسید فرماتے ہیں:۔
"مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی ہر مہینہ ایک رسالہ نکالتے ہیں جس کا

نام اشاعۃ السنۃ ہے یہ رسالہ دراصل انہوں نے اپنے چھوٹے بھائیوں کی خدمت گزاری کے لیے نکالا تھا یعنی اسی زمانے میں جن کو لوگ وہابی کہتے ہیں دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ایک وہابی مقلد دوسرے وہابی غیر مقلد لامذہب جو اپنے تئیں موحد یا اہلحدیث کے نام سے موسوم ہونا پسند کرتے ہیں اور لوگ جو بدعتی کہلاتے ہیں پہلے فرقے کو چھوٹا بھائی اور دوسرے کو بڑے بھائی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔"

سر سیدؒ نے اہلحدیث کو غیر مقلد وہابی اور لامذہب کہا ہے کیا جو خود کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اس کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے اور جو گورنمنٹ کا وفادار ہو وہابی ہو سکتا ہے۔

نیز مولانا حالی رقمطراز ہیں کہ سید احمد خاں کے رسالہ تہذیب الاخلاق کے توڑ پر خاص خاص اخبار اور رسالے جاری ہوئے کانپور سے نور الآفاق "الانور" "شہاب ثاقب" اور "تائید اسلام" وغیرہ اضلاع شمال مغرب سے اور اشاعۃ السنہ پنجاب سے شائع ہوا (حیات جاوید ۴۳۵)

مولانا محمد حسین بٹالویؒ "اشاعۃ السنہ" ج ۳ ص ۲ پر فرماتے ہیں:

"اس تحویل توجہ کی یہ وجہ بھی ہوئی کہ تقلید کا ضرر اسلام میں ایسا نہ تھا جو نیچریہ کی تحقیق کا ضرر پھیلنے لگا تقلید سے صرف اسلام کا اتباع چھوٹتا تھا محقق نیچریہ سے اصول اسلام کا اتباع بھی لوگوں سے چھوٹنے لگا لہذا تصفیہ مقدمہ تقلید کو ایسا ہی نامکمل چھوڑ کر نیچر کا انہدام یا افہام نہایت ضروری قرار دیا اور مارچ ۱۸۷۹ء سے ان کا خطاب شروع ہو گیا۔"

سمجھے آپ کہ سر سید کی مخالفت اشاعۃ السنہ کا مشن تھا اور آپ ان کو غیر مقلد بتا رہے ہیں۔ سر سید نے تفسیر لکھی جس میں سلف صالحین کے خلاف تفسیر لکھی۔

مولانا ثناء اللہ رحؒ کی تفسیر اٹھا کر دیکھیں جس میں سر سید کی ہر جگہ ہر

صفحہ میں تردید کی گئی ہے آپ کو شاید خواب نظر آیا ہے اور آپ نے ہڑبڑا کر اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ سرسید غیر مقلد تھا۔

مولانا عبدالحق بشیر صاحب کا جی چاہتا ہے کہ اہلحدیث کو ذلیل اور رسوا کر دیا جائے اور اسی قدر بدنام کر دیا جائے کہ وہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، ہم جیسے لوگوں کی تو کوئی بات نہیں وہ ان بزرگوں پر چڑھ دوڑے ہیں جو فوت ہو چکے ہیں جن کا اپنے زمانے میں طوطی بولتا تھا اور ان کے سامنے کسی کو یارائے دم زدن نہ تھا۔ (بقایا کتاب کے آخر میں استدراک دیکھیں)

محمد حسین بٹالویؒ

اس کے بعد انہوں نے مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کی عزت کو ہاتھ ڈالا۔

(۱) وہ فرماتے ہیں "بٹالوی صاحب مرزا صاحب سے اس لیے ناراض تھے کہ انہوں نے ان سے مشورہ کر کے دعویٰ (نبوت) کا اعلان نہیں کیا اور حوالہ دیا آپ نے تاریخ احمدیت کا۔

دوسرا حوالہ حافظ صاحب نے "مغرب میں تعلیم اسلام"، اور "ضرورت مجدد" سے دیا جو دونوں مرزائیوں کی کتابیں ہیں اور ثابت یہ کرنے کی کوشش کی کہ مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب مرزا صاحب کے خلاف فتوئے کفر دے کر اس سے رجوع کر لیا تھا۔ عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"اصل میں نوٹس ایک ہی تھا جس پر دستخط فریقین کے ہوئے مولوی محمد حسین نے اقرار کیا کہ آئندہ وہ مرزا کو کافر کاذب دجال نہیں کہے گا اور حضرت صاحب نے بھی اقرار کیا کہ وہ مولوی محمد حسین کو کافر کاذب دجال نہیں کہیں گے۔"

مرزائی ہو کر بھی مصنف نے اتنا جھوٹ نہیں بولا جتنا حافظ عبدالحق بشیر نے بولا۔ عبارت کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے پر فتوے لگانے سے حکماً روک دیا اور ایک ہی نوٹس پر دونوں سے دستخط کرائے مرزائیوں نے بھی اس سے فتویٰ کفر سے رجوع مراد نہیں لیا مگر حافظ صاحب

کو سچ بولنے کی کیا ضرورت ، انہوں نے تو بہر حال بدنام کرنا ہے چاہے جھوٹ بولنا پڑے۔

آپ کے گھر سے تصدیق

مولانا رفیق دلاوری حنفی دیوبندی اپنی کتاب رئیس قادیان میں فرماتے ہیں ص۱۳۳ ج ۲

"مولانا بٹالوی نے قبول مرزائیت سے اعراض کیا بلکہ اُلٹا آخری وقت تک، مرزائیت کے جسم پر چرکے لگاتے رہے اور مرزا کے سینے پر مونگ دلتے رہے تردید مرزائیت تو مولانا بٹالوی صاحبؒ کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ غرض مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی بھی جھوٹی نکلی۔"

مولانا نے کہیں مرزا صاحب سے دوستی کا ذکر کیا کہیں ہم سبق ہونے کا تذکرہ کیا کہیں مل کر کھانا کھانے کا ذکر کیا ان کے دماغ پر بھوت سوار ہے کہ جس طرح ہوسکے مولانا بٹالوی اور مرزا دونوں کو دوتن یک جان ثابت کر دیں اور اوراس الزام تراشی پر ذرا خدا کا خوف نہیں۔

اصل واقعات : مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے مرزا کے نظریات کفریہ جمع کر کے فتویٰ دریافت کیا جو سینتالیس صفحات پر مشتمل ہے پھر اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم مولانا نذیر حسین صاحبؒ کے سامنے پیش کر کے جواب طلب کیا۔ مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ نے اس کا جواب دیا جو انتالیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ کے بے شمار حوالہ جات دیے ص۸۶ پر جواب کے آخر میں لکھا :

"مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز کریں نہ اس کی صحبت اختیار کریں نہ اس کو سلام کہیں نہ اس کو دعوتِ مسنونہ میں بلائیں نہ اس کی دعوت قبول کریں نہ اس کی اقتدا کریں نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اس فتوے پر سید صاحبؒ کے دستخط ہیں اور ۱۲۸۱ھ تحریر ہے اس فتویٰ کے صفحہ

۱۰۰ پر علمائے لدھیانہ میں سے مولانا عبدالقادر لدھیانوی کے بھی دستخط موجود ہیں جو بعد میں اہلحدیث کے خلاف ہوگیا۔

اس کے ص۱۲۵ پر مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں :۔

ہک کفر عقیدہ جو حق جلنے ہے مرتد یقینوں ۔۔۔ اس وچہ شک نہ شبہ کوئی ہے صاف ایمانوں دینوں
جویں فرشتیاں یا انکار جناں شیطاناں ۔۔۔ یا تھوڑے بیلج حلال پچھانے یا منکر اسماناں
یا معجز یا ندا منکر ہوئے من تا دیلاں خاماں ۔۔۔ یا کہے قرآن کلام محمد کافر باہجھ کلاماں
یا آکھے حضرت عیسیٰ تابُن ہے یوسف داجایا ۔۔۔ وچہ قرآن جو قصہ مریم جھوٹھا سفنہ آیا
یا آکھے عیسیٰ سولی چڑھیا منّے قول نصاریٰ ۔۔۔ اک آیت دا منکر کافر جیونکر سب دا یارا

اوران اشعار کے نیچے مولوی عبدالرحمٰن المعروف بہ محی الدین بمقام لکھوکے اس کے علاوہ حافظ بارک اللہ لکھوی کے بھی دستخط ہیں۔

اس کے صفحہ ۱۵۲ پر مفتی خلیل احمد صاحب مدرس دیوبند۔ مولانا عزیزالرحمٰن صاحب دیوبند۔ مولانا محمد حسن صاحب دیوبند۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اوران کے بعد مولانا عبدالرحمٰن کے دستخط ہیں اور اسی کی تائید مولانا محمود الحسن عفی عنہ دیوبند کے دستخط موجود ہیں۔

اس میں کسی جگہ بھی علمائے لدھیانہ یا علمائے دیوبند نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ علمائے لدھیانہ پہلے فتویٰ دے چکے ہیں۔ مولانا عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے لدھیانہ نے یہ فتویٰ ۱۳۰۱ھ میں دیا (ص۱۲ فتاویٰ ربانی) مگر سید نذیر حسین صاحبؒ کا فتویٰ تو ۱۲۸۱ھ کا لکھا ہوا ہے جو علماء لدھیانہ سے ٹھیک بیس سال پیشتر دیا گیا تھا۔ حافظ عبدالحق بشر صاحب نے مولانا بٹالوی کا فتویٰ دیکھا نہیں صرف اس کا نام سنا ہے اس لیے وہ خواہ مخواہ زور مارتے رہے کہ علماء لدھیانہ کا فتوےٰ پہلے تھا۔ اب یہ فتوےٰ دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ نے شائع کر دیا ہے منگوا کر پڑھ لیں۔

اس قدر بغض و تعصب اور عداوت اچھی نہیں کھینچ تان کر بدزبانی کرنا

اور نیک لوگوں پر طعنہ بازی کرنا اچھا نہیں۔ اس کے علاوہ مولانا بٹالوی صاحب نے دوسرا فتویٰ یہ حاصل کیا کہ جو شخص مرزا کا مرید نہ ہو ان کے غلط اعتقادات کو بھی نہیں مانتا لیکن مرزا صاحب کو مسلمان جانتا ہے وہ بھی کافر و مرتد ہے (فتاویٰ ہذا صفحہ ۱۸۰)

تیسرا فتویٰ یہ حاصل کیا جو مرزائی کا جنازہ پڑھے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ فتویٰ بہت ضخیم ہے اس پر سینکڑوں علماء کے دستخط موجود ہیں جنہیں اہلحدیث دیوبندی، بریلوی سجادہ نشین پیرانِ عظام شامل ہیں اور اس زمانے کا کوئی قابل ذکر مفتی نہیں رہ گیا ہے۔ ان علماء نے اس فتوے کے جواب میں کسی تعصب یا تنگ نظری کا اظہار نہیں کیا۔

مگر آپ کے ملفوظات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شرم و حیا کہاں رخصت ہوگئی ہے خود مرزا غلام احمد اس فتوے کے "تاثرات اپنی کتاب" انجام آتھم" صفحہ ۴۵ مطبوعہ ۱۸۹۷ء میں فرماتے ہیں :-

"چونکہ علمائے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنہ تکفیر و تکذیب حد سے گزر گیا ہے اور نہ فقط علماء بلکہ فقراء اور سجادہ نشین بھی اس عاجز کو کافر اور کاذب ٹھہراتے ہیں اور مولویوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں ایسا ہی ان لوگوں کے اغوا سے ہزارہا لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو ہمیں یہود اور نصاریٰ سے بھی اکفر سمجھتے ہیں اگرچہ اس تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے مگر تاہم دوسرے مولویوں کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے اسی نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتویٰ کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا بغیر تنقیح اور تحقیق کے ایمان لے آئے۔"

اوّل المکفرین

پھر تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴۱ پر رقمطراز ہیں:
"مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اول المکفرین بنے

بانی تکفیر کے وہی تھے اور اسی آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے سلگانے والے میاں نذیر حسین دہلویؒ تھے۔"

مرزا غلام احمد نے خود لکھا ہے کہ اول المکفرین حضرت میاں صاحبؒ اور مولانا محمد حسین بٹالویؒ تھے پتہ نہیں آپ کو اہلحدیث سے کیا کد ہے۔

آپ کو ان کے فتویٰ پر خراج تحسین ادا کرنے کی توفیق تو نہ مل سکی بلکہ اختلاف کے لیے ایک اور وجہ گھڑ لی کہ علمائے لدھیانہ نے فتویٰ پہلے دیا تھا۔

مگر مرزا غلام احمد کو تو آپ کے فتوے کا کچھ علم نہیں وہ تو صاف کہتا ہے (انجام آتھم) ص۲۱۲

۲۔" ھذا الذی کفر قبل ان یکفر الاخرون ۔ محمد حسین بٹالوی نے مجھے سب سے پہلے کافر قرار دیا۔

۳۔ دوسرا فتنہ محمد حسین بٹالوی کی تکفیر کا فتنہ تھا اور اس کے ساتھ نذیر حسین دہلوی تھا (سراج منیر ص۴۲ مطرقۃ الحدید ص۴۵)

۴۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کا رسالہ اشاعۃ السنہ جو بانی مبانی تکفیر ہے جس کی گردن پر نذیر حسین دہلوی کے بعد تمام مکفرون کے گناہ کا بوجھ ہے (مطرقۃ الحدید) ص۴۵

۵۔ "سب سے پہلے استفتا کا کاغذ ہاتھ میں لے کر ہر ایک طرف ہی بٹالوی صاحب دوڑے چنانچہ سب سے پہلے کافر اور مرتد ٹھہرانے میں جہاں نذیر حسین دہلوی نے قلم اٹھائی اور بٹالوی صاحب کے استفتاء کو اپنی کفری شہادت سے مزین کیا اور میاں نذیر حسین نے جو اس عاجز کو بلا توقف و تامل کافر ٹھہرایا۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۳۱)

۶۔ اسی ظالم (بٹالوی) نے وہ فتنہ برپا کیا جس کی اسلامی تاریخ میں گزشتہ علماء کی زندگی میں کوئی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مخبوط الحواس نذیر حسین نے

کفرنامہ پر مہر لگوائی۔

۷۔ مرزا کی آخری عمر کی کتاب حقیقتہ الوحی جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی اور وہ ۱۹۰۸ء میں مرا، اس کے صفحہ ۸ پر لکھتا ہے۔

"تکفیر سے مراد مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی ہے کیونکہ اس نے استفتا لکھ کر نذیر حسین صاحب کے سامنے پیش کیا اور اس ملک میں تکفیر کی آگ کو بھڑکانے والا نذیر حسین ہی تھا۔ تکفیر کے فتویٰ کا بانی بھی یہی تھا جس کا نام اللہ تعالیٰ نے ابولہب رکھا۔"

ذرا سوچیں کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب مدرسہ دیوبند کے اجرا سے چھبیس سال پیشتر مسند ولی اللہ پر درس حدیث دے رہے تھے اس وقت دیوبندی مذہب دنیا کے کسی کونے میں موجود نہ تھا دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث مولانا یعقوب علی نانوتوی صاحب بھی ساری عمر سکول انسپکٹر رہے۔ پھر پریس میں پروف ریڈر رہے اس کے بعد دیوبند کے شیخ الحدیث بنے انہوں نے دیوبند میں انیس سال پڑھایا۔ دیوبند ابھی ابتدائی مراحل میں تھا مگر میاں صاحب ۲۶+۱۹ = پنتالیس سال سے پڑھا رہے تھے ان کے زمانے میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی اور ان کی شخصیت علمی طور پر اتنی بلند تھی کہ بڑے بڑے قد کاٹھ کے علما ان کے سامنے بونے نظر آتے تھے۔

لیکن آپ کو اس سے کیا غرض آپ کو تو ساون کے اندھے کی طرح ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے کبھی آپ سید نذیر حسین صاحبؒ پر کیچڑ اچھالتے ہیں کبھی مولانا بٹالوی کے پیچھے پڑتے ہیں کبھی آپ مولانا ثناء اللہ صاحب اور مسجد چینیاں والی کی ہمدردیاں مرزا صاحب کے لیے پیدا کرتے ہیں۔ پتہ نہیں آپ کے دماغ پر یہ فابوس کیوں سوار ہے

مرزا صاحب کے مقابلے میں آپ کی حالت: ۳ر مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار علمائے احناف لدھیانہ مولوی عبداللہ۔

مولوی محمدؒ۔ مولوی عبدالعزیزؒ۔ مولوی مشتاق احمدؒ۔ مولوی شاہ دینؒ اور رشید احمد گنگوہیؒ کے نام شائع کرکے چیلنج دیا کہ مناظرہ کرلو۔

مولوی شاہ دین نے رشید احمد گنگوہیؒ کو خط لکھا جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا:

"تمہارا کام نہیں ہے مرزا صاحب سے بات کرنا، اوّل تو ٹال دینا جو بات نہ ٹلے اور مباحثہ ہوجائے تو وفات وحیات مسیح علیہ السلام میں ہرگز بحث نہ کرنا کہ اس میں تمہارا یا کسی کا ہاتھ نہیں پڑے گا ہاں نزول میں بحث کرلینا (تذکرۃ المہدی حصہ اوّل ص ۱۶۶)"

چنانچہ علمائے لدھیانہ نے یہ مناظرہ کرنے سے انکار کردیا۔

یہی چیلنج مولانا ثناء اللہؒ نے منظور کیا اور مرزا کی ہر شرط مان لی۔

چنانچہ یہ مناظرہ مرزا کے ساتھ میر ناصر نواب کے مکان پر ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۹۱ء تک جاری رہا۔ مناظرہ تحریری تھا مرزا کو شکست فاش ہوئی، اس کا ایک مرید سید عباس علی مرزائیت سے تائب ہوا۔

رئیس قادیان جلد دوم باب ۱۵ مناظرہ لدھیانہ

مرزائیوں کو خوف: جب مولانا بٹالوی لدھیانہ پہنچے تو مرزا صاحب کے حواریوں نے کہا: "مولوی محمد حسین کالا ناگ ہے اور حنفیوں سے بہت موقعوں پر مباحثوں میں فتح پائے ہوئے ہے بہت چلتا پرزا آدمی ہے آپ اس سے بحث نہ کریں (تذکرۃ المہدی حصہ اوّل ص ۲۱۷)

یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب مناظرہ لاہور میں بھی فرار ہوگئے اور مناظرہ دہلی میں تو شرط لگادی کہ بٹالوی صاحب مناظرے میں شریک نہ ہوں۔ چنانچہ مولوی بشیر صاحب بھوپالی نے مناظرہ کیا اور دہلی سے مرزا قادیاں بھاگ آیا حالانکہ شرط یہ تھی کہ مناظرہ حتمی فیصلہ سے پہلے ختم نہ ہوگا۔

(تاریخ مرزا ص ۳۸)

وہ لوگ جنہوں نے خم ٹھونک کر یہ لڑائی لڑی اور اسی فتنے کو میدان میں ختم کر کے رکھ دیا ان کے خلاف بدزبانی کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ جھوٹ بول بول کر آپ دین کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔ آسمان پر تھوکا منہ پر آتا ہے۔ جوں جوں آپ ان مقدس ہستیوں کے متعلق بدزبانی کریں گے آپ کی روسیاہی بڑھتا نہ ہوتا چلا جائے گا۔

ہمعصرانہ رقابت ہم عصرانہ چپقلش کی وجہ سے تنقید تو کسی کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں اور آپ کا انحصار ہی ہم عصرانہ چپقلش کی پیداوار لٹریچر پر ہے کیا یہ دیوبندیوں میں نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری۔ قاضی نور احمد اور قاضی شمس الدین صاحب سے آپ کی ہم عصرانہ چپقلش نہیں، کیا کچھ آپ نے ان کے متعلق نہیں کہا۔ کیا مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا مدنی کی آپس میں نہیں لگتی تھی۔ ابھی تجلی کے فائل موجود ہیں کیا ان چیتھڑوں کو کھولنا اور اس سنڈاس کی بدبو سے آپ لوگوں کو آشنا کرنا چاہتے ہیں۔ کیا مولانا اسعد مدنی اور قاری طیب کی حالیہ چپقلش اور دیوبند کی بندش لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئی ہے۔ جامعہ رشیدیہ طرفین میں گولی چلی، جامعہ رشیدیہ بند ہو گیا۔ مسجد سیل ہو گئی کیا یہ باہمی پیار کی علامت ہے۔

خدارا اس کوڑے کرکٹ کو دفن رہنے دیجیے اور اپنے علماء کی تفضیک کا سامان نہ کیجیے اور یقین کیجیے جس قدر اخلاقی سطح آپ کی پست ہے سابقہ بزرگوں کے اخلاق اتنے گرے ہوئے نہ تھے آپ تو ان کے دھوبی ہیں آپ کی اس بدگوئی سے ان کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور آپ کا اعمال نامہ دیوان چرکیں کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا تھا اس سے سبق حاصل کریں ؎

نہ تھی جب گناہوں پہ اپنے نظر — رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
اور پڑی جو گناہوں پہ اپنے نظر — تو نظر میں کوئی بھی بُرا نہ رہا

حضرت اپنے اعمال نامہ کی فکر کیجیے۔ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔

ایک اور حوالہ

یوں تو فتوے کی تقدیم و تاخیر کوئی ایسی بات نہیں جس کو اچھالا جائے مگر آپ نے اس کو بہت اہمیت دی ہے کہ علمائے لدھیانہ نے سب سے پہلے فتویٰ کفر دیا ہے حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب کا مدلل فتوے کے سامنے اس فتوے کی کوئی حیثیت نہیں نیز میاں صاحبؒ کا فتویٰ اس سے کئی سال پیشتر دیا گیا۔ جیسا کہ فتویٰ سے ظاہر ہوتا ہے، دوسرے مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مولانا بٹالوی اوّل المکفرین تھے۔

"تاریخ مرزا" مؤلفہ مولانا ثناء اللہ صاحب جو مولانا حافظ عبدالحق کی پیدائش سے پہلے لکھی گئی تھی کا ص۲۷ ملاحظہ کریں، مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت پر سب سے اوّل مخالف مولوی محمد حسین بٹالوی اُٹھے جنہوں نے مرزا صاحب کے اقوال کو یک جا کر کے علماء کرام سے ان کے برخلاف ایک فتویٰ میں اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں چھاپا۔

پھر اسی کتاب کے ص۳۸ پر ایک اشتہار بمقابلہ مولوی سید نذیر حسین یہ تحریر ہے:۔

"چونکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب جو کہ موحدین کے سرگروہ ہیں اس عاجز کو بوجہ اعتقاد وفات مسیح ابن مریم ملحد قرار دیا ہے اور عوام کو سخت شکوک و شبہات میں ڈالنا چاہا ہے"

پھر اسی اشتہار میں چیلنج دیتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مولوی نذیر حسین اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود

ہیں ان کاموں میں اوّل درجہ کا جوش رکھتے ہیں۔ لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ وہ دو اکتوبر ۱۸۹۱ء کے شائع شدہ اشتہاری شرائط کے مطابق بحث کرلیں۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سید نذیر حسین صاحبؒ مرزا کو کافر ملحد ۱۸۹۱ء سے پہلے قرار دے چکے تھے۔ اس مباحثہ کے لیے مقام جامع مسجد دہلی تجویز کیا گیا مگر مرزا صاحب نے مصلحت اس میں سمجھی کہ یہ مباحثہ ان کے اپنے مکان پر ہو صرف دس آدمی ساتھ لائیں (رسالہ تاریخ مرزا ص۴۲)

پھر شرط لگا دی کہ محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالمجید ساتھ نہ آئیں (کیونکہ بقول عبدالحق، بٹالوی صاحب مرزا صاحب کی جان بخشی کراتے تھے۔) مباحثہ تحریری ہوا، مولانا محمد بشیر صاحب بھوپالی مناظر ہوئے۔ مولانا بشیر صاحب کے سوالات کا جواب مرزا نہ دے سکا اور دوسرے دن دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مناظرہ چھ دن تک چلتا رہا مگر مرزا تکمیل سے پہلے فرار ہوگیا۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کا فتویٰ مرزا صاحب پر سب سے پہلے مولانا بٹالویؒ نے لگایا تھا اور ان کی اولیت کو مولوی عبدالحق کے علاوہ کسی نے چیلنج نہیں کیا۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مرزا مولانا بٹالوی سے بہت ڈرتا تھا اور ان سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے پہلے چیلنج کرنے کے بعد شرط لگا دی کہ مولانا بٹالوی میرے مکان پر نہ آئیں۔

میرا گمان ہے کہ یہ جو آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے کہ مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے ۱۳۰۱ھ میں فتویٰ کفر دیا تھا یہ فتویٰ آپ نے دیکھا نہیں اپنے فتاویٰ قادریہ سے نقل کر دیا ہے۔

براہین احمدیہ

جناب حافظ عبدالحق صاحب بشیر نے خود ہی فرمایا کہ یہ فتویٰ براہین احمدیہ کے مطالعہ کے بعد لگایا تھا جو بالکل جھوٹ ہے کیونکہ براہین احمدیہ ۱۳۰۲ھ میں

شائع ہوئی جس کا ذکر مرزا بشیر الدین نے تفسیر کبیر ج ۸ صفحہ ۵۲۶ پر کیا ہے۔

دیوبندی تو براہین احمدیہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے

مولانا رفیق دلاوری

رئیس قادیان جلد ا صفحہ ۶ پر رقمطراز ہیں۔

"جہاں تک خاکسار کی تحقیق کو دخل ہے مرزا صاحب نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے ایک حرف بھی نہیں لکھا بلکہ جو زیب رقم فرمایا ہے وہ یا تو علمائے سلف سے اخذ کیا یا علمائے عصر کے سامنے کاسہ گدائی پھیلایا یا پھر قادیان کے سلطان القلم نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنا لیا۔

ابوالحسن ندوی فرماتے ہیں" جو شخص براہین احمدیہ کا مطالعہ کرے گا وہ مصنف کی بسیار نویسی درازنفسی اور صبر و جفاکشی سے ضرور متاثر ہوگا۔ یہ تمام صفات ایسی ہیں جو مصنف کو عیسائیوں کے مقابلے میں ایک کامیاب مناظر اور بڑا مصنف ثابت کرتی ہیں "۔ (قادیانیت صفحہ ۶۷)

مولانا محمد شریف بنگلوری فرماتے ہیں "آرزو تھی کہ علمائے اسلام میں سے کوئی ایسی کتاب تصنیف کرے جس میں دلائل عقلیہ و براہین نقلیہ قرآن کریم سے کلام اللہ ہونے پر دلائل مذکور ہوں خدا کا شکر ہے یہ آرزو برآئی جس کی مدت سے ہم کو آرزو تھی یہ کتاب براہین احمدیہ ہی دراصل ایسی کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں، مرزا صاحب کے انعام دس ہزار کے ساتھ ہم ایک ہزار اور انعام کا اعلان کرتے ہیں"۔ (منشور محمدی بنگلور صفحہ ۳۱۲-۳۱۷ ماخوذ سطر فتہ الحدیث صفحہ ۴۲)

۱۳۰۱ھ میں حقیقتاً جو فتویٰ لکھا گیا تھا وہ فتویٰ نصرت الابرار ہے جو انگریز کے حق میں لکھا گیا تھا اور وہ فتویٰ کفر جس کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں اس کا وجود حقیقتاً موجود ہی نہیں اور مولوی عبدالقادر نے محض بڑ ہانکی ہے ورنہ بات یہی ہے کہ میاں صاحبؒ کا فتویٰ ہی سب سے پہلا اور سب سے پرانا ہے۔

فتویٰ کفر کی مخالفت

جن حضرات نے فتویٰ کفر کی مخالفت کی ان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پیش پیش تھے۔

(رئیس قادیان جلد ۲ صـ۳ مکاتیب رشید صـ۹۰)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نظریہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

وہ سن خوب یاد نہیں غالباً ۱۹۲۳ء تھا حکیم الامت تھانوی کی محفل خصوصی میں مجھے نماز چاشت کے وقت حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ذکر مرزائے قادیانی اور اس کی جماعت کا تھا حاضرین میں ایک شخص بڑے جوش سے بولے حضرت ان کا بھی کوئی دین ہے نہ خدا کو مانیں نہ رسول کو، حضرت نے معاً لہجہ بدلا اور فرمایا "یہ زیادتی ہے توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں اختلاف رسالت میں ہے اور وہ بھی اس کے ایک باب میں یعنی عقیدہ ختم رسالت میں، بات کو بات کی جگہ رکھنا چاہیے۔"

(سچی باتیں از مولانا عبدالماجد دریابادی صـ۳۱۳)

سید صاحبؒ کے فتویٰ کے پچاس سال بعد اور مرزا غلام احمد کی وفات کے بائیس سال بعد یہ بات کہی جا رہی ہے مگر یہ بھی غلط ہے۔ دیکھو رسالہ تحذیر الناس صـ۱۸-۵۔ ۳۴ سر ۹۶ احسن نانوتوی پر سات کتب کے نام ہیں جن میں اثر ابن عباس کی تصحیح کی گئی ہے کہ ساتوں زمینوں میں ایک ایک خاتم الانبیاء آیا ہے اور ڈھیر سارے دیوبندیوں کے اس پر دستخط موجود ہیں جن کی وجہ سے مولوی نقی علی خاں صاحب نے ان پر فتویٰ کفر لگایا اور کئی کتابیں ان کے خلاف لکھی گئیں۔ تم تو اجرائے نبوت کے قائل ہو۔

مجھے کاش یوں نہ بلواؤ تم لبول اپنے مجھ سے نہ کھلواؤ تم

(۲) مولانا حافظ عبدالحق صاحب بشیر نے دوسرا حملہ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی پر یہ کیا کہ انہوں نے الاقتصاد فی مسائل الجہاد اور ترجمان وہابیہ جیسی کتب مرتب کیں جس میں حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا جہاد کے خلاف کتابیں لکھی گئیں اور ان کی

خوب تشہیر کی گئی حافظ صاحب نے الزام تراشی کے بعد کوئی عبارت نہیں لکھی نہ حوالہ دیا ہے کہ مولانا بٹالوی نے کہاں جہاد کو حرام کہا ہے اور حوالہ کیا دیتے معلوم ہوتا ہے انہوں نے کتابوں کی شکل بھی نہیں دیکھی بلکہ اگر ان کو کتاب کے نام کا ترجمہ معلوم ہوتا تو وہ اس الزام تراشی کی جسارت ہی نہ کرتے۔

ترجمان وہابیہ کے متعلق وہ تفصیل میں نہیں گئے صرف اشارہ کر کے نکل گئے یہ کتاب مولانا بٹالوی کی نہیں، نواب صدیق الحسن مرحوم کی ہے یہ ریاست بھوپال کے والی بنے، ان کے آباؤ اجداد بھی مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ایوب قادری نے سب سے پہلا جس شخص کا تذکرہ اپنی کتاب ۱۸۵۷ء میں کیا ہے وہ نواب صاحب کے ماموں تھے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی کتاب میں علمائے صادق پور کو شیعہ کہا اور سید شہید کے مشن کا باغی قرار دیا وہاں ان کے ساتھ ہی نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کو ان کی پارٹی میں شمار کیا ہے (افکار سندھیؒ از مسعود عالم ندوی)

نواب صاحب کی وفاداری کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ان سے انگریزوں نے خطاب واپس لے لیا اور ریاست کی حکمرانی کے اختیارات بھی واپس لے لیے۔ (سیرت والاجاہی میں ان کے بیٹے نے خود اس کا ذکر کیا ہے)

ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ وفاداروں کو تو سزائیں نہیں ملا کرتیں۔

علاوہ ازیں یہ ریاست مجاہدین کی ہمیشہ مدد کرتی رہی، سید شہید کی دوسری بیوی باقی عمر یہیں قیام پذیر رہی۔ مجاہدین کی اس ریاست نے مقدور بھر مدد کی آئندہ صفحات میں اس کی مدد کا تذکرہ باحوالہ آرہا ہے۔

حافظ صاحب کو اہلحدیث سے محض عناد اور کینہ ہے جس کی وجہ سے وہ غیر مستند مواد اور بلاحوالہ الزام تراشی کرتے چلے گئے ہیں۔

الاقتصاد فی مسائل الجہاد کا پس منظر

یہ رسالہ ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ مولانا بٹالوی صاحب نے

کیوں لکھا اسے سمجھنے کے لیے ان حالات کا جاننا ضروری ہے جن میں یہ کتاب لکھی گئی۔

پس منظر

یہ رسالہ ۱۸۶۹ء میں طبع ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ۱۸۶۳ء میں انبیلہ میں صادقین صادق پور کے خلف الرشید جناب امیر المجاہدین مولانا عبد اللہ نے جنگ انبیلہ لڑی۔ پوری مجاہدین کی تاریخ ۱۸۲۶ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک اس سوا صدی میں ایسی حیرت ناک جنگ نہیں لڑی گئی جس میں پورے ہندوستان کی فوج جھونک دی گئی مگر مولانا نے اس دانائی سے جنگ لڑی کہ انگریزوں کی فوج درہ انبیلہ میں پھنس گئی اور اس بری طرح قتل ہوئی کہ اس کو کمک نہ پہنچ سکی، سسک سسک کر اور تڑپ تڑپ انگریزوں نے جان دی پھر بڑی مشکل سے قبائل میں اختلاف پیدا کر کے جب فوج پسپا ہوئی تو ان کی لاشیں پہاڑوں اور وادیوں میں بکھری پڑی تھیں۔ کتے اور گدھ اور جنگلی جانوران کو کھا رہے تھے ان کے دفن کا انتظام بھی نہ ہو سکا، بے پناہ نقصان اٹھانے کے بعد انگریز کو معلوم ہوا کہ مذہبی مدرسے اور وہابی علماء ہی اصل میں انگریزی حکومت کے خلاف مجاہدین کو روپیہ اور اسلحہ سپلائی کرتے ہیں اور تحقیق پر معلوم ہوا کہ پورے ملک میں پٹنہ سے صوبہ سرحد تک ایک زیر زمین تحریک کا جال بچھا ہوا ہے۔ چنانچہ وہابیوں پر مقدمات قائم کیے ان کو پھانسی اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں اور اس تحریک کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے وہ وہ مظالم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ جن کے تذکرے تک سے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اس وقت صرف بنگال میں اسی ہزار مدرسے موجود تھے (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک مصنفہ مولانا سندھی ؒ)

ولسن ہنٹر کی رائے

ہنٹر اس وقت گورنر بنگال تھا اس نے مجاہدین کی سرگرمیوں پر ایک کتاب لکھی جس کا

نام تھا (OUR INDIAN MUSLMANS - ہمارے ہندوستانی مسلمان" اسی کتاب میں اس نے لکھ دیا کہ وہابی ملکہ معظمہ کے باغی ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کسی غیر مسلم حکومت کی اطاعت قبول نہیں کر سکتے ان کے لیے صرف دو راستے ہیں:

۱- یا تو وہ غیر کو ملک بدر کر دیں۔

۲- یا وہ خود ملک سے ہجرت کر جائیں۔

تیسری کوئی صورت نہیں گویا ایک سچے مسلمان کے لیے ہر حالت میں جہاد یا ہجرت دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

ہنٹر اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۴ پر لکھتا ہے:

"شریعت اسلامی کی رُو سے ہر مرد عورت اور بچے کا پہلا فرض یہ ہے کہ کافر حکمرانوں کی بیخ کنی کرے اور انہیں ملک سے باہر نکال دے۔"

ص۱۷۱ پر لکھتا ہے:

"اگر ہم اصل حقیقت تک پہنچنا چاہیں تو بہت غور و خوض کی ضرورت ہے قرآن مجید کا کہنا صاف صاف یہ ہے کہ مسلمان تمام دنیا کو ختم کر دیں گے اس کے بعد اقوامِ عالم کے لیے صرف دو ہی راستے ہوں گے۔

تبدیلی مذہب یعنی ایسی فرماں برداری کا اختیار کرنا جو غلامی کی حد تک پہنچ جائے یا موت۔"

پھر صفحہ ۱۰۹ پر لکھتا ہے:

"پٹنہ کا مرکز تبلیغ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ کافروں کے ساتھ جہاد کریں اور یا اس زمین سے ہجرت کر جائیں کیونکہ کوئی سچا دین دار اپنی رُوح کو خراب کیے بغیر اس حکومت کا وفادار نہیں رہ سکتا، جو لوگ جہاد یا ہجرت سے منع کرتے ہیں وہ دل کے منافق ہیں"۔

پھر صفحہ ۱۶۵ پر رقمطراز ہے:

"بہترین وہابی وہ ہے جو نہ کسی سے ڈرے نہ رحم کھائے اس کی زندگی کا راستہ صاف ہے کسی کی تہدید یا تشدد اس کو اپنی راہ سے منحرف نہیں کرسکتا۔"

اس کے بعد وہ صفحہ ۱۶۰ پر حکومت کو مشورہ دیتا ہے:

ہنٹر کا مشورہ

"لہٰذا اگر یہ مصیبت پھر ہماری قسمت میں لکھی ہے تو سب سے پہلے اندرون ملک میں وہابیوں کی سازش کلی طور پر نیست و نابود کرنا ایک بہت بڑے خطرے کو رفع کرنے کے مترادف ہوگا۔"

وہابیوں کو سزائیں

ادھر ہنٹر نے وہابیوں کو شدید قسم کی سزا دینے کی تجویز کی ادھر وہابیوں کو وہ سزائیں دی گئیں جس سے دل دہل جائیں اور رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ برق نے جب ان کارروائیوں کا تذکرہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں کیا تو ممبر چیخنے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ممبر سُن نہ سکے اور باہر دوڑے اور اس پر شدید ردعمل ہوا جس کے نتیجہ میں ایک کتاب لکھی گئی جو ان مظالم کی مستند داستان دیتی ہے جو وہابیوں پر ڈھائے گئے اور اس کتاب میں یہ بتایا گیا کہ ان مظالم کی وجہ سے لوگ باغی ہوئے یہ کتاب انگریزی میں تھی شیخ حسام الدین صاحب نے اس کا ترجمہ کیا جس کا نام ہے "تصویر کا دوسرا رُخ"۔

اس کتاب کے صفحہ ۵۹ پر مصنف لکھتا ہے:

"عہد گزشتہ میں سزا دینے کا کوئی دردناک طریقہ اگر بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیتا تھا تو وہ میخیں گرم کرکے مجرموں کو داغنا ہے۔ السان نواب معین الدین حسن کے بیانات کو جن میں اس دردناک سزا کا ذکر ہے نہ پڑھنے کے لیے تیار ہوتے ہیں نہ سُننے کے لیے۔"

پھر صفحہ ۲۱۴ پر لکھتا ہے:

"نکلسن نے کہا کہ ہمیں ایک ایسا قانون تیار کرنا چاہیے جس کی رُو سے ہم ان کو زندہ ہی جلا سکیں یا زندہ ہی ان کی کھال اتار سکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دے کر ان کو فنا کے گھاٹ اتار سکیں ایسے ظالموں کو محض پھانسی کی سزا سے ہلاک کر دینے کا خیال مجھے دیوانہ کیے دیتا ہے۔"

صفحہ ۲۴۴ پر لکھتا ہے:

"اور میں نے بدبخت دہا بیوں کو عالم نزع میں بے حال دیکھا یعنی مشکیں باندھ کر برہنہ ان کو زمین پر لٹایا ہوا تھا اور سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا تھا اس رُوح فرسا نظارہ کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دینا ہی مناسب سمجھا۔"

پھر صفحہ ۴۲۷ پر ذکر کرتا ہے:

"ایک عینی شاہد بیان کرتا ہے کہ کس طرح سکھوں اور انگریزوں نے ایک مسلمان قیدی کے چہرے کو بار بار سنگینوں سے زخمی کر کے زندہ ہلکی آگ پر جلایا سکھ اور یورپین ان کو دُور سے کھڑے دیکھتے گویا تفریح کا سامان ہے۔"

صفحہ ۴۲۹ پر لکھتا ہے:

"ان کو زندہ سور کی کھال میں سینا یا پھانسی سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا یا ہندوستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے سے بدفعلی کریں۔"

صفحہ ۴۲۷ پر لکھتا ہے:

"رات ہم نے مسجد میں پہرہ دیتے ہوئے بسر کی۔ زیادہ وقت قیدیوں کو پھانسی اور گولی مارنے میں گزرتا۔"

صفحہ ۴۵۷ پر لکھتا ہے:

"فتح پور کی پوری آبادی کو محاصرہ میں لے کر تہ تیغ کر دیا اور سرغنوں کے سر کاٹ کر بڑی بڑی عمارتوں پر لٹکا دیے۔"

صفحہ ۹۰ پر رقمطراز ہے:

"جب ڈیڑھ سو وہابیوں کو گولی سے اُڑا دیا گیا تو ایک بوڑھا سپاہی غش کھا گیا۔"

صفحہ ۹۶ پر رقمطراز ہے:

"جب ۲۳۷ قتل ہو گئے تو باقیوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا جب دروازہ کھولا تو پینتالیس آدمی مر چکے تھے جو خوف، گرمی اور دم گھٹنے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے اکتالیس کے قریب باغیوں کو لاہور بھیجا گیا وہاں ان کو توپ سے باندھ کر اُڑایا گیا۔

۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دیا گیا اور بارہ کو اس لیے پھانسی دیا گیا کہ فوج گزرتے وقت ان کے منہ دوسری طرف تھے۔"

صفحہ ۱۰۳ پر لکھتا ہے:

"باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا نہ صرف اس پر اکتفا کیا گیا بلکہ دیہات میں ان کو مکانوں میں بند کر کے آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا اور شاذ و نادر ہی گولی مارنے کی تکلیف کی گئی۔"

صفحہ ۱۰۴ پر ذکر کرتا ہے:

"چند نابالغ بچوں کو اس بناء پر پھانسی کی سزا دی گئی کہ انہوں نے محض تفنن طبع کے لیے باغیوں کی جھنڈیاں اُٹھا کر بازار میں منادی کی تھی۔"

صفحہ ۱۰۵ پر لکھتا ہے:

"ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لے جاتے اور اُوپر سے رسّی ڈال کر ہاتھی کو ہنکایا جاتا تھا یہاں تک کہ ملزم اسی طرح تڑپتے اور جانکنی کی حالت میں اکثر اوقات انگریزی کے 8 کے ہندسے کی دلچسپ شکل بن کر رہ جاتا۔"

صفحہ ۱۰۷ پر لکھتا ہے:

"لاشوں کے تڑپنے کی دردناک کیفیت کو دیکھتے جیسے وہ ناچ سے تشبیہ دیتے تاکہ اپنی خونخوار طبائع کے لیے دلچسپی کا سامان بنا سکیں انگریز سگرٹوں کے کش لگاتے اور لاشوں کے تڑپنے کا نظارہ کرتے۔"

صفحہ ۱۱۱ پر لکھتا ہے:

"محض سیاہ رنگت ہی اس کے مجرم ہونے کے لیے کافی دلیل سمجھی جاتی تھی۔"

صفحہ ۱۲۸ پر لکھتا ہے:

"میں نے ہڈلسن کے واقعات جن کی میرے پاس دستاویزات موجود ہیں چھیڑا تک نہیں کہ اس نے بے شمار دیہات کو ایسے وقت میں جلا کر خاکستر کر دیا جب کہ عورتیں، بچے اور بوڑھے گھروں کے اندر موجود تھے اس سے بھی بدرجہا سنگین مظالم پردہ اخفا میں ہیں۔"

غرضیکہ کہاں تک لکھوں جہاں تک ممکن تھا وہابیوں پر مظالم ڈھائے گئے آپ نے بھی لکھا ہے کہ سترہ ہزار علماء پھانسی پر چڑھائے گئے۔

وہابی ہنٹر نے اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں واضح طور پر لکھا کہ "ہندوستان کے شمال میں وہابی کیمپ تھا جس نے ہم کو بہت پریشان کیا اور ان وہابیوں کو نست و نابود کرنا ایک بہت بڑے خطرے کو دفع کرنے کے مترادف ہے۔"

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۶۰)

وہ مقدمات جو مجاہدین کے خلاف چلائے گئے ان کا نام ہی ---- VAHABI TRIALS "وہابیوں کے مقدمات" یہ مقدمات وہابیوں کے خلاف چلے بعض کو پھانسی اور بعض کو عمر قید بعبور دریائے شور کی سزائیں ملیں (کالا پانی)

کالا پانی

جزائر انڈیمان خلیج بنگال میں واقع ہیں جن بے شمار وہابیوں کو عمر قید دی گئی ان کو ہندوستان میں رکھنا انگریز نے اپنے لیے خطرناک سمجھا کیونکہ یہ لوگ بہت نیک، زاہد، شب زندہ دار تھے۔ ان کے پہرے دار بھی ان سے متاثر ہو جاتے تھے۔ مولانا یحییٰ علی کے پہرہ دار کی ڈیوٹی جب بدلتی تھی وہ گھر پر جاتے تھے اور جدائی پر روتے تھے اس لیے انگریزوں نے ہندوستان کے مشرقی سمندر کے اندر جزائر انڈیمان میں ان کو قید کیا ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ یہ سب جزائر آباد ہو گئے اور مظالم کی یہ انتہا کہ اگر چند رشتے دار قید تھے تو ان کی ملاقات کی اجازت نہ ملتی۔ مرنے کے بعد ایک دوسرے بھائی کا جنازہ نہ پڑھنے دیا جاتا۔ اور پاس دفن کرنے کی اجازت بھی نہ ملتی۔

جو ہزاروں مقدمات کے فائل انڈیا آفس لائبریری میں رکھے ہیں ان کا نام بھی وہابی مقدمات ہے۔

"حکومت برطانیہ کی نظر میں وہابی غدار اور باغی کا مترادف تھا اسی طرح سید احمدؒ کے متبعین کو وہابی کے نام سے تعبیر کر کے اس وقت کے سرکاری کارندے ایک تیر سے دو شکار کرتے تھے ایک تو حکام کی نظر میں ان کو باغی قرار دینا، دوسرا عام مسلمانوں میں انتہا پسند متعصب اور غارت گر قرار دینا۔"

(ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۲۴)

"انگریز اور اکثر ہندوستانی مصنفوں کا اس خطاب کے استعمال پر اصرار و ابرام عمداً اور بدنیتی پر محمول معلوم ہوتا ہے۔"

(ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۲۴)

"سید احمد شہیدؒ کا کوئی واسطہ بانی وہابیت محمد بن عبدالوہاب سے نہیں تھا نہ یہ دونوں معاصر تھے محمد ۱۷۹۲ء میں وفات پا چکے تھے اور حضرت سید احمدؒ ۱۸۲۱ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے اس لیے باہم ان کی ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" (ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۱۵)

۱۲۳۴ھ کے مطابق ۱۸۲۰ء شب کو صبح صادق کے قریب چاروں طرف شریف مکہ کی فوجوں نے چڑھائی کردی (اسیر مالٹا ص۴۸) جب سید صاحب حج پر گئے اس وقت وہاں وہابیوں کا نام ونشان نہ تھا بلکہ شریف مکہ قابض تھا یہ نسبت محض ہندوستان کے مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئی تھی جسے انگریزوں اوران کے ایجنٹوں نے خوب استعمال کیا۔

یہ امتیاز خاص اور وہابی کا لقب ان کو صرف جہاد کے انعام میں انگریزوں سے دیسے ہی عنایت ہوا جیسے جزیرہ انڈیمان کی مہمانی"

(ہندوستان میں وہابی تحریک ص۱۷)

آپ اپنے دو اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

بٹالوی صاحب نے وہابی کا لفظ ختم کرا کے انہوں نے سرکاری طور پہ سرکار برطانیہ سے "اہلحدیث" کا لفظ باقاعدہ منظور کرایا۔

(فتاوی ربانی بر مرزا قادیانی ص۵۶)

یعنی اصل نام اہلحدیث کا وہابی تھا جو انہوں نے بہت سے سپاسنامے پیش کر کے انگریز سے منظور کرایا۔ یہ فرقہ غیر مقلدین (اہلحدیث) انگریز نے اپنی ضرورت کے لیے پیدا کیا (فتوی ربانی بر مرزا قادیانی ص۲۶)

"پہلا گروہ غیر مقلدین جس نے ترک تقلید کی آڑ میں جنم لیا ——— مسلمانوں کے ایمان کو ان فرنگی لیڈروں اوران کے حاشیہ برداروں سے بچانے کے لیے (علماء حق بالخصوص دیوبند) نے باقاعدہ جدوجہد کی اور فتوی دیا کہ اہلسنت ان کو اپنی مسجدوں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں یہ انگریز کے ایجنٹ ہیں"

ہائے افسوس انگریز جن کو وہابی کہہ کر قتل کرتا رہا پھانسی چڑھاتا رہا۔ کالے پانی بھیجتا رہا ان کو وہ وہابی کہتا ہے اور تمام مؤرخین ان کو وہابی ہی کہتے ہیں۔

آپ بھی فرماتے ہیں تمہارا اصل نام وہابی ہے اور اہلحدیث کا نام انگریز کا

دیا ہوا ہے ۔ایک ہی سانس میں آپ ان کو وہابی کہنے کے بعد انگریز کا ایجنٹ اور فرنگی لیڈروں کا لقب عنایت فرما رہے ہیں اگر یہ انگریز کے ایجنٹ اور فرنگی لیڈر ہیں تو یہ وہابی نہیں اور اگر وہابی ہیں تو انگریز کے ایجنٹ اور فرنگی لیڈر نہیں ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے مولانا سرفراز کے بیٹے کی کھوپڑی میں مغز موجود نہیں۔

پھر اس کے ساتھ ان کو وہابی بھی کہتے ہو اور غیر مقلد بھی کہتے ہو شاید قوت فہم بالکل سلب ہو چکی ہے اللہ آپ کے ہوش و حواس درست کرے۔

مولانا تعصب اور تنگ نظری کی کوئی حد ہونی چاہیے اس قدر پستی میں نہ اُتریں کہ انسانیت، شرافت اور اخلاق ہی ختم ہو جائے۔

وجہ تالیف الاقتصاد فی مسائل الجہاد

ہنٹر نے ان حالات میں یہ کتاب لکھی اور حکومت کو ظلم کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ مسلمان ہر حالت میں غیر مسلمان کے خلاف جہاد کرتا ہے ان مظالم کے باوجود اس کا دل نہ بھرا۔

ادھر ہر شخص کو ان مظلوموں پر ترس آتا تھا کہ ملک کی آزادی اور اسلام کے نفاذ کے لیے کتنی تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں چنانچہ ہر شخص چاہتا تھا کہ ان کے مصائب ختم ہوں یا کم ہوں۔

۱۸۵۸ء میں عام معافی کا اعلان ہو گیا تھا اور عام لوگوں کو معافی مل گئی تھی لیکن وہابیوں پر مقدمات ۱۸۶۳ء کے بعد بنائے گئے ان کو تو پھانسی اور عمر قید ملتی ہی تھی جس گاؤں میں کوئی وہابی ٹھہرتا اس گاؤں کے باشندوں کو جلا دیا جاتا۔ لیکن اس کے باوجود وہابیوں کا کام جاری تھا۔

اسیر مالٹا (۱۹۲۰ء) جمعہ کے دن رہا ہوئے (اسیر مالٹا صفحہ ۲۰) اس کے بعد مولانا مدنی نے کتاب لکھی ۶۵ سال بعد ان کی زبانی سُن لیجیے فرماتے ہیں:

"میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اٹھانا

۱۸۵۷ء کا سماں باندھتی تھی آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو خود مختار حکومت کی خواہش زبان پہ لانا برق جہاں سوز سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی برطانوی ہتوسے نے عالم کے دل و دماغ پہ اپنا کالسہ جمار کھا تھا اگر میں کہوں کہ لوگوں کے دلوں پہ جس قدر موجودہ حکومت کا خوف تھا اس قدر بلکہ اس کا عشر عشیر بھی خدا کا اثر نہ تھا (اسیر مالٹا ص۱۱)

ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں یہ بھی آپ کے گھر کا ہے:

"شمس العلماء ذکاء اللہ نے اپنی کتاب "تاریخ عروج عہد انگلشیہ" لکھی یہ کتاب ۱۸۵۷ء کے تقریباً ۱۵ سال بعد لکھی گئی جبکہ ۱۸۵۷ء کے مقدمات کی مسلیں داخل دفتر ہو چکی تھیں مگر دوسری تحریک یعنی علمائے صادق پور زیر قیادت وہابی تحریک اکے اثرات شد و مد سے پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے شکوک و شبہات کا ڈر باقی تھا (ص۲۵ علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ چہارم)

اپنی اسی کتاب کے تقریباً ۸۰۰ صفحات میں ایک صفحہ تو در کنار ایک سطر بھی علمائے دیوبند کے حصہ میں نہیں آسکی۔

ملاحظہ فرمایا جناب نے

وہابی بیچارے پچھلے جارہے تھے دیوبندیوں نے بالکل جہاد میں حصہ نہیں لیا تھا۔ دیکھیے کس قدر خوف ان پر طاری ہے۔

اور وہ لوگ جو موت کے منہ میں تھے اگر ان کو بچانے کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھ دیا تو کیا آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ہمدردی اور مجبوری تھی۔

میں نے اس رسالہ کو بار بار پڑھا مجھے یہ کسی جگہ لکھا ہوا نہیں ملا کہ جہاد حرام ہے۔ صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔

"اہل اسلام کی نسبت یہ گمان نہ کریں کہ صرف مذہبی مخالفت کی نظر سے اقوام غیر

کے ساتھ لڑنا اور ان کے جان و مال سے تعرض کرنا اور لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا اور زورِ شمشیر سے اسلام پھیلانا ان کے مذہب اسلام کی ہدایت ہے" (ص۲)

"جہاد سے غرض جو خدا اور رسول کے کلام سے سمجھ آتی ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کو مخالفین مذہب کی مزاحمت بے جا سے بچایا جائے۔ پھر آیت لکھی ہے لڑو اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو" (ص۱۱)

پھر ص۱۲ پر فرماتے ہیں:

"نیک بندوں کے متعلق فرمایا جب ان پر کوئی سرکشی کرتا ہے تو وہ اس سے بدلہ لیتے ہیں (والذین اذا اصابہم البغی ھم ینتصرون)

ص۱۳ پر فرماتے ہیں "جہاد اس لیے شروع ہوا کہ مسلمان آزادی سے عبادت کریں اور ان کے مخالف ان کو عبادت سے نہ روکیں"

ص۱۶ "مذہبی جہاد مسلمانوں سے مذہبی روک ٹوک ہٹانے کو ہے نہ کافروں کو دنیا میں سزا پہنچانے کو، اگر ایسا ہوتا تو سبھی کافروں، بڈھوں، بچوں، قلیوں۔ خانہ نشینوں۔ مسجدوں اور اذانوں سے تعرض کرنے والوں کو بھی قتل کرنے کا حکم ہوتا"

ص۵ "خیر خواہاں گورنمنٹ کا مسلمانوں پر یہ گمان کہ جب کبھی قابو پائیں گے گورنمنٹ پر تلوار چلائیں گے اور جو ان میں مذہب کے پکے ہیں اور دعویٰ اسلام میں سچے ہیں وہ اس کام میں سب سے پیش قدم نکلیں گے محض بہتان ہے"

ص۵ پر رقمطراز ہیں "جہاد کے لیے مذہب اسلام میں ایسے شرائط و مواقع مقرر ہیں جن سے تجاوز کرنے سے جہاد نہیں رہتا بلکہ فتنہ فساد کہلاتا ہے"

رسالہ پڑھ کر داد دینے کو جی چاہتا ہے کسی جگہ اس میں یہ نہیں لکھا کہ جہاد نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ کہا ہے کہ اس کی کچھ شرائط ہیں جن کے بغیر جہاد نہیں ہوتا۔

اگر آپ بُرا نہ مانیں تو آپ کو آپ کے گھر لے چلوں۔ ملاحظہ فرمائیں "علمائے ہند کا شاندار ماضی" صفحہ ۲۶۹ جلد ۴۔

"ممکن ہے جلد باز اور تہور پسند جوشیلی طبیعتیں اس کو پسند نہ کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جذبات میں بہہ جانے والی طبیعتیں اس کو ٹال مٹول قرار دیں گے۔ دستور و آئین بالخصوص شریعت کے ماہرین ان دونوں باتوں کو (۱) مرکز میں صالح نظام (۲) علاقائی نظام کا مرکزی نظام سے رابطہ جب تک یہ دونوں عمل میں نہ آئیں کسی بھی اقدام کو مہذب اور صالح (اور شریعت کی زبان میں) جہاد قرار نہیں دے سکتے۔

: تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی وہ تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں ہے

میرے خیال میں یہ دو باتیں آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوں گی۔

(۱) کہ انہوں نے وہابی کا لفظ جو حقیقتاً بھی الزام تھا دعویٰ کر کے عدالت سے ڈگری حاصل کی کہ ہم اہلحدیث ہیں اور سچ بھی یہی تھا اور خواہ مخواہ کی سزا سے بچنے کا بھی یہی طریقہ تھا۔

(۲) حالات ایسے نازک تھے کہ بڑے بڑے دل گردے والے آدمی بھی کانپ جاتے تھے ایسے حالات میں رسالہ لکھا بڑی خوب صورتی سے انگریزوں کو کافر بھی کہا اور کہا کہ اس میں بُرا ماننے کی بات نہیں۔ تم ہم کو کافر کہتے ہو اور ہم تم کو صفحہ ۴ پر یہ بھی فرمایا ہے کہ جہاد ان مخالفین اسلام سے کیا جاتا ہے جو مذہب اسلام کے مزاحم ہوں، مسلمانوں کو مذہبی لحاظ سے ستائیں ان کی مذہبی آزادی میں دست اندازی کریں۔

نام بھی کتنا خوبصورت ہے کہ "مسائل جہاد میں میانہ روی"

آئیے آپ کو مولانا کا باطن دکھاؤں:۔

مولانا بٹالوی کا باطن

مولانا جعفر تھانیسری کا نام ہمیشہ تاریخ میں روشن رہے گا جنہیں مجاہدین سے تعلق

کی پاداش میں پھانسی کی سزا دی گئی بعد میں یہ سزا عمر قید میں تبدیل ہو گئی انہوں نے جزائر انڈیمان میں عمر قید بعبور دریائے شور کاٹی وہاں ایک ہندو عورت کو مسلمان کر کے اس سے شادی کی اس سے بچے ہوئے وہاں انہوں نے روپیہ بھی کمایا اور عمر قید مکمل کرنے کے بعد واپس تھانیسر آئے اور پولیس ان کی نگرانی کرتی رہی۔

آپ کا متعصب اور تنگ نظر مؤرخ ایوب قادری اپنی کتاب جنگِ آزادی کے صفحہ ۸۴ پہ لکھتا ہے:

"فروری ۱۸۸۸ء میں حکومت برطانیہ نے مولانا جعفر پر سے نگرانی ہٹا لی۔ انبالہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے محمد جعفر تھانیسری سے ملاقات کی مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی عدم واقفیت کا بھی ذکر کر دیا۔ (پابندی ہٹتے ہی ملتے چلے گئے)

مولانا جب واقفیت نہیں رکھتے تھے تو وہ بٹالہ سے تھانیسر کیوں گئے؟ بات بالکل ظاہر ہے مجاہدین سے ہمدردی اور دلی تعلق تھا، وہ اس لیے جا کر مل آئے جب راز فاش ہو گیا تو کہہ دیا کہ مولانا جعفر سے واقف نہیں اور ایسا کرنا پڑتا ہے اگر باہمی ملاقات کی تفصیلات کسی کو معلوم ہو جاتیں تو شاید دونوں پھر دھر لیے جاتے مگر معلوم نہیں کس طرح چھپ کر ملاقات ہوئی۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کی کتنی شاندار مثال ہے۔

ہنٹر جو مسلمانوں کو دہشت پسند، تخریب کار اور قاتل قرار دے کر پھر سے ان کے خلاف اقدامات کروانا چاہتا تھا اس سے مسلمانوں کو بچایا، جہاد کے جواز کا فتوےٰ بھی دیا، مجاہدین سے تعلق بھی رکھا اور عتاب سے بھی بچ گئے۔ علاوہ ازیں ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں پروفیسر قیام الدین پی ایچ ڈی نے اپنی کتاب ہندوستان میں وہابیت کے صفحہ ۲۲۴

پر ایک رپورٹ درج کی ہے۔ جس کا عنوان ہے :-

" وھابیوں کا خفیہ اجلاس" کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ سراج گنج میں منعقد ہوا جہاں نذیر حسین بھی اپنی بھانجی کی شادی میں شرکت کے بہانے گئے ہوئے تھے اس تقریب نے وہابیوں کے اجتماع کے لیے ایک آسان بہانہ مہیا کر دیا۔ سربرآوردہ حاضرین میں نذیر حسین، محمد حسین لاہوری (بٹالوی) اور ابراہیم آروی تھے جلسہ کے بانی ومہتمم ابراہیم تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے اس ملک کے دار الحرب ہونے کا اعلان کر دیا جائے، یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ سرحد پر وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت نسبتاً کمزور ہو گیا ہے اس لیے مزید رضا کار اور امداد کی ترسیل ہونی چاہیے۔ خفیہ اجلاس کی رپورٹ ملی اور مجسٹریٹ مولویوں کو اچانک جا لینے کے لیے چھپٹے لیکن وہ پکڑے نہ جاسکے اور نہ کوئی تحریر برآمد ہوسکی"۔

یہ بٹالوی صاحب پٹنہ میں کیا لینے گئے تھے جب یہ مجاہدین کے خلاف تھے تو دار الحرب کے فتوے پر کیوں زور دیا، کیوں روپیہ اور مجاہدین کی ترسیل کے لیے خفیہ میٹنگ کی، ان کا سید نذیر حسین صاحب کی بھانجی سے کیا رشتہ تھا یہ اس کی شادی پر کیوں گئے، اور چشم بصیرت کھلی ہے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے ورنہ ایک خفیہ اور زیر زمین تحریک کی سب کڑیاں ظاہر تحریک کی طرح ظاہر نہیں ہوتیں مگر آپ کو کیا آپ کو صرف الزام تراشی سے غرض ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کے تعلقات

ایوب قادری ضمیمہ کالا پانی " میں لکھتا ہے کہ "میاں صاحب کے گھر سے مختلف خطوط نکلے جس کے متعلق سرکاری رپورٹ یہ ہے : تین خط مبارک علی پٹنہ، دو خط عطاء اللہ میرٹھی، تین خط عثمان کانپور۔ امین الدین کلکتہ

ابو سعید محمد حسین بٹالوی، محمد سوداگر المواڑہ نیز بہادر شاہ ظفر کے نام اور امیر عبداللہ کے نام خطوط کی نقول بھی دستیاب ہوئیں۔"

یہ سب خط مشکوک سمجھے گئے اور ان پر میاں صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی ان میں محمد حسین بٹالویؒ کے متعلق بھی قابل اعتراض مواد موجود تھا جسے آپ وفادار ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

مولانا نے سر چارلس کو ایڈریس دیا

آپ نے اس کو نمک مرچ لگا کر بیان کیا ہے حالانکہ مولانا نے ایڈریس دیا اور کہا میرے پاس آپ کے لیے دعائیہ کلمات نہیں ہیں اور کہا کہ اللہ آپ کو واپس لائے اور اس طرح اس کو بے وقوف بنایا اس کے منہ پر کہا کہ میرے پاس دعائیہ کلمات نہیں۔ ان وحشت ناک حالات میں جن کا تذکرہ میں نے ابھی کیا ہے اس ایڈریس کی کوئی حیثیت نہیں یہ ان کی مجبوری تھی۔

آپ کو اس ایڈریس سے تکلیف ہوئی اگر اپنے گھر میں نظر ڈالتے تو آپ کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی آپ نے ایک مولانا محمد حسین بٹالوی کی تحریر کو تمام جماعت اہلحدیث کے سر تھوپ دیا۔ جماعت اہلحدیث سے آپ کو کیوں بغض و عناد ہے اپنے گھر کی خبر لیجیے۔

مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی کی رہائی کے لیے گورنر یوپی کی خدمت میں تمام دیوبندیوں کی درخواست اور اس کا پس منظر

آئیے آپ کو اپنے بزرگوں کے پاس لے چلیں۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی جزیرہ مالٹا میں تھے ان کے متوسلین نے ان کی رہائی کے لیے ایک وفد تشکیل دیا جو ۷ر نومبر ۱۹۱۷ء کو بمقام میرٹھ بحضور لاٹ صاحب بہادر صوبہ متحدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جس نے مودبانہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدظلہم و دام فیوضہم کے

متعلق عرض کیا تھا اور حضور ممدوح نے بکمال لطف امید افزا جواب دیا تھا ہم یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ وفد کے پیش کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے کئی ماہ پیشتر سے تحریک جاری تھی مگر حضرت ممدوح کو کثرت اشغال کی وجہ سے قبل از ۶ر نومبر ۱۹۱۷ء اجازت حاضری وفد کا موقع نہ ملا اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ وفد نے حضور ممدوح کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی تھی ہم نتیجہ کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے وفد کے متعلق صرف بغرض اطلاع اہل اسلام جن کے قلوب حضرت ممدوح کی نظر بندی سے بے چین تھے اتنے ہی اعلان کو کافی سمجھا تھا۔ کہ وفد نے حاضر ہو کر عرض کیا اور حضرت ممدوح نے حوصلہ افزا جواب عطا فرمایا اور باوجود تقاضائے ہمدردان اس تحریر کو شائع نہ کیا۔

یہ درخواست شائع کرنے کی وجہ

لیکن اب جب کہ باوجود انتظار شدید اب تک نتیجہ کا ظہور نہیں ہوا ادھر اکثر حضرات ہم سے اس کی نقل طلب کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اسی قدر نقول بھیجنا سہل کام نہیں اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس تحریر کو طبع کر کے شائع کر دیا جائے۔ اس تحریر کو دیکھ کر وہ حضرات بھی اطمینان کر لیں جن کو بعض روایات غلط کی بنا پر یا بعض اپنے تخیلات ذاتی کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ وفد علماء نے حضرت مولانا کو مجرم تصور کر کے درخواست ترحم (رحم کی درخواست) پیش کی تھی تحریر خود اپنے مضمون کو بتلاتی ہے اور زبانی بھی کچھ عرض کیا گیا وہ یہی تھا۔

اس درخواست کے لیے مولانا کی انگیخت

مولانا کی طرف جو خیالات منسوب کیے جاتے ہیں اس کی تائید میں مولانا کا لکھا ہوا فتوےٰ دکھلا چکے ہیں (جو انگریزوں کے حق میں ہوگا) ہاں یہ ضرور ہے کہ تحریراً تقریراً ادب حکومت (کتنے باادب تھے

یے چارے علمائے دیوبند) کو ملحوظ رکھ کر عرض کیا گیا تھا اور یہی طریقہ ہم نے پسند کیا۔"

مضمون اصل درخواست | عرضداشت وفد علمائے دیوبند جو بتاریخ ۶ نومبر ۱۹۱۷ء ہز آنز سر جیمس میسٹن بہادر کے سی۔

ایس آئی لفٹیننٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ بمقام میرٹھ پیش کی گئی۔

بحضور عالی جناب معلی القاب ہز آنز سر جیمس اسکار جی میسٹن صاحب بہادر
کے سی۔ایس آئی لفٹیننٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

حضور والا

ہم چند خدام دارالعلوم دیوبند بحیثیت ایک خالص مذہبی جماعت کے مرکزی نمائندگی کے آج ایک ایسے اہم مسئلے کی طرف ہز آنز کی توجہ گرامی منعطف کرانا چاہتے ہیں جو اپنی بعض سیاسی حیثیات سے اگرچہ ہمارے دائرہ بحث کے اندر داخل نہ ہو لیکن اس کا وہ مذہبی پہلو جس کا تعلق دارالعلوم سے اور دارالعلوم کی کارکن جماعت سے اور دارالعلوم کے مدد کرنے والے عام مسلمانوں سے ہے کسی وقت بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا۔

حضور والا! ہم اپنی فطری سادگی اور صفائی کی رائے سے جس نے ایک دُور از تکلف کے مذہب کے سایہ میں تربیت پائی ہے اور جس کو ہز آنز کی مہربانی سے گورنمنٹ کے عمل نے بھی آج تک مرہون ضوابط نہیں بنایا۔ اس وقت جو کچھ مودبانہ گزارش کریں گے ممکن ہے کہ وہ حالات پر نظر رکھتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے ہز آنز کے یا گورنمنٹ کے بعض دوسرے اعلیٰ حکام کے مزاج کو منغض کر دے لیکن سچ سچ یہ ہے اور سچ ہی کو ہمیشہ کہنا چاہیے کہ حالات حاضرہ ہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے ہم کو ایک ایسے معاملہ میں دخل دینے کی ہدایت کی جس میں اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمانانِ ہند کی واحد مذہبی مرکز کا سب سے بڑا اعزاز اور ہندوستان کی عام پبلک کے

حق میں نہایت ہی تسکین و اطمینان کا باعث اور حکام گورنمنٹ کے لیے ہی بجائے اس وقتی تکدر کے بڑی حد تک حقیقی راحت و سہولت حاصل ہونے کی ضمانت اور اس کی مدبرانہ حکمت عملی کا جس سے عالم اسلام کے دل مسخر ہو جائیں ایک گہرا ثبوت ہو گا۔

ہماری جماعت کے محسن شفیق ہز آنر کے لیے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدرس کی غیر متوقع نظر بندی سے (خواہ گورنمنٹ کے نزدیک کیسی ہی قوی دلیل پر مبنی ہو) دارالعلوم کی اجتماعی حالت کو ایک صدمہ عظیم برداشت کرنا پڑا ہے اور اب بار بار ان کی رہائی کی امیدیں قائم کرنے کے بعد دارالعلوم کے دوست اور اس کے کثیر التعداد مستفیدین ان کی طویل مفارقت سے نہایت ہی بے چین اور شکستہ خاطر ہو کر دارالعلوم کی مرکزی حیثیت اور اسی وفد کے سالار قافلہ شمس العلماء مولوی حافظ محمد صاحب کے رسوخ اور ذہانت خداداد سے اپنی آخری امید وابستہ کیے ہوئے ہیں جس میں اولاً خدا کی رحمت اور ثانیاً ہز آنر کی عنایات خاصہ سے توقع ہے کہ وہ مایوس نہ کیے جائیں گے اس بات کے اظہار کی ہم چنداں ضرورت نہیں سمجھتے کہ ہماری جماعت ایک قدامت پسند جماعت ہے جس کو قدرتی طور پر طلب حقوق یا عرض مدعا کے نئے نئے طور اور طریق سے جو آج کل مروج ہیں قطعاً مناسب نہیں (احتجاج بھی نہیں کرنا چاہیے) پھر نہ تو ہمارے ہم مشرب آنریبل موجود ہیں جو کونسلوں میں ہماری کسی خواہش کے متعلق مسلسل جدوجہد جاری رکھیں اور نہ انگریزی تعلیم نے ہمارے دماغوں کو ایسا منور بنایا ہے کہ اپنی معروضات کو منوانے کے لیے ہم آئرلینڈ یا کم از کم نیشنل کانگرس کی کورانہ تقلید میں آئینی یا غیر آئینی ایجی ٹیشن برپا کرنے لگیں جس کو ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے ادب حکومت کے متعلق سخت ناعاقبت اندیشی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہم کو بلاشبہ خیر خواہانہ مشورہ دیا گیا ہے کہ قانونی حدود میں رہ کر ہی

شور و غل مچاؤ تو تمہارے نظر بند بھی مسز اینی بسنٹ کی طرح آزاد کر دیے جائیں گے لیکن خواہ ہمیں کوئی خوشامدی اور ڈرپوک کہے یا دُور اندیش اور سمجھدار ہم نے یہی کہا کہ اوّل تو عام نظر بندوں کے معاملے میں مسز اینی بسنٹ کی نظیر ہماری پوری رہنمائی نہیں کرتی دوسرے ہم چند تیز ریز ولیوشن پاس کر کے اور دو چار تار حضور والسرائے بہادر اور سیکرٹری آف سٹیٹ کی خدمت میں بھیج کر غوغائے عام میں شریک بھی ہو جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ ہم اپنے خاموش مسلک پر ثابت قدم رہنے سے جو کچھ فائدہ حاصل کر سکتے تھے اس کو بھی ہاتھ سے کھو بیٹھیں۔

(اس سادگی پہ کیوں نہ میں مر جاؤں اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں)

حضورِ والا! یہ نکتہ خاص طور پر ہز آنر جیسے بیدار مغز حاکم کی توجہ کے قابل ہے کہ مسز اینی بسنٹ کے واقعہ سے جو یورپین ایسوسی ایشن کے ذہین ارکان کو یہ خیال پھیل جانے کا اندیشہ پیدا ہوا ہے کہ گورنمنٹ کے دربار میں بے ادب شور و غل مچانے اور ایجی ٹیشن برپا کرنے والے بہ نسبت اعتدال پسندوں کے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں اگر یہ اندیشہ کسی درجے میں وزن رکھتا ہے تو اس کی تلافی کا طریقہ بھی غالباً اس سے بہتر اس وقت کوئی نہ ہوگا۔

سیاست سے بیگانہ جماعت

کہ گورنمنٹ ایک بالکل خاموش اور سیاست سے محض بیگانہ جماعت کی استدعا پر حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کو فوری آزادی مرحمت فرما کر ہماری کل جماعت بلکہ کل اسلامی پبلک کے قلوب سے خراج منت پذیری و احساس شناسی وصول کرے اور اپنے اسی طریق عمل سے عام طور پر یہ ثابت کر دے کہ خاموش امن پسند بھی ایجیٹیٹروں سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

سیاسی جھمیلوں سے الگ تھلگ

حضور والا! تیس چالیس برس

کے کامل تجربہ کے بعد ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کہ حضرت مولانا محمود حسن ساری عمر تمام جماعت دیوبندی کی طرح سیاسی الجھنوں سے الگ تھلگ رہے نہ تو وہ وطن پرست آدمی ہیں اور نہ قوم پرست بلکہ ایک سچے خدا پرست انسان ہیں اور انسان جب تک انسان ہے سہو و نسیان اور غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے لیکن ایک پاک باز انسان بدنیت نہیں ہو سکتا اس لیے ہمارے واسطے اپنی سابق چہل سالہ تجربہ اور حضرت مولانا کے قلم کی لکھی ہوئی تحریروں پر نظر کرتے ہوئے گورنمنٹ صوبہ جات متحدہ کا یہ اعلان کہ تحریروں اور دوسری قسم کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمود الحسن نے ہز مجسٹی ملک معظم کے دشمنوں کو ان کی فوجی تجاویز میں مدد دی ہے اگرچہ نہایت حیرت انگیز اور رنجیدہ لیکن جب کہ ان تحریروں اور دوسری قسم کی شہادتوں سے واقف ہوئے اور یہ کھنے کا ہمارے لیے کوئی موقعہ نہیں تو ہم راستے کو مختصر کرنے کے لیے صرف اس قدر گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مولانا ممدوح کی آواز گورنمنٹ کے کانوں میں چند سیاسی لوگوں کی آواز سے ملتبس ہو کر پہنچی ہے تب بھی وہ از راہِ کرم گستری اور رعایا نوازی ایک ایسی شخصیت کے آزاد کرنے میں دریغ نہ کرے جس کی آزادی سے ایک عظیم الشان جماعت اسلام کے جذبات اسیر احسان ہو جائیں گے اور دارالعلوم کے در و دیوار میں سے عمیق شکر گزاری کا ایک ایسا ابلتا ہوا جوش نظر آئے گا جو اس سے پہلے شاید کبھی نظر نہ آیا ہو ہم کو ہز آنر کے ان وسیع اخلاق والطاف سے جو آج تک ہماری جماعت کی نسبت فرمائے گئے ہیں کامل یقین ہے کہ ہماری یہ عرضداشت بے اثر نہیں جائے گی اور ہز آنر کوئی ممکن مہربانی اٹھا کر نہیں رکھیں گے۔

آخر میں ہم سمع خراشی کی معافی چاہتے ہیں دعائے کامیابی و فلاح پر اس ناچیز تحریر کو ختم کرتے ہیں۔

ہم ہیں آپ کے صادق خیر اندیش اور وفاکیش علمائے دیوبند ۱۸ / ۶ نومبر ۱۹۱۷ء ۱۳۳۶ھ

منقول از "الرشید" دیوبند رجب ۱۳۳۶ھ

معافی کی درخواست میں لجاجت

میرے خیال میں مولانا محمود الحسنؒ کے اس معافی نامے کو پڑھ کر آپ کو مولانا محمد حسین سے گلہ نہیں رہے گا۔ کس قدر گڑگڑا کر اور لجاجت سے اکیلے مولانا محمود الحسن نے نہیں بلکہ ان کے متوسلین ان کے شاگردوں اور ان کے گھر والوں نے معافی مانگی ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

نظربندی خود اختیاری تھی

علاوہ ازیں یہ قید نہیں تھی بلکہ خود اختیاری نظربندی تھی جس میں مولانا کو کوئی مشقت نہیں اُٹھانی پڑی بلکہ حکومت خود ان کی نگہداشت کرتی رہی۔ ان کی صحت ان کی خوراک ان کی رہائش اور آسائش کا خوب خیال رکھا گیا۔ آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا کی نگہداشت

"ادھر ہندوستان میں حالات پریشان کن تھے اور ادھر مسٹر برن کو جو بالفعل گورنر یو پی سرمشٹن کا سیکرٹری تھا کو مولانا کے پاس مالٹا بھیجا گیا" (اسیر مالٹا ص۱۷۷)

"مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ ۱½ شلنگ روزینہ دیا جائے اور اس کے علاوہ روٹی، کوئلہ اور شمع، صابن حسب عادت جاری کرنے کا حکم جاری کر دیا" (ص۱۸۶ اسیر مالٹا)

"سردی کی شکایت کی بنا پر کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرا دی جس سے ہم اپنا کمرہ گرم کر سکتے تھے آخر وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لیے خود آیا کمرے کو اندر باہر سے دیکھا اور مولانا سے نہایت ادب اور تپاک سے پیش آ کر مصافحہ کیا اور پھر کہا میں نے آپ لوگوں کے لیے ایسا ایسا انتظام کر دیا ہے۔

اگلے روز کمان دار نے مولانا مرحوم کو معہ رفقاء بلا کر کہا کہ مسٹر برن نے آپ کے حق میں خاص طور سے ہم کو فہمائش کی ہے اس لیے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں

کہ آپ کے لیے اب سے نقد مقرر ہوگا اور آپ کو خاص رعائتیں دی جائیں گی جب بھی آپ کو کوئی ضرورت ہو ہم کو اطلاع دیتے رہیں" (اسیر مالٹا ص۱۸۷)

مولانا کی بیوی کی درخواست

"مولانا کی اہلیہ مرحومہ نے گورنر یو پی کے پاس عرضی بھیجی کہ جو مقدار مولانا کے لیے مقرر کی گئی ہے وہ مالٹا کی گرانی کے لیے کافی نہیں اس لیے یا تو خود ان کے لیے کافی مقدار پہنچاؤ یا ہم کو اجازت دو —— وہاں سے جواب آیا کہ فکر مت کرو ہم خود انتظام کردیں گے وہاں سے حکم مالٹا میں زیادتی کا پہنچا آفس نے مولانا سے قلت مصارف کی نسبت دریافت کیا مولانا نے جواب دیا کہ انسان کا دارومدار گوشت پر ہے ہم بہت زیادہ کفایت کرتے ہیں ہفتہ میں صرف تین دن گوشت کھا سکتے ہیں گھی یہاں ملتا ہی نہیں روغن زیتون استعمال کیا جاتا ہے جو بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایک دن میں استعمال ہو جاتا ہے اس پر فی کس دو شلنگ اور مولانا کے لیے چار شلنگ مقرر کر دیے گئے" (اسیر مالٹا ۱۸۹) (شلنگ ۱۲ آنے کے برابر تھا اور اس زمانے میں گندم ایک ڈیڑھ روپیہ من اور ایک روپے سے مہینہ گزر جاتا تھا)

"مسٹر برن کے جانے کے ایک ماہ بعد لندن ہوتے ہوئے کچھ خط آئے جس میں مولانا عبدالرحیم۔ مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا حافظ محمد صاحب۔ مولانا حکیم محمد حسین صاحب اور دیگر اعزہ کے خطوط تھے جنہوں نے بتاکید لکھا تھا کہ مسٹر برن چیف سیکرٹری مسٹن گورنر یو پی آئے ہیں ہم آپ سے خواہش مند کہ آپ ان کی پیش کردہ شرائط کو قبول فرما کر بہت جلد ہندوستان میں تشریف لائیں۔ ہماری استدعا پر گورنمنٹ نے یہ استدعا قبول کرلی ہے۔" (اسیر مالٹا ص)

بالائی اشارہ

"یہ بھی معلوم ہوا کہ حسب اشارہ احباب نے ایک وفد

علماء کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لیے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے موصوف مالٹا میں اترے اور ان کے خطوط دستی بھی لائے" (اسیر مالٹا صـ۱۸۹)

کیا ہندوستان دار الحرب ہے

"مسٹر برن نے مولانا محمود حسن سے پوچھا کیا ہندوستان دار الحرب ہے یا دار السلام؟ مولانا نے فرمایا کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے مولانا نے فرمایا میرے نزدیک دونوں درست ہیں اس نے تعجب سے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا دار الحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں دونوں درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں —— اس نے تفصیل پوچھی مولانا نے فرمایا کہ دار الحرب اس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر اقتدار میں ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کر دیں اس لیے ہندوستان دار الحرب ہے اس نے کہا دوسرے معنی کیا ہیں؟ مولانا نے فرمایا جس ملک میں اعلانیہ طور پر شعائر اسلام کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو یہ وہ دار الحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے اس نے کہا یہ بات تو ہندوستان میں نہیں مولانا نے فرمایا ہاں جس نے دار الحرب کہنے سے احتراز کیا ہے غالباً اس نے اس کا خیال رکھا ہے وہ چپکا ہو گیا اور لکھ لیا" (اسیر مالٹا صـ۷۸)

مولانا کے لیے مراعات کا حکم

"غالباً ستمبر یا اکتوبر میں ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور کمانڈار نے کہا کہ ہمارے پاس آپ کے لیے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطر داری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق فوجی کپتان کے لیے کیے جاتے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ ملحوظ رکھیں —— اس نے کہا کہ آپ قیام کے لیے جس کیمپ

اور جس کمرے کو پسند فرمائیں وہاں انتظام کر دیں گے" (اسیر مالٹا ص۱۷)

مصر کے قیام میں کھانا

"علی الصباح ایک گلاس سادہ چائے اور گھی دودھ کے ساتھ انڈا، مکہ، پنیر روٹی کا ایک دو ٹکڑا دوپہر کے وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے ہفتہ میں ایک دن مرغ اور ایک دن دوسرے پرندوں کا گوشت باقی دنوں میں دُنبے کا گوشت ہوتا تھا پلاؤ میٹھی قسم کا کھانا بھی اکثر ہوتا تھا۔

مصر میں مستنطق نے پوچھا

(نطق کے معنی بولنا یا کلام کرنا مستنطق کے معنی کلام کرنے کا مطالبہ کرنا جواب مانگنا (مولانا نے جان بوجھ کر مشکل لفظ استعمال کیا) مولانا سے دریافت کیا گیا ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے مولانا نے کہا مجھے کچھ علم نہیں نہ میں نے دیکھا ہے۔ مستنطق (نے پوچھا) مولانا عبید اللہ سندھی لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلافِ برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجداری کمان دار ہیں مولانا نے کہا کہ وہ لکھتا رہے لکھنے کا خود ذمہ دار ہوگا بھلا میں اور فوجی کمان دار میری جسمی حالت ملاحظہ فرمائیں اور عمر کا اندازہ کیجیے میں نے تمام عمر مدرسی کی ہے مجھ کو فنون حرب اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت۔" (اسیر مالٹا ص۔)

مولانا اور ان کے ساتھیوں کی حکومت سے خیر خواہی اور خود اختیاری قیامِ حجاز

"ہم بہ حیثیت ہندوستانی اور مسلمان ہونے کے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اسی وقت ہندوستان بھیجا گیا تو ہم جو واقعات حجاز کے ہیں وہاں بلا کم و کاست کہیں گے ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپائیں گے اور یہ امر گورنمنٹ کی سیاست کے زیادہ خلاف ہوگا اس لیے آپ کوشش کیجیے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھ دے خواہ جدّہ یا کسی اور قریہ یا قصبہ میں، انہوں نے کہا

بہتر ہے" (اسیر مالٹا ص۲۷)
میرے خیال میں آپ مولانا کی نظر بندی اور اسارت کی حقیقت سمجھ گئے ہوں گے اور بقول ابوحنیفہ اکیڈیمی فقیر والی بہاولنگر "جنگ آزادی میں اپنی چمڑی بچانے کے لیے لیت و لعل سے کام لیا اور اجتماعی تحریک سے الگ تھلگ رہے" (الاقتصاد ص۴۷)
میں کہتا ہوں لیت و لعل سے کام نہیں لیا بلکہ عمداً اراداتاً الگ رہے اور درخواستیں دے کر تعاون طلب کیا کہ ہندوستان میں بھیج کر ہمیں پھنسا نہ دینا اور جو کام ہم نہیں کرنا چاہتے اس کے لیے لوگ ہمیں مجبور نہ کر دیں سبحان اللہ کتنے بہادر اور جرأت مند تھے۔ اور کتنی لگن تھی ان کو آزادی کی اور اس پر گالیاں لوگوں کو دیتے ہو۔ مولانا مدنی فرماتے ہیں (اسیر مالٹا ص۱۴) ایمان فروشوں نے ٹرکی سے اپنی بے تعلقی اور برطانیہ سے ہمدردی کا اظہار کیا۔

شیشہ دیکھ کے مت گھبرا
کردار اپنا تو دیکھ ذرا
شکل اپنی پہچان ذرا
طعنے نہ دے کچھ تو شرما

مولانا کے متعلق افواہیں

لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے تحریری وثائق اور عہود حاصل کر کے مولوی ہادی حسن کے ذریعہ فلاں صندوق میں جس میں فلاں فلاں کپڑے رکھے ہیں بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً گارد مولوی ہادی حسن کے مکان پر پہنچی مکان کی تلاشی لے کر صندوق کو دیکھا اور پھر ہر ہر تختہ کو توڑا مگر کچھ نہ نکلا اور نکلتا بھی کیسے جب کہ کوئی شے ہے ہی نہیں تو کہاں سے نکلے" (اسیر مالٹا ص۲۷) مولانا مدنی فرماتے ہیں" نہ ٹرکی زبان سے واقفی، نہ ہمارے افسروں سے تعلقات اور نہ ان کو حج میں فراغت کہ ہم سے بات کریں

یہ افواہیں اور جھوٹ ہیں" ملخصًا (اسیر مالٹا صفحہ ۲۵، ۲۶، ۲۷)

بے چاروں نے آزادی کے لیے جدوجہد تو دُور کی بات ہے کبھی آزادی کا خواب بھی نہیں دیکھا۔

ارادہ سفرِ حجاز کی وجہ

"بعض باخبر لوگوں (سرکاری مخبروں) نے مولانا سے عرض کیا کہ ان دنوں زیرِ قانون تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کو اسیر کر رہی ہے چنانچہ مولانا ظفر علی اڈیٹر اخبار زمیندار مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر کامریڈ اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی صاحب وغیرہ نظربند ہو چکے ہیں —— اس لیے مناسب ہے کہ اس زمانہ فتنہ میں جب کہ کوئی تحقیق واقعی طور پر نہیں ہوتی آپ اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں مولانا مرحوم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم از کم مدت جنگ عمومی میں وہیں امن و امان کے ساتھ یاد الٰہی میں مشغول رہیں"۔ (اسیر مالٹا ۲۰)

مولانا مدنی کے دل میں حکومت کی دہشت

"فرماتے ہیں میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اٹھانا ۱۸۵۷ء کا سماں باندھتی تھی آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اس کا پتا پانی ہو جاتا تھا خودمختار حکومت کا ذکر زبان پہ لانا برق جہاں سوز سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی (اسیر مالٹا صـ۱۱)"

یہ ہیں علمائے دیوبند کے قلبی حالات جن کو نظربندی میں پلاؤ قورمے پسند کی جگہ اور اخراجات ملتے تھے وہ آزادی کا ذکر کر کے کیوں اپنے لیے مصائب کو دعوت دیتے وہ ہمیشہ وفادار رہے۔

ہندوستان کے حالات

ہندوستان کی حکومت چونکہ انگریز نے مسلمانوں سے چھینی اس لیے مسلمان اُسے چھین لینے

نہیں دیتے تھے یوں تو مجاہدین ۱۸۲۶ء سے صوبہ سرحد میں موجود تھے اور ان کی سرگرمیاں جاری تھیں مگر ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد مجاہدین کی سرگرمیوں میں نئی جان آگئی بہت سے اہم آدمی افغانستان پہنچے ان میں مولانا محمد علی قصوری ۔مولانا عبدالرحیم صاحبؒ عرف بشیرؒ مولانا فضل الٰہی صاحبؒ مولانا عبیداللہ سندھیؒ وغیرہ شامل تھے۔

افغانستان کی حکومت انگریز کے اشارے پر چلتی تھی اور اس کی امداد کے سہارے کے بغیر اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں تھی اس لیے وہ کوئی ایسا کام کرنے کے لیے تیار نہ تھی جس سے انگریز ناراض ہو۔

اعلیٰ حضرت کی بزدلی اور مولوی بشیر صاحب کا کمال

مگر یہ مجاہدین تو اس لیے گئے تھے کہ افغانستان میں بیٹھ کر ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کریں خود اعلیٰ حضرت پر انگریز کا اس قدر خوف طاری تھا کہ وہ اعلانیہ انگریز کے خلاف کسی سازش میں شرکت سے ڈرتے تھے۔

"مولوی بشیر صاحب کا یہ کمال تھا کہ وہ اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ کو خوف و ہراس کے اس گنبد سے باہر نکال لائے" (مشاہدات کابل ص۳۰)

"نائب السلطنت انگریز کے پہلے ہی خلاف تھے چنانچہ محمد علی نے اپنی سکیم ان کے سامنے رکھی جس کا مفاد یہ تھا کہ ہندوستان فوج اور اسلحہ سے خالی ہوچکا ہے صرف گیارہ ہزار فوج اور ایک توپ خانہ ہندوستان میں ہے اس لیے اعلیٰ حضرت کے لیے اس سے بہتر موقعہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا نہیں ہوسکتا (مشاہدات کابل دیاغستان ص۳۱)"

"نائب السلطنت نے مولانا محمد علی کو بلایا اور کہا کہ اعلیٰ حضرت ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس غرض کے لیے کانگرس سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کام کے لیے مولانا محمد علی جوہر ۔حکیم اجمل خاں یا پنڈت موتی لال نہرو

یا کوئی اسی پائے کا لیڈر کابل آنا چاہیے (مشاہدات کابل و یاغستان ص۳۲)

"انگریز کو افغانستان کی رتی رتی بھر خبریں مل رہی تھیں اس لیے وہ اس سے غافل نہیں تھے۔ اس نے ایک طرف ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کا معاہدہ لکھنؤ کرایا دوسری طرف مسلمان لیڈروں کی گرفتاری یا نظربندی کے احکام جاری کیے حکیم صاحب کابل کی دعوت پہنچی تو انہوں نے مولوی عبیداللہ سندھی کو ملا بشیر کے پاس بھیج دیا (مولوی محمود حسن نے نہیں بھیجا جیسا کہ دیوبندی لکھتے ہیں) ان کے آنے سے (محمد علی قصوری) کا گھر سیاست کا محور بن گیا لاہور کے چند طلباء کابل آئے تھے جن کو گرفتار کر لیا گیا تھا" (ص۳۲)

جرمن مشن کی آمد

"یہی زمانہ تھا جب کہ جرمنی سے تہران کے راستے ایک مشن آ پہنچا۔ اس مشن کے رئیس راجہ مہندر پرتاپ تھے دون ہینٹگ قیصر ولیم کے وکیل مختار ناظم بے سلطان روم کے وکیل مختار اور مولانا برکت اللہ غدر پارٹی کے نمائندے اور دوسرے اراکین تھے اس مشن کے آتے ہی کابل میں ہلچل مچ گئی" (مشاہدات کابل ص۳۴)

حکومت موقتہ

"مشن اس بات پر زور دیتا تھا کہ افغانستان انگریزوں کے خلاف فوراً اعلان جنگ کر دے چنانچہ طے پایا کہ ہندوستان کی ایک عارضی حکومت قائم کی جائے جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ نائب صدر مولانا عبیداللہ سندھی وزیر اعظم مولوی برکت اللہ وزیر خارجہ محمد علی قصوری، ملا بشیر وزیر دفاع اسے یاغستان کی لشکرکشی کا ذمہ دار بنایا گیا۔ ایک پوری سکیم کے حملے کی تیاری کی گئی" (مشاہدات کابل ص۳۳)

اسلحہ کا جائزہ

"ہندوستان پر حملے کے لیے ضروری تھا کہ امیر صاحب کے اسلحہ خانے کا جائزہ لیا جائے اور خوب تیاری شروع کر دی جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے کمال جرأت سے کام لیتے ہوئے تمام انگریز ملازمین کو برطرف کر دیا اور کیپٹن نیڈ ماسٹر کو تمام کام سپرد کر دیا

جو بہت ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر تھا اس نے جب توپ خانہ کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ انگریز ملازمین نے تمام توپوں کو بے کار کر دیا ہے اس لیے سب سے پہلے ان کی درستی کا کام شروع ہوا انگریزوں کے اخراج نے تمام منصوبہ اور امیر جماعت کے عزائم کو بے نقاب کر دیا انگریزی حکومت کو اس وقت یقین تھا کہ امیر صاحب ہندوستان پر حملہ کرنے والے ہیں"!

انگریز قوم کی مکاری

"انگریز قوم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ لیتی ہے جس قدر معاملہ پُر خطر ہو اس قدر ان کی سیاست زبردست ہوتی ہے مجھے وزیر اعظم ایس کوئتھ کا مقولہ رہ رہ کر یاد آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ انگریزی قوم کی تاریخ پڑھو تم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم نے کوئی لڑائی جیتی نہیں لیکن کوئی جنگ ہاری نہیں انگریز یہ سمجھ چکے تھے کہ افغانستان کا حملہ ان کی موت کا پیغام ہے اس لیے انہوں نے چالبازی سے وہ کام نکالا جو وہ ہتھیار سے نہیں نکال سکتے تھے"

پیر صاحب چہار باغ کی کرتوت

"کابل کے ایک بہت بڑے پیر جن کا عرف پیر صاحب چہار باغ تھا افغانستان میں بہت بڑے پیر مانے جاتے تھے خود اعلیٰ حضرت بھی ان کی بیعت تھے اس کو انگریزوں نے بلایا اور بڑا لالچ دے کر ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کابل جا کر امیر صاحب کو جنگ کے ارادہ سے باز کریں، پیر صاحب کابل پہنچے۔ اعلیٰ حضرت ان کی قدم بوسی کے لیے ان کی فرودگاہ پر تشریف لائے اور ان سے تمام منصوبے کا ذکر کر کے دُعا کے طالب ہوئے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ میں تین دن تک استخارہ کروں گا اور پھر چوتھے روز تم کو اس کا جواب دوں گا ہمارا ماتھا ٹھنکا۔ جلدی سے ایک مجلس مشاورت بلائی اور فیصلہ ہوا کہ اگر اعلیٰ حضرت اس تجویز کو بدل دیں تو بھی ہم اپنے ارادے سے باز نہیں آئیں گے بلکہ مشن کے تمام ممبر یاغستان پہنچ کر لوگوں کو منظم کر کے

ہندوستان پر حملہ کردیں گے۔

اس عرصہ میں مولانا عبید اللہ سندھی ہم سے ناراض ہوگئے مولانا عبید اللہ سندھی کی انگیخت پر محمود طرازی نے اپنے بڑے داماد یعنی ولی عہد کو ہم سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی" (مشاہدات کابل و یاغستان صفحہ ۳۳، ۳۴)

پیر صاحب کے استخارے کا نتیجہ

"پیر صاحب نے استخارے کے بعد امیر صاحب کو بتلایا کہ ہندوستان پر حملہ کرنا افغانستان کی تباہی کو دعوت دینا ہے محمد علی راقم الحروف افغانستان کا دشمن نہیں ہے اس کو یہاں سے فوراً نکال دینا چاہیے۔ کہا جاتا ہے امیر صاحب کو آٹھ کروڑ روپے کا لالچ دیا گیا تھا اور صرف اس کام کا صلہ پیر صاحب کو پچاس لاکھ روپے ملے پیر صاحب کے اس فیصلہ کا اثر نائب السلطنت صاحب اور سپہ سالار نادر شاہ مرحوم پر بہت ہوا ان دونوں صاحبوں نے اعلانیہ اعلیٰ حضرت سے کہا کہ اگر آپ نے جرمن وفد کو انگریزوں کے حوالے کیا یا مولوی محمد علی کو سزا دی تو ہم سب مخالفت کریں گے اور ملک میں ہنگامہ ہو جائے گا شائد اس لیے امیر صاحب نے روپیہ لینے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا" (مشاہدات کابل و یاغستان ص۳۴)

مولانا محمد علی کے گھر پر ڈاکہ

"اس عرصہ میں کابل کے بعض ارباب اقتدار کے اشارہ پر میرے گھر مسلح ڈاکہ پڑا جس میں مجھے قتل کرنے کی سازش کی گئی مگر خوش قسمتی سے میں بچ گیا البتہ تمام سامان بمعہ کاغذات چوری ہوگیا۔ نائب السلطنت اور سپہ سالار نادر شاہ کا خیال تھا کہ یہ ڈاکہ انگریزوں کے ایماء پر پڑا اور اس کی تہہ میں معین السلطنت کے سیکرٹری تھے جو محمود طرزی کے خاص الخاص آدمی تھے (جو مولوی عبداللہ کے دستِ راست تھے)" (ص۳۴)

گرفتاری اور رہائی

"پھر چند روز کے بعد فوراً اعلیٰ حضرت کے فرمان

سے سو آدمیوں نے میرے گھر کا محاصرہ کیا اور اعلیٰ حضرت کا حکم لاکر دیا کہ مجھے گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے مگر ساتھ ہی کپتان یونس نے نہایت مودبانہ لہجہ میں مجھ کو تنہائی میں لے جاکر کہا کہ نادرخاں سپہ سالار نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے آپ سے مل کر تمام پروگرام طے کرلیں پھر اس نے مجھ سے فرمان پر دستخط لے لیے کہ میں اپنے تئیں حوالے کرتا ہوں اس نے مجھے ہفتے عشرے کی مہلت دی میں اٹھا اور سیدھا سپہ سالار کے درِ دولت پر پہنچا وہاں مجھے تمام سازش کا علم ہوا سپہ سالار صاحب اور ان کے والد ماجد چشم پُرآب تھے اور فرمانے لگے مولوی صاحب یہ اسلام اور افغانستان کی بدقسمتی ہے کہ آپ کو اس طرح نکالا جا رہا ہے لیکن ہم آپ کو انگریز کے ہاتھ میں نہیں جانے دیں گے اس کے بعد سپہ سالار کے ہمراہ نائب السلطنت صاحب کے دولت خانے پر پہنچا نائب السلطنت نے فرمایا کہ میں نے تمہارے یاغستان پہنچنے کا بندوبست کر دیا ہے۔"

نیا منصوبہ دو دن بٹنگ' راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہؒ سے طویل مشاورت کے بعد طے پایا کہ میں ملا بشیر کی معیت میں یاغستان چلا جاؤں اور قبائل کو منظم کرکے انگریزوں پر دھاوا بولوں نائب السلطنت نے وعدہ کیا کہ وہ جرمن مشن کے بعض ارکان کو وہاں بھیجیں گے تاکہ قبائل کی تنظیم کا کام پورا اور مکمل ہوسکے خود انہوں نے اسلحہ اور سامان مہیا کرنے کا وعدہ کیا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر جرمن وفد کے ارکان و عدہ پورا نہ کرسکے میرے لیے یہ سخت امتحان کا وقت تھا کیونکہ اس انقلابی تحریک میں کود کر پھر واپسی کا کوئی امکان نہ تھا۔ (مشاہدات کابل و یاغستان ص۳۶)

مولانا سندھیؒ کی شرمندگی "مولانا سندھیؒ کو میری روانگی کا علم ہوتے ہی اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی وہ بہت روئے اور نہایت فراخ دلی سے مجھے گلے لگا کر آئندہ تعاون کا یقین

دلایا۔ اس لیے میں نے اپنا اثاثہ آئندہ انقلابی پروگرام میں خرچ کرنے کے لیے ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور خرچہ صرف تین پونڈ لے کر اپنا تمام سامان کابل میں چھوڑ کر ملا بشیر کی معیت میں کابل سے خفیہ نکلا اور ایک ہفتہ کی نہایت دشوار گزار مسافت طے کر کے یاغستان میں ملا بشیر کے پاس چمرکند پر پہنچ گیا۔" (مشاہدات کابل ص۳۷)

اور مولانا سندھیؒ کا یاغستان جانے سے انکار "کابل سے روانگی کے وقت ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں جرمن مشن کے اراکین مولانا عبداللہ سندھی ملا بشیر اور بعض مہاجر طلباء شریک ہوئے تاکہ یاغستان کے متعلق ایک مفصل منصوبہ مرتب کر لیا جائے۔ جرمن وفد کی رائے تھی کہ مولانا سندھیؒ کو یاغستان چلے جانا چاہیے اور وہاں کے تمام کام سنبھالنے چاہئیں لیکن مولانا سندھیؒ نے صاف انکار کر دیا کہ میں ایسے وحشی اور غیر متمدن علاقے میں جا کر قیام نہیں کر سکتا، البتہ کابل میں رہ کر تحریک کی قیادت سنبھالوں گا لیکن ملاں بشیر صاحب نے جو یاغستان کے حالات سے سب سے زیادہ واقف تھے کہا کہ تحریک کی قیادت اس شخص کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جو خود وہیں اقامت اختیار کرے کیونکہ لڑائی ہمیشہ تفیہ زمین بر سر زمین ہوا کرتی ہے غرض بہت رد و کد کے بعد اس بات پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ میں یاغستان کی تحریک کی قیادت اس وقت تک سنبھالوں جب تک مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ صدر مدرس دیوبند یاغستان آ کر اس تحریک کی قیادت نہ سنبھال لیں حضرت شیخ الہندؒ کا اثر یاغستان پر مسلم تھا کیونکہ وہاں کے اکثر ملا اور آئمہ مساجد ان کے شاگرد تھے۔" (مشاہدات کابل و یاغستان ص۴۳)

میرے قتل یا گرفتاری پر انعام "مولانا محمد علی فرماتے ہیں میری تقریری کو

انگریزوں نے اعلانِ جنگ سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ مجھے اشتہاری مجرم قرار دے کر میرے قتل یا گرفتاری کا انعام دس ہزار روپے مقرر کیا۔"

مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی کا تجزیہ

"امیر المجاہدین جمعیۃ عالیہ چمرکنڈ جن کی ساری عمر یاغستان میں گزری فرماتے ہیں بیسویں صدی کی سب سے بڑی سیاسی غلطی وہ جو گزشتہ جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے دوران امیر حبیب اللہ خاں مرحوم شاہ افغانستان سے سرزد ہوئی ان دنوں برطانوی اقتدار کی کشتی جرمنوں کے ہاتھوں ہلاکت اور فنا کے بھنور میں اس طرح بے ڈھب پھنس چکی تھی کہ امیر مذکور اگر جہاد کا جھنڈا بلند کرنے میں ذرا بھی توجہ کرتا تو انگریزوں کے لیے یہ بات بالکل ناممکن تھی کہ وہ کچھ وقت سے زیادہ وقت تک ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ رکھ سکتے ملکِ ہند بھی برطانوی گرفت سے آزاد ہو جاتا اور افغانستان صوبہ سرحد پشاور اور کشمیر وغیرہ تمام ہاتھ سے نکلے ہوئے علاقے لینے میں کامیاب ہو جاتا اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہوتی کہ حکومت معرضِ سقوط میں نہ آتی نہ ترکیہ کو اتحادی فوجیں باہم تقسیم کرنے پاتیں بلکہ روئے زمین کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا جس کے اندر کہیں بھی اشتراکیت اور یورپ کی موجودہ سرمایہ داری نظام کا نشان نہ ملتا موجوداتِ عالم میں سے کسی کا کان قحط سالی بدامنی اور عالمگیر جنگوں میں سے کسی کی آواز بھی نہ سنتے سر ولیم بارٹن نامی جو برطانیہ کا بہت بڑا مدبر تھا اس نے اس بات کی تصدیق کی ہے" (مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی خود نوشت سوانح بدست مولانا گھرجاکھی ص ۴۲)

وہ کہتا ہے" برطانیہ کی پالیسی کو ناپسند کرنے کے باوجود امیر حبیب اللہ اپنے وعدے کا جنگ کے دوران پابند رہا، اگر وہ جہاد کا اعلان کر دیتا تو برطانیہ کے لیے ہندوستان پر قبضہ مشکل ہو جاتا" (ص ۲۹۱ شمال مغربی سرحدی صوبہ مصنفہ ایم بارٹن)

Despite the dislike of Kabul for British policy Amir Habibullah remained loyal to his pledge during the war. Had he called a jehad the British might have been put hard to it to hold India (P291) Indian N-W F by Sir W. Barton

برطانیہ کی حالت

"۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کی ابتدا میں جرمنی کامیاب ہو رہا تھا یورپ میں فرانسیسی اور انگریز بہت بُری طرح پٹ رہے تھے "کیلے" میں جرمنی اپنی دُور مار توپیں نصب کر کے مشرقی ساحل اور لندن پر سخت گولہ باری کا پروگرام بنا چکا تھا لارڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ لندن کی حفاظت نہیں کر سکتا ایسے وقت میں انگریز ہندوستان سے اپنی ساری فوج لے کر جرمن فوج کا مقابلہ کرنے پر مجبور تھا ہندوستان کی تمام تربیت یافتہ فوج جنگ میں جھونک دی گئی یہاں صرف تھوڑے سے رنگروٹ اور گورے رہ گئے تھے مولانا کو خاص ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہاں صرف دو ہزار گورا فوج ہے اور سامانِ حرب بھی موجود نہیں یہ معلومات مولانا کو کرنل عمر حیات ٹوانہ سے معلوم ہوئیں مولانا نے ان خوش گوار حالات کی خبر امیر حبیب اللہ کو دی اور ترغیب دی کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا" (ص۷۵ فضل الٰہی وزیر آبادی)

انقلاب افغانستان

"مولانا فضل الٰہی صاحب جب جیل سے رہا ہوئے تو انہوں نے شدت سے محسوس کیا کہ یہ کامیابی

کے قریب پہنچی ہوئی تحریک حبیب اللہ خاں کی بدولت فیل ہو رہی ہے ان کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی اس لیے وہ بار بار مجاہدین میں یہی پیغام بھیجتے کہ جس طرح ہو سکے افغانستان میں انقلاب برپا کر دو چنانچہ امیر حبیب اللہ مجاہدین اور اپنی رعایا کے غضب کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ برطانیہ نے خلافت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور بحیرہ قلزم کے استحکامات پر قبضہ کر لیا اس پر خلیفۃ المسلمین نے عام مسلمانوں سے انگریزوں کے خلاف جہاد کی اپیل کی۔ حنفی فقہ کی رُو سے پورے افغانستان کی رعایا اور حکومت کو جہاد کی دعوت کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا مگر حبیب اللہ کی ضد نے اسے قتل کرا دیا" (ص ۔۔ فضل الٰہی وزیرآبادی)

مولانا محمود الحسنؒ کی خدمت میں وفد

"افغانستان کے قاضی القضات حاجی عبدالرزاق خاں دیوبند کے شاگردوں اور اس کے ارادت مندوں میں سے تھے اور خود نائب السلطنت بھی تہ دل سے شیخ الہندؒ کے غائبانہ عقیدت مندوں میں سے تھے نے امیر المجاہدین کے اس مشورہ کو قبول کیا کہ ایک وفد مولانا کو سرحد آزاد میں لائے اور ہماری طرف سے اور ہماری حکومت کی طرف سے ہر قسم کی اخلاقی اور مادی خاص کر سامانِ حرب کی امداد کا یقین دلائے اور ان سے کہے کہ بغیر اس تدبیر کے اور کوئی تدبیر متصور نہیں ہو سکتی جو خلافت ترکیہ کی خدمت گزاری کا حق ادا کر سکے اور اس سے جنگ کا بوجھ ہلکا کرنے میں موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکے کیونکہ اگر مولانا حجاز کی طرف تشریف لے جائیں گے تو وہاں صرف تنہائی میں بیٹھ کر ترکوں کے حق میں فتح و نصرت کی دُعا کے سوا کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکیں گے اور اگر وہ سرحد آزاد میں تشریف لائیں تو کوہِ سیاہ سے لے کر وزیرستان اور یاغستان کے سب قبیلوں کی مدد سے ہندوستان کی ساری شمال مغربی سرحد پار انگریزوں کے برخلاف

جنگ وجدال کی ایسی آگ بھڑکا سکتے ہیں جس کو زیر کرنے کے لیے انگریزی حکومت کو مجبوراً کم از کم چھ ڈویژن فوج ترکی کے محاذ سے ہٹا کر ہندوستان کی سرحد پہ مقرر کرنی پڑے اور ان سے یہ بھی عرض کرے کہ اگر ہماری تجویز ان کے نزدیک قبول کرنے کے لائق نہ ہو تو ان کو چاہیے کہ پھر بھی حجاز نہ جائیں بلکہ ہندوستان کے اندر رہ کر مسلمانوں کو ہر جگہ اور ہر مقام پہ انگریزوں کے خلاف بغاوت اور ہنگامہ آرائی پہ آمادہ کریں لیکن موصوف مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے یا دوسرے اشخاص کے اثر میں آکر افغانستان کی اسی دعوت کو قبولیت کے کانوں سے نہ سُن سکے۔"

مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی خدمت میں دُوسرا وفد

"پھر یہی پیغام بذریعہ حافظ شریف احمد نیپالی مولانا ممدوح کی خدمت میں بھیجا گیا یہ قاصد خود اور اس کا باپ غازی عبدالکریم نامی جو مشہور دیوان گلشن ہدایت کا مصنف گزرا ہے یہ دونوں باپ بیٹا جمعیتہ عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کے ممتاز اراکین میں سے تھے مگر اب کی مرتبہ بھی ناکامی ہوئی ان کی مجلس شوریٰ کے بعض اراکین نے جیسا کہ چاہیے تھا اسی تجویز کی تائید نہ کی اور ان پہ باعث ہوئے کہ وہ حجاز ہی کی طرف ہجرت کریں۔"

تیسرا وفد حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی خدمت میں

"تیسری دفعہ یہی پیغام مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی معرفت جو ان دنوں سرزمین ہند میں حضرت سید احمد بریلوی کی مقدس تحریک کے ذمہ دار اراکین اور جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کی امارت کے فرائض بجا لاتے تھے مولانا کی خدمت میں پہنچایا گیا لیکن وہ آخر وقت تک اسی دعوت کو قبول کرنے پہ آمادہ نہ ہوئے اور حجاز کی طرف چل دیے" (صفحہ ۸۳ فضل الٰہی وزیر آبادی)

مولانا ابو الکلام کی رائے

"مولانا ابو الکلام آزادؒ کی رائے قطعی طور پر یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہیے گرفتاری کو قبول کیا جائے اور بیرون ملک معطل رہنے سے اندرونِ ملک معطل رہنا بہتر ہے۔"
(تحریک ریشمی رومال ص۱۱۳)

"مولانا ابو الکلام کا منشا تھا کہ حضرت مولانا ہندوستان میں ہی رہیں۔"
(تحریک ریشمی رومال ۱۴۲)

"اوّل الذکر (مولانا ابو الکلام) نے جواب دیا کہ ممکن ہے زیادہ عرصہ گزرنے سے پہلے ترکی۔ جرمنی۔ ایران کے راستے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کرے اس لیے محمود الحسن کو ہندوستان میں رہ کر لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا زیادہ بہتر ہے" (ریشمی رومال ص۲۰۵)

گویا کسی بھی اہم لیڈر کی رائے یہ نہ تھی مولانا حجاز جائیں مگر جیسا کہ اسیر مالٹا میں ذکر گزر چکا مولانا تو جنگ کے دنوں میں امن کی تلاش میں حجاز گئے تھے ان کو مشورہ دیا گیا تھا کہ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ مولانا ظفر علی گرفتار ہو چکے ہیں اس لیے آپ نہ تو تحریک میں حصہ لیں نہ گرفتار ہوں بلکہ حجاز چلے جائیں اور اس بات کو آپ نے پسند کیا مولانا فضل الٰہی صاحبؒ وزیر آبادی نے اپنی کتاب "غلطیہائے عدیم المثال جہاں" جو فارسی میں لکھی گئی اس پر بڑے دکھ اور کرب کا اظہار کیا ہے ص۱۱۱،۱۱۴ کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

بیسویں صدی کی سب سے عظیم غلطیوں میں سے دوسری غلطی یہ تھی کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ فردوس مکانی کے خود غرض مقربین کے مشورہ کی وجہ سے شیخ موصوف اس کے مرتکب ہوئے اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ماہ اگست ۱۹۱۴ء بمطابق رمضان ۱۳۳۲ھ دولتِ برطانیہ نے حکومت جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کرایا۔ مولانا عبد الکریم بن ولایت علی نے

رمضان شریف کی پرواہ کیے بغیر عبدالکریم قنوجی جو مولانا برکت اللہؒ کے ساتھی تھے اور دونوں نواب صدیق حسن خان مرحوم کے شاگرد تھے دونوں کو دربار کابل میں بھیجا اور ان سے کہا کہ نائب السلطنت سردار نصر اللہؒ خاں صاحب اور قاضی القضاۃ صاحب جناب حاجی عبدالرزاق کو ساتھ لے کر امیر حبیب اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کو یقین دلائیں کہ تمام قبائل یوسف زئی و کوہ سیاہ کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں حضرت امیر صاحبؒ جہاد کے متعلق خصوصی مشورہ اور سرپرستی کا مطالبہ کریں لیکن چونکہ امیر موصوف حکومت روس اور حکومت برطانیہ کے اتحادی تھے اس لیے انہوں نے جہاد کے لیے چنداں حوصلہ افزائی نہ کی اور ابھی مجاہدین کا وفد وہاں سے واپس نہ ہوا تھا کہ اچانک نومبر ۱۹۱۴ء کو دنیا نے یہ آواز سن لی کہ حکومت برطانیہ نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے بحیرہ قلزم کی طرف تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا ان حالات میں خلیفۃ المسلمین نے تمام عالم اسلام کو انگریزوں کے خلاف دعوت جہاد دی لہٰذا فقہ حنفی کی رُو سے افغانستان ان کی رعایا یا غستان اور مسلمانانِ ہند کو شرکتِ جہاد کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اس طرح شاہِ افغانستان ناقابل حل مشکلات میں پھنس گئے۔

افغانستان کی پالیسی

چنانچہ یہ طے ہوا کہ شاہِ افغانستان حکومت برطانیہ اور اس کے اراکین کو غیر جانبداری کے اعلانات سے مسحور رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ نائب السلطنت اور قاضی القضاۃ حاجی عبدالرزاق دونوں پوشیدہ طور پر قبائل آزاد کو حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ وجدال کے لیے تیار کرتے رہیں اور اگر اس دوران حکومت برطانیہ اپنے مخالف کے مقابل کمزور ہو گئی اور اس کے بچنے کی اُمید نہ رہی تو پھر افغانستان اعلانیہ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا اور آزاد قبائل کو ساتھ لے کر ہندوستان میں داخل ہو جائے گا ورنہ غیر جانبداری

کی پالیسی پر قائم رہے گا۔

حکومت برطانیہ کی انگیخت پر خلافت عثمانیہ پر حملے

جس زمانے میں حکومت برطانیہ کے ایما پر حکومت ترکیہ کے خلاف جنگ بلقان شروع ہوئی پہلے اٹلی نے ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں پھر ایک سال بعد مانٹگرو نے اسی ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں حکومت ترکیہ کے ساتھ بلا وجہ جنگ چھیڑ دی اسی وقت مولانا عبید اللہ سندھیؒ شیخ الہندؒ کی طرف سے مرکز جمعیت مجاہدین اسمس علاقہ یونیر میں آیا جایا کرتے تھے اور امیر المجاہدین کو حضرت شیخ الہندؒ مرحوم کے عزائم سے آگاہ کیا کرتے اور مختلف قسم کے مشورے اور تجاویز جہاد اور آزادی ہند کے متعلق پیش کیا کرتے تھے وفد جمعیت المجاہدین ہند کے سربراہ مولانا عبدالکریم قنوجی مرحوم ان تمام حالات کو جانتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارادہ ہجرت حجاز اور مجاہدین کی سوچ

اور ان کو علم تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ حجاز کی طرف ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں انہوں نے حضرت نائب السلطنت اور قاضی القضاۃ کو استدعا کی کہ ہر تدبیر اور ہر قیمت پر حضرت مولانا کو ارادۂ ہجرت سے باز کریں اور ان کو آزاد سرحد میں لائیں اور ان کو اپنی طرف سے امیر الجہاد مقرر کر کے قبائل کو ترغیب دیں کہ وہ ان کی بیعت کر کے فریضہ جہاد کو شرعی طریقہ پر بجا لائیں اور عرض کیا چونکہ علاقہ آزاد افغانستان اور ترکستان دیوبند کے شاگردوں سے پڑ ہے کسی کو مولانا صاحبؒ کی اطاعت سے انکار کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا بلکہ سب چھوٹے بڑے سرحدی قبائل اور دوسرے لوگ خوشی سے ان کی امارت جہاد کو قبول کریں گے۔ نیز یہ کہ سرحدی قبائل ہمیشہ خود سری سے حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ میں مشغول رہتے ہیں ان کی مخاصمانہ تحریکات کی وجہ سے

حکومت برطانیہ معترض نہیں ہو گی اس لیے اب یعنی اس اقدام پر اعتراض نہ کر سکے گی بلکہ اس موقع پر افغانستان کی بہت منت سماجت کرے گی کہ ہر تدبیر اور ہر قیمت پر اس کو سرحدی مخمصے سے نجات دلانے کے لیے کوئی راہ پیدا کرے چونکہ قاضی القضات دیوبند سے فارغ ہیں اور نائب السلطنت بھی قلبی طور پر شیخ الہندؒ کے عقیدت مندوں سے ان دونوں نے مجاہدین کے سربراہ کا ہر مشورہ بڑی گرمجوشی سے قبول کیا اور فیصلہ کیا کہ تمام کاموں کو پس پشت ڈال کر جتنی جلدی ممکن ہو حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو صوبہ سرحد لائیں اور ان کی طرف سے حکومت افغانستان اخلاقی اور مادی مدد کے علاوہ سامانِ حرب سے دلی طور پر حوصلہ افزائی کرے گی اور ان کی طرف سے یہ بھی عرضداشت کی جائے کہ اس تدبیر کے علاوہ کسی دیگر بات کا تصور بھی مناسب نہیں اور یہ کہ حکومت ترکیہ پر سے جنگ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس سے بہتر اور موثر نتیجہ خیز اور ان کا حق ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر مولانا موصوف حجاز کی طرف تشریف لے گئے تو سوائے گوشہ نشینی اور دعاگوئی کے ترکوں کی کوئی صحیح خدمت نہیں کر سکیں گے اور اگر وہ سرحد آزاد میں اپنا مستقر بنالیں تو کوہ سیاہ سے وزیرستان تک تمام قبائل کی معاونت سے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر جنگ و جدال کی آگ اس طرح بھڑکا دیں گے کہ اس کو فرو کرنے کے لیے حکومت برطانیہ کم از کم چھ ڈویژن فوج ترکی کے محاذ سے ہندوستان کی سرحدات پر لانے کے لیے مجبور ہو جائے گی، نیز مولانا سے کہا جائے کہ اگر یہ تدبیر ان کے لیے قابل قبول نہیں تو پھر بھی ان کے لیے مناسب نہیں کہ حجاز جانے کا قصد کریں بلکہ ان کو چاہیے کہ ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کو آمادہ کریں کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر حکومت برطانیہ کے خلاف شورش بپا کریں لیکن مولانا موصوف نے عبیداللہ سندھی کی وجہ سے کسی شخص کی بات اس افغانی دعوت کے متعلق نہ سنی۔

دُوسرا وفد پھر یہی پیغام مزید تاکید سے بواسطہ حافظ شریف نیپالی مولانا ممدوح کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان کے والد حافظ عبدالکریم مصنف دیوان گلشن ہدایت دونوں جمعیت عالیہ مجاہدین مقیم باغستان کے ممتاز ترین آدمی تھے لیکن اس دفعہ پھر ان کی دعوت کو شرف قبولیت نہ بخشا گیا بعض اراکین مجلس شوریٰ نے اس تجویز کی تائید نہ کی اور مشورہ دیا کہ مولانا حجاز کی طرف ہجرت کر جائیں ۔

تیسرا وفد آخری دفعہ یہی پیغام (مجھ) فضل الٰہی وزیر آبادی جو کہ اس مقدس تحریک کے اہم اراکین سے تھا اور جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کی خدمت پر مامور تھا کے ذریعے سے بخدمت حضرت شیخ الہند بھیجا گیا لیکن وہ آخر وقت تک اس دعوت سے پہلو تہی کرتے رہے اور حجاز چلے گئے اس دعوت سے انکار کا وہی نتیجہ برآمد ہوا جس کی ان حالات کے واقف کاروں نے توقع ظاہر کی تھی حضرت ممدوح انگریزوں کے سپرد کر دیے گئے ۔

مولانا شیخ الہندؒ کا خواب حضرت مولانا نے جدہ میں ایک سچا خواب دیکھا جو ان نتائج کی معنوی تصویر تھی جو اس دعوت افغانی سے مستقبل قریب میں اسلام اور مسلمانان ہندوستان کے لیے انکار کی وجہ سے اللہ عالم الغیب نے مقدر کیا تھا لیکن انہوں نے اس خواب کے دوسرے معنی لیے کہ سلطنت ترکیہ کو شکست ہوگی اگرچہ مولانا نے خود اس خواب کی کوئی تعبیر نہیں کی لیکن مولانا مدنی جنہوں نے یہ خواب مذکور " اسیر مالٹا صٹ پر لکھا یہی معنی اخذ کیے ہیں۔

میرے خیال میں مولانا ممدوح دعوتِ افغانی کے نتائج سے کماحقہ آگاہ نہ تھے اگر وہ ہم جیسے لوگوں سے اسی خواب کے پس منظر پر بحث کرتے تو یہی معنی لیتے جو ہم نے لیے ہیں اس خواب کا خلاصہ مولانا مدنی

کے نزدیک مندرجہ ذیل ہے :

"حضرت شیخ الہند ؒ اور ان کے تمام رفیق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں جنازہ مقدس کو ایک جگہ رکھا گیا اور مولوی محمود الحسن صاحب نعش کے کفن و دفن میں مشغول ہو گئے۔

اس کے صحیح الفاظ جاننے کے لیے سفرنامہ مالٹا مرتبہ مولانا حسین احمد مدنی ؒ کا مطالعہ کریں، اس کتاب میں یہ خواب بلا تعبیر درج ہے لیکن جو لوگ جملہ حالات مذکورہ سے واقف ہیں بخوبی حق الیقین سے یہ سمجھتے ہیں کہ خواب دعوتِ افغانی کے انکار کی مثالی صورت ہے جو مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے تھے اس خواب کی تعبیر اس بندہ عاجز کے نزدیک یہ ہے :

"سرپرستان مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان اسلام کی امانت کے حاملین ہیں اقتدار نہ ہونے کی وجہ سے وہ جسدِ بے روح تھے پھر بھی یہ برائے نام اسلام جو ان کی وجہ سے اس مسلک میں جاری و ساری تھا اس مولانا محمود الحسن ؒ کی فروگذاشت کی وجہ سے (کہ انہوں نے افغانستان جانے سے انکار کر دیا) خود مولانا کے ہاتھوں دفن ہو کر بے نشان ہو گیا۔

جو بات مولانا نے خواب میں مشاہدہ کی تھی بتدریج ظاہر ہوتی گئی۔

مولانا محمود الحسن ؒ کی دوسری بڑی غلطی

مالٹا سے واپسی پر سب سے بڑی غلطی جو مولانا سے سرزد ہوئی یہ تھی کہ کسی معاہدہ شرعی کے بغیر انہوں نے مشرکین ہند کے ساتھ اشتراک عمل شروع کر دیا اور طریق کار اس طرح طے ہوا کہ سیاست کی زمام اقتدار خود بخود ہندو کے ہاتھ میں چلی گئی آل انڈیا نیشنل کانگرس کو جہاد آزادی وطن کے نام پر مشہور کیا اور اس کی امارت کے فرائض خود ادا کرنے کی

بجائے اس کی امارت اس دشمن خدا و رسول کے حوالے کر دی جو تین سو ملین ہندو مشرکین کا پیشوا تھا اور جسے گاندھی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس فروگذاشت کا مہلک ترین نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان قوم سلطان ٹیپو کے زمانے سے اب تک تمام باشندگان براعظم ہند کی تمام تحریکات انقلابی و سیاسی کی امام تھی امامت کے مقام سے گر کر ماموم بن گئی اور وہ قوم جو ہمیشہ مسلمانوں کے پیچھے پیچھے چلا کرتی تھی اس غلطی کی وجہ سے مسلمان قوم کی امام بن گئی اس اقدام کی وجہ سے فرزندانِ اسلام پر جو مصائب آئے اور جو آئندہ آئیں گے ہر شخص اس کو جانتا ہے اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں یہ سیاسی غلطی ہوئی ہے اللہ حضرت کو معاف فرمائے اور مولانا کی وجہ سے اکثر وابستگانِ دیوبند اور شاگردان ممدوح سے ان مشرکین کی حمایت میں جو کچھ سرزد ہوگا اسے دنیا دیکھے گی اور یہ سب مولانا کی غلطی سے ہوا اور ہوگا۔

مولانا کا فرض تھا

کہ اگر افغانستان سے کسی بھی قسم کی دعوت نہ پہنچتی اور مولانا از خود علاقہ آزاد سرحد میں تشریف لاتے تو تمام باغستان کے لوگ بلا چون و چرا آپ کی امارت کو تسلیم کرتے اور ان کی سرپرستی میں جہاد کرنے پر کسی کو کوئی عذر نہ ہوتا جنگ کے دوران ایک دفعہ تو ایسا نفیس موقعہ میسر آیا تھا کہ اگر اس وقت قبائل سرحد کو آپ جیسے بزرگ اور ہر دلعزیز ہستی کی سرپرستی میسر آجاتی تو نہ صرف ہندوستان برطانیہ کی گرفت سے آزاد ہو جاتا بلکہ جنگ کا نقشہ بالکل بدل جاتا حکومت برطانیہ، فرانس اور روس کا زمین سے نشان تک مٹ جاتا اور خلافت ترکیہ کو بھی کوئی گزند نہ پہنچتا اور وہ تمام ان مقبوضات سابقہ کو جو براعظم ایشیا افریقہ یورپ کے اس کے ہاتھ سے چلے گئے تھے پھر حاصل کر لیتی اس سے ہندوستان کے مسلمان بھی اپنی سابقہ شان و شوکت حاصل کرنے میں ترکوں سے پیچھے نہ رہتے اور افغانستان خود اپنے مقاصد میں کامیاب ہو

جاتا۔

ایک عبرت ناک واقعہ

اس بات کی تصدیق کے لیے ایک عبرت ناک واقعہ کا تذکرہ میں ضروری سمجھتا ہوں جو کہ حسب ذیل ہے آغاز ۱۹۱۴ء میں جرمنی، آسٹریا اور ٹرکی کی طرف سے ایک وفد کابل کو روانہ کیا گیا کہ وہ خلیفۃ المسلمین کے اثر درسوخ میں شاہ افغانستان کو برطانیہ سے جنگ پر آمادہ کرے اس وفد کی گرفتاری کے لیے شمال کی طرف سے روسی اور جنوب کی طرف سے برطانوی فوجیں جن کی تعداد ساڑھے تین لاکھ تھی اور وہ ہر قسم کے سامان سے مسلح تھیں مشہور جرنیل ٹونشینڈ کی سرکردگی میں روانہ ہوئیں انگریزی فوجیں قطالعمارہ کے مقام پر بتاریخ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۵ء ترکوں کے گھیرے میں آگئیں یہ محاصرہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۶ء تک جاری رہا، جرنیل مذکور نے فوجی امداد کے لیے انگلستان اور ہندوستان میں بہت پیغامات بھیجے لیکن کسی طرف سے اس کی امداد نہ مل سکی آخر اس نے بمعہ تمام ساز دسامان اپنے آپ کو اور تمام فوجوں کو ترکوں کے حوالہ کر دیا۔

ان دنوں ہندوستان میں چھ ہزار سے زائد لشکر موجود نہ تھا جمعیتہ عالیہ مجاہدین کی کوشش سے کسی امداد کے بغیر دربار کابل نے یوسف زئی اور وزیرستان کے محاذ پر انگریزوں کے خلاف جزدی جنگ شروع کر دی اس تحریک کا ایک بہترین نتیجہ برآمد ہوا جنوبی وزیرستان تمام برطانوی آلودگیوں سے پاک ہوگیا اور ان کا ایک فوجی بچہ بھی زندہ بچ کر نہ گیا اور یوسف زئی کے محاذ پر جو انگریزوں کی درگت بنی اس کو زبان بیان کرنے اور قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ اگر اس تحریک کی باگ ڈور حضرت شیخ الہندؒ جیسے ہردلعزیز لیڈر کے ہاتھ میں ہوتی تو اس کو کوئی وہابیت کے نام سے بدنام نہ کر سکتا کیونکہ یہ علاقے دیوبند کے شاگردوں اور ارادت مندوں سے پڑ ہیں یہ تحریک اگر زندہ ہوتی تو انگریزوں سے ہندوستان بزور شمشیر خالی کرا لیتی "۔

(غلطیہائے عدیم المثال جہاں مصنفہ مولانا فضل الٰہی بزبان فارسی ص۱۱۱تا ۱۱۸)

سردار محمد شفیع صاحب سالار اعلیٰ مجلس احرار اسلام ہند کا مجاہدین سے گہرا تعلق تھا

قاضی کوٹ کیس کے تیسرے بڑے ملزم وہی تھے؛ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں تحریر فرماتے ہیں کہ حکومت برطانیہ نے بلغاریہ، رومانیہ، مانٹیگرو البانیہ وغیرہ کو جو ترکوں کے مقبوضات میں شامل تھیں بغاوت پر اکسایا اور ان کی اسلحہ اور روپے سے مدد کی لہذا خلافت عثمانیہ کو بلقان سٹیٹس آزاد کرنی پڑیں نیز اس نے خود بھی ترکی سے ساحلی تحفظات اور قلعوں پر قبضہ کر لیا جس سے مسلمانوں میں اشتعال قدرتی امر تھا ان حالات میں خود بخود ہندوستان میں تحریک مجاہدین زور پکڑ گئی اور جہاں جہاں پہلے اس کی شاخیں نہیں تھیں وہاں بھی قریہ قریہ میں مجاہدین کی جماعتیں قائم ہو گئیں اور کثرت سے روپیہ اور مجاہدین صوبہ سرحد آزاد قبائل میں پہنچنے لگے۔

ہندوستانی سیاست دانوں کا مشورہ: ادھر مولانا فضل الٰہی نے مولانا ابوالکلام آزاد مولانا محمد علی ڈاکٹر اقبال حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری سے مشورہ کیا سب کا یہی مشورہ تھا کہ آزاد قبائل کا حملہ ہندوستان پر کرایا جائے ادھر مولانا عبدالکریم امیر المجاہدین نے تمام قبائل میں جوش پیدا کر دیا اب حالات ایسے تھے کہ برطانیہ کو اپنا ملک بچانا مشکل نظر آرہا تھا جاپان نے روس کو شکست دے دی اور جرمنی نے بڑی تیزی سے پیش قدمی کر کے برطانیہ کو اپنا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا"

امیر حبیب اللہ کی خدمت میں وفد

"ان حالات میں مجاہدین کا ایک وفد امیر حبیب اللہ شاہ افغانستان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا کہ وہ اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے .... امیر المجاہدین سے مولانا عبدالکریم قنوجی کو جو پہلے اور

سلجھے ہوئے اور تجربہ کار مجاہدین میں سے تھے شاہ افغانستان کے بھائی نصر اللہ خاں اور قاضی القضات حاجی عبد الرزاق کے پاس شاہ کو بتانے کے لیے بھیجا کہ انگریز کی ساری فوج کے علاوہ انڈر ٹریننگ فوج بھی محاذ پر بھیج دی گئی ہے ایسا موقعہ صدیوں کے بعد آیا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کی انگریزی حکومت کو بآسانی شکست دی جا سکتی ہے امیر نے ان کی باتیں غور سے سنیں مگر جنگ پر آمادہ نہ ہوا۔"

خلیفۃ المسلمین کے خلاف اعلان اور فتویٰ جہاد

ابھی وفد کابل میں ہی تھا کہ انگریزی حکومت نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اس پر خلیفۃ المسلمین نے تمام عالم اسلام کو جہاد کی دعوت دی وفد دوبارہ امیر حبیب اللہ کو ملا مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔

قاضی القضاۃ کا مشورہ کہ مولانا محمود الحسن کو یہاں لایا جائے

مفتی و قاضی القضات جناب حاجی عبد الرزاق صاحب نے مشورہ دیا کہ حضرت مولانا محمود الحسن کو یہاں لایا جائے اگر وہ تشریف لے آئیں تو افغانستان کے گوشہ گوشہ سے آزاد قبائل مولانا کے جھنڈے تلے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو جائیں گے اور امیر حبیب اللہ بھی اس میں شریک ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔"

امیر المجاہدین مولانا عبدالکریم صاحب نے پے بہ پے تین وفد مولانا کی خدمت میں بھیجے

امیر المجاہدین نے ایک وفد ہندوستان روانہ کیا جو پہلے مولانا فضل الٰہی صاحب کو ملا ان کو امیر حبیب اللہ کی پوزیشن اور قاضی القضاۃ صاحب کے مشورہ سے مطلع کیا چنانچہ مولانا نے اس وفد کو دیوبند پہنچایا اس وفد نے مولانا کو بتایا کہ تمام آزاد قبائل میں آگ لگی ہوئی ہے وہ پرجوش اور

مشتعل ہیں کہ برطانیہ نے کیوں خلیفۃ المسلمین کے خلاف اقدام لشکرکشی کیا ہے وہ آپ کے منتظر ہیں مولانا نے عبیداللہ سندھی سے مشورہ کیا تو مولوی عبیداللہ نے مشورہ دیا کہ اعلان جہاد تو مکہ معظمہ میں ہی عالم اسلام کو متاثر کر سکتا ہے چنانچہ یہ وفد ناکام لوٹا۔

دُوسرا وفد جناب حافظ محمد شریف صاحب نیپالی کی سرکردگی میں دیوبند بھیجا گیا جو پہلے مولانا فضل الٰہی صاحب سے ملا اسی وفد نے قبائل کے جوش و خروش سے مولانا کو مطلع کیا اور بتایا کہ مکہ معظمہ کے حالات دُرست نہیں ۔ وہاں ترکوں کے خلاف انگریزوں کی نگرانی میں محاذ بن چکا ہے شریف مکہ کا معاہدہ انگریزوں سے ہو چکا ہے اس لیے وہاں کچھ نہ ہو سکے گا مولانا نے فرمایا میں عبیداللہ سندھی کو افغانستان بھیج رہا ہوں وفد نے عرض کیا کہ ترکستان اور افغانستان میں عبیداللہ کو کون مانتا ہے وفد کے بارے میں عاجزی اور انکساری سے عرضداشت پیش کی اس کے باوجود مولانا نے انکار کر دیا یہ وفد رو دھو کر مولانا فضل الٰہی صاحب کے پاس آیا۔

تیسرا وفد حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب کی سرکردگی میں دیوبند پہنچا مولانا فضل الٰہی نے کہا کہ آپ کے افغانستان میں بے شمار شاگرد ہیں آزاد قبائل بھی آپ کے منتظر ہیں مکہ معظمہ کے حالات بھی دُرست نہیں اس پر مولانا عبیداللہ سندھی بولے کہ حج پر آئے ہوئے جملہ اسلامی ممالک کے علماء اور معززین جمع ہوں گے وہاں ہی مولانا کا اعلان جہاد عالم اسلام کو متاثر کر سکتا ہے ۔

مولانا فضل الٰہی نے رو رو کر منت سماجت کی مگر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نہ مانے

اس پر مولانا فضل الٰہی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ حضور

حجاز جانے کی غلطی نہ کریں لاکھوں جنگجو قبائل آپ کے منتظر ہیں اگر آپ تشریف نہ لے گئے تو وہ سب مایوس ہو جائیں گے اور انگریز یہاں سے فوجی بھرتی کر کے عراق، شام، فلسطین اور خلافت عثمانیہ کو پامال کر دے گا مولانا فضل الٰہی شیخ الہندؒ کی خدمت میں رو رو کر عرض کی لیکن حضرت شیخ الہندؒ نہ مانے چونکہ وہ اپنے رفقاء خصوصاً مولوی عبید اللہ سندھیؒ کے زیر اثر تھے اس لیے وہ افغانستان جانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور اپنی بجائے عبید اللہ سندھی کو بھیج دیا۔

سردار محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا فضل الٰہی صاحبؒ جب کبھی دیوبند جا کر رو رو کر عرض کرنے کا حال سناتے تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے وہ فرماتے کہ یہ شیخ الہندؒ کی ناقابلِ فراموش غلطی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں اور اس کی سزا عالم اسلام کو نہ جانے کب تک ملتی رہے گی (تحریک مجاہدین کا آخری دَور از چوہدری محمد شفیع سالار آل انڈیا مجلس احرار اسلام منڈی عثمان والا ص۱۴۳ تا ص۱۵۰ ملخصاً از مسودہ)

مولانا آزادؒ فرماتے ہیں "حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے میری ملاقات بھی دراصل اسی طلب اور سعی کا نتیجہ تھی انہوں نے پہلی ہی صحبت میں کامل اتفاق ظاہر فرمایا تھا اور یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا کہ وہ اسی منصب کو قبول کریں گے (امیر بن جائیں گے) اور ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا مگر افسوس کہ بعض نزود رائے اشخاص سے مشورہ سے مولانا نے اچانک سفر حجاز کا ارادہ کر لیا۔ میری کوئی منت سماجت بھی انہیں سفر سے باز نہ رکھ سکی اس کے بعد میں نظر بند ہو گیا۔"

(خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء منعقدہ لاہور مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۱ء ص۱۳۶)

"میں نہیں جانتا کہ کن الفاظ میں حضرات علمائے بہار کو مبارک باد دوں کہ انہوں نے سبقت بالخیرات کا مقام اعلیٰ حاصل کیا اور جمعیۃ العلماء بہار کے جلسہ میں تین سو کے مجمع علماء نے بالاتفاق اپنا امیر شریعت منتخب کرلیا (خطبہ مذکور ص۱۳۷)

بقایا دیکھیے کتاب آخر میں استدراک

علمائے دیوبند کے سرکار برطانیہ کے حق میں فتوے

صرف یہی نہیں کہ آپ کے سربراہ اور اکابرین جہاد سے جان بچاتے رہے بلکہ حکومت برطانیہ کے حق میں فتوے دیتے رہے۔ ہمارے متعلق تو آپ نے محض الزام تراشی کی ہے کہ اہلحدیث نے انگریزی اقتدار کی کوکھ سے جنم لیا اور سلطنت برطانیہ کے دارالاسلام میں شباب کو پہنچے اور ان کے سایہ شفقت میں زندگی بسر کی مگر سوائے ایک مولوی محمد حسین بٹالویؒ کے کسی دوسرے شخص کا نام آپ کو نہیں ملا اور ان کا پورا رسالہ پڑھ جائیے جہاد کی حرمت کا لفظ آپ کو نہیں ملے گا۔

سرکار کے خلاف جہاد حرام (فتاویٰ نصرت الابرار)

آئیے آپ کو آپ کے بزرگوں کے پاس لے چلوں میرے سامنے فتاویٰ نصرت الابرار ہے جو آپ کے علماء لدھیانہ نے لکھا ہے اور اس پر علمائے لدھیانہ جالندھر۔ ہوشیار پور۔ کپورتھلہ۔ امرتسر۔ دتر چھٹر، گجرات۔ جموں، فیروز پور، قصور، ملتان، پاکپتن۔ ڈنکرڈ۔ انبالہ سہارنپور دیوبند، گنگوہ۔ منظفر نگر۔ دہلی۔ رامپور۔ بریلی۔ مرادآباد۔ مدینہ منورہ

بغداد شریف کے علماء کی مہریں لگی ہوئی ہیں یہ فتوے آپ کے مقتدر محبوب اور پیارے قائدین علمائے لدھیانہ مولانا عبدالقادر لدھیانوی کے بیٹوں نے چھپوایا ہے اور پورے ہندوستان کے حنفی علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔

اس فتویٰ میں پہلا سوال یہ ہے کہ سلطنت انگلشیہ جس میں ہم کو اپنے امور دینیہ پر عمل کرنے سے روک نہیں بہتر ہے یا حکومت روس جو سخت متعصب اور دشمن قدیمی سلطان روم کی ہے۔

جواب

سلطنت انگلشیہ بہتر ہے کیونکہ سرکار دولتمدار مثل روس متعصب نہیں اگر بالفرض والتقدیر یہ سرکار کی عملداری مملکت روس وغیرہ سے بہتر نہ سمجھی جائے تب بھی رعایائے اہل اسلام کو شرعاً حرام کہ سرکار کے خلاف روس یا سلطان روم وغیرہ سے درپردہ رابطہ واتحاد وغیرہ پیدا کرے بلکہ جو مسلمان سرکاری عملداری میں چند روز کے واسطے وارد ہو اس کو مخالفت سرکار شرعاً حرام ہے" (فتوے نصرت الابرار ص 9)

پس جب تاجر کو جو عارضی طور پر واسطے چند روز کے رعایا میں داخل ہو مخالفت درست نہیں تو رعایا اصلی کو عَلَم مخالفت کا بلند کرنا شرعاً کیا درست ہو سکتا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی عادت

میرے خیال میں علمائے دیوبند میں سے تاریخی حالات و واقعات کا جاننے والا کوئی دوسرا مولانا مدنیؒ کا ہم پلہ نہیں، حالات کے چشم دید گواہ ہیں لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اتنا بڑا متبحر عالم جگہ جگہ ایسی بات بناتا ہے جس سے اس کے رتبے کا استخفاف ہوتا ہے۔ بات گھڑتے وقت ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پہلے وہ کیا کہہ آئے ہیں۔

شیخ الہندؒ کی واقفیت مولانا عبیداللہؒ کی معرفت

نقشِ حیات صفحہ ۵۵۶ پر فرماتے ہیں :-

"ڈاکٹر انصاری مرحومؒ۔ مولانا محمد علیؒ۔ مولانا شوکت علیؒ مرحوم۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہ حضرات کے لیے بھی مولانا عبیداللہ صاحب ذریعہ بنے۔"

مولانا عبیداللہؒ کی واقفیت شیخ الہندؒ کی معرفت

پھر اسی کتاب نقشِ حیات کے صفحہ ۵۰۹ پر فرماتے ہیں :

"شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی تشریف لے آئے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلامؒ اور مولانا محمد علیؒ سے ملایا۔"

سوال دوم

کیا ہندو کے ساتھ معاملات دنیوی میں شریک ہونا درست ہے۔

جواب

معاملات دنیوی میں شریک ہونا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بموجب آیات قرآنی و احادیث درست ہے (صفحہ ۱۱)

سوال سوم

کانگریس میں شرکت درست ہے یا نہیں ؟

جواب

جائز ہے (ملخصاً)

سوال چہارم

"کیا سرسید احمد نیچری کی جماعت میں شامل ہونا اور مدرسہ (علی گڑھ یونیورسٹی) کو چندہ دینا جائز ہے ؟

جواب

سرسید نیچری مرتد ہے اس سے کسی قسم کا تعلق جائز نہیں۔

ان جوابات کے بعد اس کی تائید میں یک صد اسی (۱۸۰) علماء کے دستخط موجود ہیں جن میں رشید احمد گنگوہی رح، مولانا محمود الحسن رح دیوبندی، مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے دستخط موجود ہیں۔"

فیصلہ فرمائیے کہ انگریز بہادر کی کوکھ سے کون برآمد ہوا، اس کے سایہ عاطفت میں کس نے پرورش پائی اس کی سرپرستی میں کون شباب کو پہنچا اور کس نے انگریز کی وفاداری کے فتوے دیے اور سرکار دولتمدار کے خلاف جہاد کو مطلق حرام قرار دیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی رح نے فرمایا: ہر لڑائی کو جہاد نہیں کہتے، جہاد کرنا چاہیے جہاں جہاں قرآن نے حکم دیا ہے اور اگر شرائط جہاد مفقود ہوں تو جہاد نہیں ہوتا انہوں نے حرام کسی جگہ بھی نہیں کہا۔

ڈھٹائی کی انتہا

علمائے لدھیانہ نے جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں مگر حضرت ایوب قادری صاحب دیوبندی مُصنّف ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی فرماتے ہیں: "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے مردانہ وار حصّہ لیا ان کے بڑے بھائی اور چاروں فرزندان مولوی سیف الرحمٰن۔ مولوی محمد۔ مولوی عبداللہ مولوی عبدالعزیز شریک رہے مولوی عبدالقادر کی قیادت اور ان کے خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ تحریک کا خاص مرکز بن گیا۔

ازلی ابدی دفاداروں کو ۱۸۵۷ء کا ہیرو بنا دیا اور ثبوت یا حوالہ ندارد وہ انگریز کے خلاف جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں اور یہ انہیں مجاہدین میں شمار کر رہے ہیں تاریخ سازی کرتے اور جھوٹ بناتے ہوئے ذرا

شرم محسوس نہیں کی

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہندؒ کا فتویٰ

تحریک شیخ الہند مصنفہ مولانا محمد میاں جو انہوں نے سی آئی ڈی کی رپورٹوں اور سرکاری دستاویزات سے مرتب کی ہے کے صفحہ ۳۰۵ پر سی آئی ڈی کی رپورٹ نقل فرمائے ہیں:۔

"سب سے گرانقدر فیصلہ وہ فتوے ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم رشید احمد گنگوہیؒ نے جاری کیا تھا کیونکہ اس پر دوسرے علماء کے علاوہ مولانا محمود الحسنؒ کے بھی دستخط تھے کہ مسلمان مذہبی طور پر پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں۔ خواہ آخر الذکر سلطان ترکی سے ہی بر سر جنگ کیوں نہ ہوں۔"

جناب حضرت علامہ عبد الحق صاحب بشیر اگر ذرا تکلف فرماتے اور ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر کی کتاب کی آخری فصل میں فتوؤں پر نظر ڈالتے تو ان کو نظر آتا کہ جو بھی فتوے اس کو ملے ہیں وہ جناب کے ہم خیال لوگوں سے ملے ہیں اور کسی وہابی کے فتوے کا وہاں نام و نشان تک نہیں۔

جناب جمال بن عبد اللہ شیخ عمر الحنفی کا فتویٰ

جس حد تک اسلام کے مخصوص نظریات کا تعلق ہے ہندوستان دار الاسلام ہے۔ دستخط جمال بن عبد اللہ شیخ عمر الحنفی۔

ضمیمہ ۲

شمالی ہندوستان کے علماء کا فیصلہ

(یہ فتویٰ سید امیر حسین پرنسپل اسسٹنٹ آف کمشنر بھاگلپور نے دریافت

کیا)

کیا ہندوستان میں جہاد جائز ہے جس پر پہلے مسلمان حکمران تھے اور اب عیسائی حکومت کے زیر نگین تھے جس میں حکمران مسلمانوں کے مذہبی حقوق میں بالکل مداخلت نہیں کرتے جیسے نماز، روزہ، حج، زکواۃ، جمعہ جماعت وغیرہ کے لیے ان کو پوری طرح اجازت دیتے ہیں جیسے کہ مسلمان حکمران ان کو آزادی دیتے تھے اور یہاں جو قوانین حکومت سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتے وہاں ہر طرح سے شکست کی توقع ہے اور اسی لڑائی سے اسلام کا استخفاف ہوتا ہے۔

مہربانی کرکے فتویٰ بمعہ دلیل بحوالہ دیں۔ (المرقوم ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ

جواب

"جہاں عیسائی حکومت مسلمانوں کی ہر طرح حفاظت کرتی ہے اور جس ملک میں مسلمان کی ہر طرح حفاظت کی جاتی ہو وہاں جہاد نہیں ہوسکتا۔ کسی مذہبی لڑائی میں آزادی اور حفاظت کا مفقود ہونا بنیادی سبب ہے جو سبب یہاں موجود ہے اس کے علاوہ ایسی مذہبی لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کا امکان ضروری ہے جس سے مسلمانوں کی عزت بڑھے جہاں اس کا امکان نہ ہو وہاں جہاد ممنوع ہے" یہاں علماء نے منہاج الغفور کی عبارت نقل کی ہے اور اس کی تائید میں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت نقل کی ہے۔

(دستخط) مولوی عبدالحئی لکھنوی۔ مولوی علی محمد لکھنوی۔ مولوی فضل اللہ لکھنوی۔ محمد نعیم لکھنوی۔ مولوی رحمت اللہ لکھنوی۔ مولوی قطب الدین دہلوی۔ مولوی لطف اللہ رامپوری اور اس کے علاوہ دیگر علماء کے دستخط اور مہریں۔"

ذرا غور فرمائیں فتاویٰ عالمگیری کس کی کتاب ہے اور مولوی عبدالحئی

لکھنوی اور دیگر علماء کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

ضمیمہ ۳

کلکتہ محمڈن سوسائٹی کا فتوے

"ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے کے بعد شمالی ہند کے" علماء کے

برخلاف مولوی کرامت علی فرماتے ہیں: دوسری بات یہ ہے کہ کیا اس ملک میں جہاد جائز ہے یہ پہلے جواب کے ساتھ ہی حل ہوگیا کیونکہ جہاد دارالاسلام میں جائز نہیں اور اس کے لیے دلیل یا کسی حوالے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اگر کوئی حاکم وقت کے خلاف جو حکومت برطانیہ ہے لڑائی کرتا ہے تو اسے بغاوت ہی کہا جائے گا اور محمدی قانون میں بغاوت بالکل ناجائز ہے۔ اس لیے یہ لڑائی بلا جواز ہو گی اور اگر کوئی لڑائی شروع کرے تو مسلمان اپنی حکومت کی مدد کریں گے اور اپنی حکومت کے ساتھ مل کر باغیوں سے مقابلہ کریں گے یہ صاف صاف فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے"۔

یہ تین فتوے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کو ملے نیز شیعوں کے متعلق بھی اس نے بتایا کہ وہ ہمارے ساتھ تھے مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام لکھی لیکن اس کو کسی اہلحدیث بقول آپ کے وہابی کا کوئی فتوے نہ مل سکا جسے وہ اپنی کتاب کی زینت بنا سکتا ہمارا کوئی فتوے بھی اس سلسلہ میں بتایا نہیں جا سکتا۔

اور مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ نے تو کمال ہی کر دیا ہے اپنے فتوے میں انہوں نے انگریزوں کو کافر قرار دیا اور کہا اس میں غصہ کی کوئی بات نہیں مسلمان انگریزوں کے نزدیک کافر ہیں۔

پھر جہاد کے متعلق فتویٰ دیا کہ جہاد ضرور کرنا چاہیے جہاں ہمارے دین میں مداخلت ہو۔ جہاں زبردستی ہم سے کوئی لڑے تو اس وقت تک

جہاد کرو جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے۔ اگر مسلمانوں پر کہیں ظلم ہو رہا ہو تو ضرور جہاد کرنا چاہیے۔ پھر یہ بتایا کہ ہر لڑائی جہاد نہیں جب تک جہاد کی شرائط اس میں موجود نہ ہوں اور آخر میں فرمایا کہ ہنٹر کا خیال غلط ہے کہ مسلمان دہشت پسند ہیں اور وہ کافروں کو کفر کی سزا دینے کے لیے لڑتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں بلکہ مسلمان تو کافر ذمیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور لا اکراہ فی الدین زبردستی ان کو مسلمان نہیں بناتے اور پوری کتاب میں کسی جگہ مطلقاً جہاد کو حرام نہیں کہا گیا۔

اور اگر بچنے کے لیے اور وہابیوں کو بچانے کے لیے وہ آپ کی طرح جہاد کو حرام لکھ بھی دیتے تو ایسی جماعت کا فرد ہونے کے ناطے جس کو حکومت ختم کرنے کے لیے تل گئی ہو اور آپ جیسے علماء اس کے خلاف حکومت سے مل جائیں قتل کا فتوے دیں تو ان کو مجبور سمجھا جاتا اور سمجھا جاتا کہ جان بچانے کے لیے انہوں نے ایسا کیا مگر وہ تو ایسا نفیس فتوے ہے سب کچھ کہہ بھی دیا اور بچ کر بھی نکل گئے۔

علمائے دیوبند کا کارنامہ (شرمندہ نہیں ہوتے)

مولانا عبدالحق بشیر صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند کا یہ قابلِ فخر کارنامہ ہے "کہ ان فرنگی لیڈروں اور ان کے حاشیہ برداروں سے بچانے کے لیے انہوں نے باقاعدہ عملی جدوجہد کی چنانچہ اس فرقہ کی انہی خطرناک اور اسلام دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے تمام جید علماء ہند و حجاز کی طرف سے یہ فتویٰ مشترکہ طور پر جاری ہوا کہ مساجد کے اندر فساد برپا کرنے والے اور مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے خلاف سرگرمیاں جاری کرنے والے ان فسادی لوگوں کا داخلہ اہلسنت والجماعت کی مساجد میں بند کر دیا جائے

کیونکہ یہ لوگ فساد مچانے والے اور گستاخ۔ اہلسنت ان کو اپنی مساجد میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں۔ یہ انگریز کے ایجنٹ ہیں ان کا کام مساجد میں فساد کرنے کے سوا کچھ نہیں انہوں نے ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور مساجد کو جھگڑوں کا اکھاڑہ بنا دیا اور آئے دن مساجد میں نت نئے جھگڑے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ علمائے دیوبند اور علمائے حجاز کا یہ فتوے پہلے انتظام المساجد کے نام سے دوسری دفعہ جامع الشواہد کے نام سے شائع ہوا اس فتوے نے اس فرقہ کی حیثیت اور ساکھ ختم کر دی (ص ۱۳)

یہ فتوے دار المصنفین اعظم گڑھ میں محفوظ ہیں یہ درست ہے کہ یہ رسالہ مولوی عبد القادر صاحب نے لکھا جس کا نام انتظام المساجد یا خراج الوہابین عن المساجد یہ بھی درست کہ اس کے علاوہ جامع الشواہد لکھا گیا۔ یہ فتوے ۱۸۸۳ء میں لکھے گئے اس وقت ۱۳۰۳ھ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو گزرے ہوئے چھبیس سال گزر چکے تھے جزائر انڈیمان سے پٹنہ کے علماء رہا ہو کر واپس آئے تو ان کے لیے مساجد کے دروازے بند کرنے کے لیے یہ فتوے لکھے گئے۔

علمائے پٹنہ سے انگریز کا سلوک

ان کو عمر قید دی گئی اور ان کی جائیدادیں دفعہ ۷ ضابطہ ۱۸۱۰ء کے مطابق رپورٹ طلب کر کے ضبط کر لی گئیں۔

"مکینوں کو صرف اپنے تنوں پر کپڑے پہنے ہوئے خانہ بدر ہونا پڑا ان کو اپنے ساتھ ایک سوئی بھی لے جانے کی اجازت نہ تھی۔"

(ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۲۹۲)

" مولانا احمد اللہ صاحب انڈیمان میں فوت ہوئے ان کا جنازہ پڑھنے سے سگے بھائی کو روک دیا گیا۔ ان کو اپنے عزیز کے پہلو میں دفن کرنے

کی اجازت نہیں دی گئی۔

جب ان کی جائیداد ضبط کی گئی اور ان کے معصوم بچوں اور عورتوں کو مکان سے باہر نکالا گیا اُسے بزرگ خاندان عبد الحمید صاحب نے حسرت سے بیان کیا۔

احمد اللہ بود مجرم شاہ   طفلک بے گناہ را چہ گناہ

احمد اللہ شہنشاہ برطانیہ کا مجرم تھا اس کی سزا میں شامل ہونے والے بے گناہ بچوں کا کیا گناہ۔

چوں شب عید را سحر کردند   ہمہ را از مکان بدر کردند

جب عید کی صبح ہوئی تو ہم سب کو انہوں نے مکان سے باہر نکال دیا۔

مایہ عیش ساز ماتم شد   عید ما غرہ محرم شد

عید کا نغمہ مرثیہ بن گیا اور ہماری عید محرم میں تبدیل ہوگئی"۔
(ہندوستان میں وہابی تحریک) ص ۲۹۳

وہ مکان جس میں مجاہدین ٹھہرا کرتے تھے اسے منہدم کر دیا، اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے قبرستان کو بھی اُگر کر برابر کر دیا۔ تذکرہ صادقہ میں مولانا عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں اپنے مُردوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ میرے اسلاف کی قبریں کیوں کھود ڈالی گئیں" (ص ۲۹۶) ہندوستان میں وہابی تحریک

مصنف ردِ کوثر فرماتے ہیں

صادق پور کا وسیع محلہ جس پر اس خاندان کے عالیشان مکانات تھے مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا گیا چونکہ پٹنہ کے لوگ اس خاندان کی ضبط شدہ جائداد خریدنے پر آمادہ نہ تھے فیصلہ ہوا کہ منہدم مکانوں کا احاطہ میونسپلٹی کو دے دیا جائے تاکہ اس

خاندان کا نشان باقی نہ رہے اس فیصلے پر اسی طرح عمل ہوا کہ مکانوں اور باغوں کے علاوہ خاندانی قبرستان کو بھی کھود ڈالا گیا اور اس وسیع زمین پہ بازار اور میونسپلٹی کی عمارت تعمیر ہوئی۔

جب وہ قید سے واپس آئے تو پٹنہ کے مجسٹریٹ نے ان کی واپسی کی مخالفت کی اور کہا کہ پٹنہ۔ داناپور اور پھلواری کے شہر وہابیوں سے بھرے پڑے ہیں وہاں ان کے روابط کو روکنا مشکل ہوگا۔

"چنانچہ ان پر پابندی لگا دی گئی کہ اجازت کے بغیر کہیں نہ جائیں اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ہاں حاضری دیں۔"

ہندوستان میں وہابی تحریک ص۲۹۹ ملخصًا

یہ خانماں برباد لوگ جب واپس آئے تو سنگ دل سے سنگدل لوگوں کے دل پسیج گئے ہر ایک کو ان پر ترس آتا تھا مگر مولانا محمد لدھیانوی فرماتے ہیں:

"خلاصہ مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ آنحضرتؐ پر افترا باندھنے والا مرتد ہے اور حکام اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس کو قتل کریں اور عذرداری اس کی بایں وجہ کہ مجھ کو اس کا علم نہ تھا شرعًا قابل پذیرائی نہیں بلکہ بعد توبہ کے بھی ان کو مارنا لازم ہے۔ اور علماء اور مفتیان پر لازم ہے کہ دقوع ہونے ایسے امر کے ان کے کفر اور ارتداد کا فتویٰ دینے میں تردد نہ کریں ورنہ زمرہ مرتدین میں داخل ہوں گے۔ اور عوام اہل اسلام پر لازم ہے کہ بمجرد دقوع ایسے مفسدہ کے مدعی اور گواہ بن کر حکام سے سزایابی اُس کی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔"

اس فتوے میں وہابیوں کو واجب القتل قرار دیا جارہا ہے وہابی مرتد ہیں اور جو اُن کو مرتد نہ کہے وہ خود مرتد ہے اور حکم دیا جارہا ہے کہ مدعی اور گواہ بن کر ان کو ضرور سزا دلواؤ۔

علاوہ ازیں صدا جامع الشواہد ص۳۳۳ اہلحدیث اور سیاست پہ مولانا

محمد لدھیانوی فرماتے ہیں: بعض غیر مقلد ان الزامات کی تردید کرتے ہیں اور اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ مقدمات میں چندہ اکٹھا کر کے غیر مقلدین کی مدد کرتے ہیں اس لیے من یتولہم منکم فانہ منہم اسی فریق میں داخل ہوئے لیکن اخراج ان کا بھی مساجد سے ضروری ہے۔ کیونکہ خلط ملط ہونے ان کے سے عقائد عوام کے بگڑ کر اہلسنت کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اور اخراج ان کا داخل ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے۔

الراقم محمد بن عبد القادر۔ حال وارد عظیم آباد (پٹنہ)

مولانا عبد الحق صاحب ہی بتا سکتے ہیں مولانا محمد لدھیانوی کو کیا تکلیف تھی کہ لدھیانہ سے چل کر پٹنے پہنچے اور وہابیوں کو مساجد سے نکالنے کا فتویٰ دیا۔ اکثر وہابیوں کو اقراری مجرم بنایا اور بعض کو انکار کے باوجود ان سے نتھی کر دیا اور مساجد سے نکالنے کا حکم دیا جامع الشواہد میں علمائے دیوبند کے فتوے تھے اس کے صـ۹ پر مشاہیر علمائے لدھیانہ و دیوبند کے تحت لکھا ہے "عقائد اس جماعت کے جب خلاف جمہور ہیں باغی ہونا ظاہر اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زائد ازواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق اور کفر ہے۔ تو اب نماز اور نکاح اور ذبح بس ان کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض کے ساتھ احتیاط چاہیے۔

محمد یعقوب نانوتوی (شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ محمد محمود دیوبندی محمود الحسن عفی عنہ (شیخ الہند) ۔ ابو الخیرات سید احمد" صـ۱۱ ماخوذ از تاریخ اہلحدیث صـ۳۲۵ ۔ یہ سب آپ کے اکابرین ہیں آپ ان کی اخلاقی سطح کا اندازہ فرمالیں۔

اس کے بعد رامپوری علماء کے فتوے مذکور ہیں (صـ۲) مولوی ارشاد حسین رامپوری کے شاگرد کا فتویٰ "ان حضرات منبحث مآب حاسدین مفسدین و معاندین مجتہدین و مقلدین اور ان کے مریدین و معتقدین کے حق میں جن کو

حضرت حق جل جلالہ و عم نوالہ نے آزادی کا طوق گلے میں ڈال کر ہندوستان کا شیخ نجد بنا کر چھوڑا ہے جس قدر شمشیر دست و زبان کے ذریعہ سے مقابلہ برمحل کیا جائے تھوڑا ہے فی الحقیقت یہ سب کے ضال اور مضل ہیں اور سلسلہ مذاہب اربعہ فقہ سے خارج ہیں محمدی بن کر دین محمد صلعم میں رخنہ اندازی اور ان کے عقائد پر عکائد منجر بکفر و شرک و الحاد۔"

(کتبہ العبد الاثم ابوالجمیل معین الدین محمد عبدالجلیل)

اس فتوے میں قتل کا حکم دیا گیا اور مساجد سے نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جامع الشواہد کے متعلق مولانا آزادؒ کا فرمان

مولانا آزاد اپنی کتاب آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی صـــ۱۰۶ پر فرماتے ہیں:

"اسی زمانے میں ایک فتویٰ جامع الشواہد تیار ہوا تھا جس میں چند عقائد تو واقعی اس جماعت کے تھے بڑا حصہ منصوبات کا بقایا الزامی طور پر ان کے عقائد کا استخراج کیا گیا تھا۔ مثلاً خنزیر کی چربی کی حلت۔ بول طفل کی طہارت۔ مادہ انسان کا پاک اور قابل اکل ہونا۔ خالہ سے مناکحت کا جواز اور جواز کذب باری تعالیٰ وغیرہ بعض دیگر مختلف فیہ مسائل میں مذہب محدثین کی توثیق وغیرہ کو بہت رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔"

یہ فتوے انگریز کے ایجنٹوں نے لکھے تھے اور کتنی جسارت ہے کہ آج ان قربانی دینے والوں کو جن کو پھانسی چڑھایا گیا تھا جن کو کالے پانی بھیجا گیا جن کی جائدادیں ضبط کی گئیں ان کو مساجد سے نکالنے والے مجاہدین بیٹھے۔

مولانا مدنیؒ کے شکر پارے بھی ملاحظہ فرمائیں

مولانا اپنی کتاب شہاب ثاقب صـــ۶۰ پر فرماتے ہیں:

"ان جہلا وہابیہ کے نزدیک معاذ اللہ زنا اور سرقہ کرنے والا اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا اور وہ اعلیٰ درجہ کے فساق و فجار سے وہ نفرت نہیں کرتے جو تمباکو کے استعمال کرنے والوں سے کرتے ہیں۔"

اسی کتاب کے صہ ۵۱ و صہ ۶۵ و صہ ۶۶ پر وہابیہ خبیثہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

شیخ محمد تھانویؒ

آپ کا ہر چھوٹا بڑا اہلحدیث کے پیچھے لٹھ لیے پھرتا تھا شیخ محمد تھانوی صاحب نے سنن نسائی کا حاشیہ لکھا جو مجتبائی پریس میں چھپا موصوف نے حاشیہ نسائی جلد اوّل صہ ۲۶۰ پر لکھا:

"ہمارے ملک میں جن کو وہابی کہا جاتا ہے ان کو قتل کر دینا فرض ہے"

مولانا آپ نے اپنا مقدمہ تاریخ کی عدالت میں پیش کر دیا ہے ہمارے بھی بڑے جذبات ہیں اور دل چاہتا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں مگر بس نے لکھ لکھ کر پھاڑ دیا کہ اپنے جذبات ان شواہد میں داخل نہ ہوں میں الزام تراشی نہیں کرتا ہیں تو تاریخ کے خارا شگاف قلم سے آپ کے ثبت کردہ نقوش کو جو کبھی مٹ نہیں سکتے جناب کے پیش نظر کر رہا ہوں نہ تو آپ نے وقت کو پہچانا ہے ورنہ آپ اپنی حقیقت سے واقف ہیں صرف بڑ ہانکنے سے آدمی سچا اور بڑا نہیں بن سکتا۔ آیئے مزید ملاحظہ فرمائیں:

آپ کے مشہور مورخ جناب ایوب قادری صاحب اپنی کتاب ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے صہ ۶۲، صہ ۶۳ پر لکھتے ہیں:

حکومت کی معاندانہ پالیسی

حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بڑی طرح کچلا مجاہدین اور مصلحین کو "وہابی" کے نام سے موسوم کر کے بدنام کیا گیا تمام ملک میں وہابیوں کی

سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں سے ان کے حالات اور سرگرمیوں کی کیفیت طلب کی ایک محکمہ سراغرسانی اسی خاص مقصد کے لیے وجود میں آیا انگریزوں نے باغی اور وہابی مترادف لفظ قرار دیے عام لوگوں میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا اور ایک عام معاشرتی انقطاع پیدا ہو گیا۔

(وہابی انگریز کا باغی تھا آپ کے فرمان کے مطابق انگریز کا ایجنٹ نہ تھا نہ فرنگی لیٹرا نہ اس کا حاشیہ بردار)

بعض علماء کا کردار

بہت سے علماء نے مذہبی خدمت سمجھ کر وہابیوں کی مخالفت کی حکومت نے ایسے علماء کی سرگرمیوں کو بنظرِ استحسان دیکھا اور ان علماء کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان خدمات کا معاوضہ دیا (ٹکے وصول کیے) وہابیوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکا گیا۔ مقدمات قائم کر کے ان کے قبضے سے مسجدیں نکالی گئیں ایک عرصہ تک حکومت کی عام پالیسی اس سلسلہ میں یہ رہی کہ ایسے مقدمات میں بالعموم وہابیوں کی مخالف پارٹی کے حق میں فیصلہ ہوا (حکومت برطانیہ اور آپ اکٹھے تھے دونوں وہابیوں کو مسجدوں سے نکالنے کے پیچھے پڑے تھے)

مولوی وصی احمد پیلی بھیتی (ف ۱۳۳۳) نے ایک فتوے جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد مرتب کیا گمنام سے گمنام مولوی نے اس پر دستخط کیے (یہ علمائے دیوبند کا قابل فخر کارنامہ ہے) اس فتوے کی خوب تشہیر ہوئی۔ مولوی محمد لدھیانوی (ف ۱۹۰۱ء) بن مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک رسالہ "انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد" لکھا (یہ وہی دیوبندی مولوی ہیں جنھوں نے فتوے نصرت الابرار (انگریزوں کی مدد کرنے کے لیے) انگریزوں کے حق میں لکھا اس میں ۱۸۰ علماء کے دستخط

ہیں جس میں جہاد کو حرام قرار دیا اور اس میں مولانا محمود الحسن۔ رشید احمد گنگوہی مولانا احمد رضا خاں کے دستخط موجود ہیں) اس طرح لاہور کے مولوی نبی بخش حلوائی نے اخراج المنافقین عن المساجد المسلمین لکھا ان فتوؤں اور رسائل کی رُو سے ۔۔۔۔۔ "وہابیوں" کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا، ان کو زدوکوب کیا گیا، ان کی تذلیل کی گئی اور تشہیر کی گئی (حکومتِ وقت کو خوش کیا گیا اور اس کی تائید سے یہ غنڈہ گردی کی گئی) اگر ایک طرف ولسن ہنٹر "ہمارے ہندوستانی مسلمان" لکھ ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف (ان دیوبندی علماء) اور مولوی فضل رسول بدایونی اور ان کے ہمنوا علماء نے غریب وہابیوں کے خلاف تصنیفات کا انبار لگا دیا۔

مولوی فضل رسول بدایونی کی تصانیف میں سیف الجبار۔ تصحیح المسائل۔ البوارق المحمدیہ لرجم شیاطین نجدیہ احقاق حق وابطال الباطل اور مجموعۂ مسائل و فوائد وغیرہ ہمارے نظر سے گزرے مولوی فضل رسول بدایونی کی تصانیف کے سلسلہ میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔

شاید یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدر آباد سے سترہ روپے یومیہ وظیفہ ملتا تھا جو بعد کو گیارہ روپے ہو گیا اور ۱۹۱۵ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے مولوی حیدر علی ٹونکی نے اسی سلسلہ میں ایک خاص بات لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل شہید دہلوی کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس سال بعد وہابیوں کے ردّ میں کتابیں لکھنی شروع کیں ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہِ راست انگریزوں سے تھا۔

مولوی فضل رسول کے ہم نوا علماء میں ان کے بھانجے اور داماد مولوی

فیض احمد بدایونی نے تعلیم الجاہل مولوی عماد الدین سنبھلی نے شمس الایمان مولوی محی الدین نے رسالہ صولتیہ نادریہ - مولوی سراج الحق نے رسالہ تحفۃ الحرمین شریفین رسالہ مسائل فقیہ - مولوی عبد الفتاح گلشن آبادی نے تحفہ محمدیہ فی رد وہابیہ لکھے :۔

یہ اقتباس غور سے پڑھیں وہابیوں کے خلاف تین پارٹیاں تھیں انگریز دیوبندی علماء سب کے سب اور بریلوی علماء وہابی باغی مترادف لفظ سمجھے جاتے تھے ان کو مساجد سے آپ نے انگریز کے اشارے پر نکالا۔

مولانا جامع الشواہد   باخراج اہل الفتن والمفاسد کا فتوے ذکر کر کے آپ نے دانش مندی کا ثبوت نہیں دیا ان دونوں فتوؤں کی گندگی پوری جماعت دیوبند کی روسیاہی کے لیے کافی ہے اس پر فخر کرنے کی بجائے ڈوب مرنے کے لیے آپ کو جگہ تلاش کرنی چاہیے۔

دوسروں کو ایجنٹ ثابت کرتے کرتے حقیقی ایجنٹ ہونا خود ہی تسلیم کر لیا اور اس کا ثبوت بھی خود مہیا کر دیا اگر آپ اس سنڈاس کو نہ چھیڑتے تو اس کی بدبو پھیل کر آپ کے ماضی کو عیاں نہ کرتی۔

یہ فتوے آپ نے انگریز کو خوش کرنے کے لیے لکھے اور اس کی شہ پر اور اس کے سایہ عاطفت میں پٹنہ جا کر تقسیم کیے ورنہ گیدڑوں کی کیا جرأت کہ شیروں کے کچھار کا رُخ کریں۔

آپ نے ان فتوؤں کے لیے ہندوستان کے چپہ چپہ اور گاؤں گاؤں کی خاک چھانی اور مجاہدین کا عرصہ حیات تنگ کیا اس وقت تم انگریز کے پٹھو تھے اب ہم کو پٹھو کہہ کر مجاہدوں کی صفوں میں گھسنے کی کوشش کرتے ہو اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کس نے انتشار کی کوکھ سے جنم لیا اس کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور اس کی شہ اور سرپرستی سے آپ کو یہ فتوے دینے کی جرأت ہوئی ورنہ مجاہدین صف شکن سے تو انگریز تھراتا تھا وہ

کچہریوں میں کھڑے ہو کر تبلیغ کرتے اور کوئی انہیں روک نہیں سکتا تھا۔
وہ اپنی لگن میں مگن آپ کی ان دشنام طرازیوں سے بے نیاز ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسنؒ کو گھسیٹ کر مجاہدین کی صفوں میں شامل کرنے کی کوشش کرتے رہے جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے اور مولانا جان بچا کر نکل گئے لیکن تاریخ ان کی اس کوشش اور تجویز پر ان کو شاندار خراج تحسین پیش کرتی رہے گی۔

مولانا مدنی بھی تائید فرماتے ہیں

مولانا مدنیؒ اپنی کتاب نقش حیات صفحہ ۱۴۰ پر فرماتے ہیں:

"مگر یہی مصیبتیں تھیں جن کا نشانہ بنگال اور بہار کے شریف گھرانے بنتے جا رہے تھے ہندی رعایا بدترین لوگوں کا ایک گروہ ان کے گرد جمع ہو گیا تھا جن میں جلّاف، فتنہ پرداز اور جعل ساز سب ہی تھے اور ان کے ماسوا نظارت کا وہ قزاق عملہ تھا جس کے سامنے انگریزی موالات کے بدترین شخص بھی ایماندار رحمدل معلوم ہوتے ہیں ہندوستانی شرفاء جو بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے گرفتار ہو کر کلکتہ بھیجے گئے اور قید خانہ میں بند کر دیے گئے۔ شریفوں کے زنانخانے وہ چیز ہیں کہ مشرقی سلاطین جو کسی چیز کا احترام نہیں کرتے ان کا احترام کرتے ہیں مگر اب یہی زنانخانے تھے جہاں ناظروں اور امتیوں کے گروہ گھس جاتے تھے ایسی مثالیں بھی دیکھی گئی ہیں کہ حرم سرا کی حفاظت میں بعض نے لڑ کر ڈیوڑھیوں پر جانیں دے دیں۔"

حضرت کیا آپ کے مقتدیان کرام اس گروہ میں شامل نہیں جنہوں نے فتوے دیے، ان کو مسجدوں سے نکالا، حکومت کی شہ پر ان کا بائیکاٹ کیا ان کا ناطقہ بند کر دیا۔

مولانا مدنی صاحبؒ کی تائید

نقش حیات صفحہ ۱۴۲ پر فرماتے ہیں:

"وہابیوں نے جن کا جوش ان کے علم کی

نسبت بہت زیادہ ہے اسی اصول سے کہ ہندوستان دار الحرب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے حاکموں کے خلاف جہاد فرض ہے۔"

مگر وہ صابر و شاکر اپنوں اور بیگانوں کی سختیوں سے نہ گھبرائے اور ان ناگفتہ بہ حالات میں بھی خدا کی رضا کے لیے تن من دھن قربان کر گئے۔

یہ مرتبہ بلند جس کو ملا مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

مولانا کسی ایک دیوبندی عالم کا نام تو بتائیں جو آپ کے اکابرین میں سے ہو اور میدان جہاد میں جا کر اسے شہادت نصیب ہوئی ہو۔

مولانا کسی ایک دیوبندی عالم کا نام بتائیں جو آپ کے اکابرین میں سے ہو اور اُسے کالے پانی کی سزا ملی ہو۔

مولانا کسی ایک دیوبندی عالم کا نام لیں جو آپ کے اکابرین میں سے ہو اور وہ پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا گیا ہو۔

مولانا کسی ایک دیوبندی عالم کا نام بتائیں جو آپ کے نامور اکابرین میں سے ہو اور اس کی مشکیں کس کر داغ دیے گئے ہوں۔

مولانا کسی ایک دیوبندی عالم کا نام تبلائیں جس نے عمر عزیز ملک کے باہر سرحد میں گزار دی ہو اور اُسے اشتہاری قرار دے کر گولی مارنے کا حکم ہو جو مولانا کیرانوی امداد اللہ مہاجر مکی کی طرح تحریک جہاد سے الگ ہو کر نہ بیٹھ گیا ہو اور اپنی موت تک راہِ خدا میں مرتا رہا ہو۔

مولانا جب قربانی کا جذبہ ہی نہیں تو ایسی مثالیں کیسے مل سکتی ہیں آپ نے اس موضوع کو چھیڑ کر علمائے ہند کا نشان دار ماضی لوگوں کے سامنے کر دیا ہے تم اور تم صرف ان کی تذلیل کے ذمہ دار ہو۔

میرے تو وہ اہل توحید بھائی ہیں اور آئندہ بھی ہمارے اتحاد ہی سے ملک کا مستقبل تابناک ہو سکتا ہے مجھے ان کی ضرورت ہے اور میں کسی صورت ان کی توہین نہیں دیکھنی چاہتا ماضی کی غلطیوں کا طعنہ دے

کر موجودہ ساتھیوں کو دور کرنا دانائی نہیں اللہ آپ کو سمجھ اور عقل دے

ع تر ا اے کاش کہ مادر نہ نزادے

آپ کا ماضی انگریز کی وفاداریوں سے بھرا پڑا ہے مزید سُنیے :

محمد احسن نانوتوی رح

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں" مولانا محمد احسن ہمارے اکابرین سے تھے" (دیکھو احسن نانوتوی ص۱۲۴) مولانا مظہر صاحب کے چھوٹے بھائی محمد احسن نانوتوی نے ۱۸۵۷ء کے فسادات کے خلاف سینہ تان لیا اور مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے عوام مشتعل ہو گئے اور ان کو بریلی چھوڑنا پڑی" (احسن نانوتوی ص۳۰۵)

مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندی بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر آف سکول تھے جب مولانا احسن صاحب نے بریلی چھوڑی تو بعض معاملات ان کے سپرد تھے" احسن نانوتوی ص۴۵ ان کی عدم موجودگی میں ان کے تمام ذمہ داریاں بھی نباہتے رہے اور ان کا تعاون کرتے رہے۔

مولانا عبدالاحد صاحب

" مولانا محمد احسن کے ربیب تھے علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی آنریری مجسٹریٹ تھے ان کو خان بہادر کا خطاب ملا تھا (احسن نانوتوی ص۱۶۴)" پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴-۱۵ء میں مولوی عبدالاحد نے حکومتِ برطانیہ کی بے مثال خدمت کی انہوں نے وارفنڈ میں دل کھول کر چندہ دیا اور تقریباً تین لاکھ روپے چندہ دیا انہوں نے سٹی ریکروٹنگ کمیٹی (فوجی بھرتی کی کمیٹی) اور پبلسٹی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے بھی نمایاں خدمات انجام دیں ان خدمات کے صلے میں گورنمنٹ برطانیہ نے مولوی عبدالاحد کو خلعت سند اور خان بہادر کے خطاب سے نوازا" (احسن نانوتوی ص۱۶۵)

جب مولانا عبدالاحد کا انتقال ہوا لوگوں نے ان کی نعش کی توہین کی قبرستان

ہیں دفن کرنے سے مانع ہوئے اور مستعد فساد ہوئے ناچار راہ قبرستان سے واپس مکان پر جنازہ آیا حکام پولیس لے کر آئے انجام کار باہمی سمجھوتے سے قبرستان مہدیاں قبل مغرب لے گئے اور وہاں دفن کیا۔

حکومت نے نعش کی توہین کے سلسلہ میں مقدمہ چلایا جس پر عبداللہ چوڑی والے اور عزیز حسن بقائی کو تین تین ماہ کی قید ہوئی (احسن نانوتوی ص ۱۴۴)

یوسف بخاری صاحب اسی واقعہ کے متعلق فرماتے جس کا تذکرہ ایوب قادری نے احسن نانوتوی ص ۱۴۲ پر کیا ہے "یہ واقعہ ہے کہ مسلمان قوم ایک مردہ پرست قوم ہے لیکن اس مردہ پرست قوم کی مردہ پرستی کا ذرا یہ رنگ بھی ملاحظہ ہو ۱۹۲۰ء میں جب تحریک خلافت اپنے شباب پر تھی حکیم اجمل خاں ترکِ موالات کے سلسلہ میں اپنا خاندانی خطاب حاذق الملک

ایسے وقت اور ایسی صورت میں واپس کر چکے تھے جب کہ ہندوؤں میں ایک متنفس بھی اپنی رائے بہادری سے دست بردار نہ ہوا تھا حکیم اجمل خاں صاحب کے خطاب واپس کرتے ہی امام (جامع مسجد دہلی) پر یورش ہوئی ان کی اقتداء میں نماز ترک کی گئی ان کے برادرِ خورد راقم کے والد سید حامد رف ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۵۵ھ اگست ۱۹۳۶) کو ممبر مسجد کے سامنے خون سے نہلا دیا گیا (یہ امام صاحب دیوبندی تھے اس کے باوجود خطاب واپس نہ کیا اور ڈٹے رہے)

یہی جرم کم وبیش مولوی عبدالاحد مرحوم کا بھی تھا۔ وہ حکام رس تھے خطاب یافتہ تھے لہٰذا ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء کو مولوی عبدالاحد نے جب سفر آخرت اختیار کیا تو اس مخدوم ملت کے متعلق زبانی اور پوسٹر چھپاں کر کے اعلان کیا گیا کہ مرحوم انگریز پرست تھا خطاب یافتہ تھا۔ ٹوڈی تھا۔ کافر تھا۔ مسلمان اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اس کی میت بھی دفن

ہونے نہ پائے چنانچہ جنازہ ابھی قبرستان کی راہ میں ہی تھا اسے روک دیا گیا مجبوراً جنازہ مکان پر واپس آیا، بلوہ کا اندیشہ اتنا غالب تھا کہ حکومت کو فی الفور مداخلت کرنا پڑی ادھر پولیس اور فوج نے محلہ چوڑی والوں کی ہر طرف سے ناکہ بندی کرکے مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دیا۔ مغرب کے وقت قبرستان مہدیاں میں دفن کیا گیا قوم نے اپنے سربرآوردہ خیر خواہ قوم وملت مولوی عبدالاحد کو ان کے مرنے کے بعد یہ صلہ دیا:

استاذ الاساتذہ مولوی مملوک علی سے ان کے شاگردوں کا سلوک

"ناقدردانی زمانہ ملاحظہ ہو کہ آپ کے ہزاروں شاگرد صاحبانِ ثروت و اقتدار تھے مگر استاد کو کسی نے بھی نہیں پوچھا اور اتنا بھی نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بھر کا پتھر کا ٹکڑا لگا دیتے کہ اس خاک کے ڈھیر پر گزرنے والے فاتحہ تو پڑھ لیتے (احسن نانوتوی صـ۱۸۰)

ایسا کیوں تھا اس لیے کہ آپ انگریزوں کی طرف سے تعلیم کے لیے مدرسہ دہلی میں مدرس تھے (احسن نانوتوی ۱۷۲)" مولانا مملوک علی کے شاگردوں میں باستثنائے مولانا محمد قاسم نانوتوی باقی سب سرکاری ملازم تھے، مولانا محمد احسن مولانا مظہر (مظاہر العلوم والے) اور مولانا محمد منیر تو بنارس کالج، آگرہ کالج اور دہلی کالج میں ملازم ہوئے اور مولوی ذوالفقار علی (والد شیخ الہند) مولوی فضل الرحمٰن (والد مولانا شبیر احمد عثمانی) مولوی یعقوب علی نانوتوی (صدر مدرس دیوبند) محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر رہے" (احسن نانوتوی صـ۲۶)

موسسین دیوبند

"مدرسہ دیوبند کے ارکان میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے

جن کے بارے میں گورنمنٹ کو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی (سوانح قاسمی ج ۲ صـ۲۲۷)

مولانا محمود الحسن اور ان کے ساتھیوں کی حکومت برطانیہ سے خیر خواہی

مولانا مدنی اسیر مالٹا صـ۷۲ پر فرماتے ہیں:

"ہم بحیثیت ہندوستانی اور مسلمان ہونے کے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اس وقت ہندوستان بھیجا گیا تو جو واقعات حجاز کے ہیں وہاں بلاکم وکاست کہیں گے۔ ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپائیں گے اور یہ امر گورنمنٹ کی سیاست کے زیادہ مخالف ہوگا اس کی کوشش کیجیے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھ دے خواہ جدہ میں یا کسی قریہ یا قصبہ میں انہوں نے کہا بہتر ہے" (اسیر مالٹا صـ۷۲)

یہ ہیں آپ کے قابل فخر اکابرین اور آباؤ اجداد، کیا ان لوگوں کا مجاہدین سے دور کا بھی تعلق تھا لوگ ان سے نفرت کرتے تھے کیونکہ حکومت برطانیہ کے انتہائی خیر خواہ تھے اور حکومت کو ایسے مشورے دیتے تھے جس سے ان کے نظامِ حکومت میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔

اس وقت دُنا شعار تھے جب وقت بدل گیا تو یہی مولانا مدنی انہی مولانا محمود الحسنؒ کو جنگِ آزادی کا ہیرو قرار دینے لگے اور اس موضوع پر ایک کتاب لکھ ڈالی جس کا نام نقشِ حیات ہے۔

مولانا غلام رسول مہر کو تعجب کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسا آدمی کہتا ہے جھوٹ بولنا فرض ہے:

مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنی کتاب اسیر مالٹا میں پورے وثوق اور قطعیت سے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے نہ غالب پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقاتیں کیں نہ ان کے لیے

کوئی ایسا موقعہ تھا لیکن نقش حیات میں ایک ایک بات کا تفصیلی ذکر فرمایا اور اس اپنے طرز عمل کی تبدیلی کی دو وجہیں پیش کیں۔

(۱) تعریفی جواب دینا یعنی ایسے کلمات کا جواب میں استعمال کرنا جن کے دو معنی ہوں متکلم اس کے دوسرے معنی سمجھے اور مخاطب اس کے کچھ اور معنی سمجھے یہ جھوٹ نہیں ہے اور ایسے موقعہ پر بلاشبہ جائز ہے۔

(۲) عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ ہر حالت میں بُرا اور حرام ہے حالانکہ جھوٹ بعض اوقات میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے بعض اوقات میں مستحب اور بعض اوقات مباح اور بعض اوقات میں حرام اور مکروہ ہوتا ہے۔

تعریفی جواب کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن دوسری صورت کے متعلق جب مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے بزرگ جوازکا فتویٰ دیں تو میرے جیسے فرومایہ علم کے لیے کچھ عرض کرنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے تاہم صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ دل اس پر مطمئن نہیں اور اگر ذاتی تحفظ کے مسئلے کو اس انداز میں قبول کر لیا جائے جس انداز میں اسے پیش کیا گیا ہے تو پھر مجاہدانہ کارناموں اور ان کے ضمن میں قربانیوں کا معاملہ ختم سمجھنا چاہیے اور تسلیم کر لینا چاہیے کہ جو کچھ ہے رخصت ہی رخصت ہے نصب العین کے لیے ایسے طریق پر کام کرنا چاہیے کہ جان کو کوئی گزند نہ پہنچے گزند نہ پہنچے گزند کا اندیشہ ہو تو مقدم شے جان کا تحفظ ہے خواہ نصب العین کا حشر کچھ بھی ہو جب تک تاریخ کے صفحات کے تمام واقعات دھونہ ڈالے جائیں۔ اس مسلک کو دل کیونکر قبول کر سکتا ہے جو مولانا حسین احمد مدنیؒ نے پیش فرمایا ہے۔ (سرگذشت مجاہدین ص ۵۶۱)

علمائے دیوبند کے متعلق تاریخ بس ایک سطر بھی نہیں | مولانا محمد میاں

اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ چہارم ص۲۴۹ پر فرماتے ہیں:
اس موقعہ پر تاریخ سے ایک طالب علم کی حیرانی ناقابل بیان ہو جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ صفحات تاریخ پر مالاکنڈ اور فرخ نگر جیسے گمنام مقامات کے نام موجود ہیں لیکن اس علاقے (بہاولپور اور مظفر نگر) اور اس کے مجاہدین کا کوئی تذکرہ نہیں ۱۸۵۷ء کے دہلوی مؤرخ شمس العلماء ذکاء اللہ خاں صاحب نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ عروج عہد انگلشیہ" کے تقریباً آٹھ صد صفحات ۱۸۵۷ء کی نظر کر دیے تعجب ہے ان آٹھ صد صفحات میں کوئی ایک صفحہ تو درکنار ایک سطر بھی اس علاقے کے مجاہدین کے حصے میں نہیں آئی۔
مولانا محمد میاں صاحب نے اس کی توجیہہ یہ فرمائی ہے کہ یہ کتاب ۱۸۵۷ء کے پندرہ سال بعد طبع ہوئی ہے جب کہ ۱۸۵۷ء کے مقدمات کی مسلیں دفتر داخل ہو چکی ہوں گی مگر دوسری تحریک یعنی علمائے صادق پور کے زیر قیادت وہابی تحریک کے ثمرات شد و مد سے پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے شکوک و شبہات کا دور باقی تھا" (علمائے ہند کا شاندار ماضی ص۲۵۱)
(اور علمائے دیوبند اس شبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے کہ وہ انگریز کے خلاف ہیں) شمس العلماء نے اس جماعت کا تذکرہ قصداً نظر انداز کر دیا۔

تاریخ سازی

چونکہ تاریخ کے صفحات پر علمائے دیوبند کا کہیں نام و نشان تک موجود نہ تھا اس لیے سب سے پہلے مولانا مدنی نے تاریخ سازی فرمائی ایک کتاب اسیر مالٹا لکھی اور اس میں بتایا کہ ہمارا کسی آزادی کی تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا دوسری کتاب نقش حیات لکھی اور اس میں تحریک آزادی کا ہیرو مولانا محمود الحسن کو بنا ڈالا۔ یہی کام مولانا عبید اللہ سندھی نے کیا تحریک مجاہدین کے تمام کارہائے نمایاں اہل دیوبند سے منسلک کرنے کے لیے اس نے شاہ اسحٰق صاحب کی جگہ

علمائے دیوبند کی فرضی نیابت لبرکردگی مولانا مملوک علی بیان کی۔

مفروضہ علماء بورڈ

چنانچہ شاہ ولی اللہ ان کی سیاسی تحریک صنہ۱۱۱ پر فرماتے ہیں:

"مولانا محمد اسحٰق مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا یعقوب علی دہلوی کو اپنے ساتھ لے گئے اور دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبد الغنی دہلوی کو ملا کر ایک بورڈ بنا دیا اور یہی جماعت ہے جو آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے۔"

مولانا محمد میاں صاحب کی تائید

مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ چہارم صنہ۲۸۶ پر اس بات کی تائید فرماتے ہیں "۱۸۵۷ء سے ۱۶ سال پیشتر حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب نے ہندوستانی تحریک کا مرکز مکہ مکرمہ منتقل کر دیا تھا اور دہلی میں ایک نمائندہ بورڈ بنا دیا تھا جس کی صدارت مولانا مملوک علی کے سپرد تھی اور پھر یہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کا جو ۱۸۵۷ء میں علاقہ تھانہ بھون کے امیر بنے تھے اس بورڈ کے صدر بنا دیے گئے۔"

ایوب قادری صاحب کی تردید

ان دو دیوبندی تاریخ سازوں نے جو بات گھڑی تھی ایک تیسرے دیوبندی نے اس غبارے سے ہوا نکال دی چنانچہ ایوب قادری صاحب۔ احسن نانوتوی صنہ۱۷۱ پر رقم طراز ہیں۔

"مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا یہ خیال ہے کہ جب ۱۸۴۰ء بمطابق ۱۲۵۷ھ شاہ محمد اسحٰق حجاز مقدس کو ہجرت کر گئے تو تحریک کی نگرانی کے لیے ایک بورڈ بنایا گیا جس کے صدر مولانا مملوک علی اور تین رکن قطب الدین مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا شاہ عبد الغنی دہلوی تھے اس میں شک نہیں کہ مملوک علی خاندان ولی اللہ کے فیض یافتہ تھے شاہ محمد اسحٰق کے معتمد اور معتقد تھے۔

مگران کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیل تو درکنار کہیں اشارہ بھی نہیں ملتا - ان کی تمام عمر درس و تدریس میں گزری لہٰذا یہ صدارت کچھ محل نظر سی معلوم ہوتی ہے - مولانا مملوک علی ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج میں ملازم ہوئے یہ وہ زمانہ ہے جب سید اسماعیل شہید زندہ تھے وہ ۱۸۲۶ء میں صوبہ سرحد گئے اور ۱۸۳۱ء میں شہید ہو گئے۔

"انگریزی حکومت کا مقصد یہ تھا کہ مغربی علم و تعلیم ہندوستان کے مسلمانوں میں اور خاص طور سے دہلی کے مسلمانوں میں رائج و مقبول ہو اس مقصد میں گورنمنٹ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی" (احسن نانوتوی ص ۱۷۶)

مولوی مملوک علی سب سے بڑے آلہ کار تھے اور تمام علمائے دیوبند ان کے ہی شاگرد ہیں - مولانا مظہر صاحب - مولانا یعقوب علی صاحب - مولانا قاسم نانوتوی صاحب - مولانا ذوالفقار علی صاحب - مولانا فضل الرحمٰن صاحب سب کے سب اس انگریزی کالج میں پڑھتے تھے اور قاسم نانوتوی صاحب کے علاوہ باقی سب سرکاری ملازم اور خدمت گار تھے۔

مولانا قطب الدین صاحب ممبر بورڈ

یہ وہی مولانا قطب الدین ہیں جنہوں نے فرنگی محلی علماء کے ساتھ مل کر ہندوستان کے دار السلام ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور ہنٹر نے یہ فتوے بطور سند اپنی کتاب کے آخری باب میں لکھا ہے اس لیے یہ بورڈ محض ڈھکوسلا ہے۔

حضرت تاریخ بنانے سے نہیں بنتی تاریخ تو ماضی کے وقوع پذیر حالات کا نام ہے لیکن جب سرے سے واقعہ ہوا ہی نہ ہو تو اس کو تاریخ کے صفحات میں کیسے گھسیٹرا جا سکتا ہے۔

شاہ اسحٰق صاحب ۱۸۵۷ء سے ۱۷ سال پیشتر حجاز مقدس چلے گئے تھے اور اپنی جگہ سید نذیر حسین صاحب کو صدر نشین مسند شاہ ولی اللہ کر گئے تھے وہ ساٹھ سال تک درسِ حدیث دیتے رہے وہ تو آپ کو

نظر نہ آئے نظر آئے تو مولانا مملوک علی جن کی ساری عمر سرکاری نوکری میں گزر گئی اور ان کے اسی کردار کی وجہ سے ان کے شاگردوں نے بھی انہیں طاق نسیاں میں پھینک دیا اور لوح مزار تک لگوانے کی ضرورت نہ سمجھی آپ نے تعصب کی پٹی آنکھوں پہ باندھ رکھی، مفروضوں سے کیا حقیقت بدل سکتی ہے، مجاہدین تو ۱۸۲۶ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک مسلسل جہاد کرتے رہے ہیں آپ کے سامنے امیر المجاہدین کا نقشہ پیش کرتا ہوں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ فہرست امرائے مجاہدین

نام	مرکز	از	تا
سید احمد شہیدؒ	پنجتار	۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء	۶ مئی ۱۸۳۱ء
شیخ ولی محمد پھولتی	”	۱۸۳۱ء	۱۸۴۵ء
مولانا نصیر احمد بنگلوری		۱۸۴۵	
مولانا نصیر احمد دہلوی			۱۸۴۶
مولانا عنایت علی	اپنے بڑے بھائی کے حق میں دست بردار ہوگئے	۱۸۴۶	۱۸۴۷
مولانا ولایت علی		۱۸۴۷	۱۸۴۸
مولانا یحییٰ علی	ستھانہ	۱۸۴۸	۱۸۵۱

مولانا ولایت علی مولانا یحییٰ علی گرفتار ہو کر نظر بند ہوئے نظر بندی ختم ہونے پر پھر صوبہ سرحد پہنچ گئے۔

نام	مرکز	از	تا
مولانا ولایت علی		۱۸۵۱	۱۸۵۲
مولانا عنایت علی	ستھانہ پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا	۱۸۵۲	۱۸۵۸
امیر عبداللہ	ستھانہ پر دوبارہ قبضہ	۱۸۵۸	۱۹۰۱
امیر عبدالکریم	اسمست	۱۹۰۵	۱۹۱۵
امیر نعمت اللہ		۱۹۱۵	۱۹۲۱
امیر رحمت اللہ		۱۹۲۱	

امیر برکت اللہ		۱۹۲۸
مولانا بشیر صاحب چمر کنڈ	۱۹۲۸	۱۹۳۹
مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی	۱۹۳۹	۱۹۵۱

ان امرائے مجاہدین میں کوئی معروف دیوبندی نہیں ہے اس سو اصدی کے مسلسل جہاد میں آپ کی سرگرمیاں مفقود ہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا مجاہدین سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ آئندہ بتاؤں گا کہ مولانا سندھی وغیرہ جو صوبہ سرحد گئے ان کی سرگرمیاں بالکل الگ اور مختلف تھیں۔

ان امرائے مجاہدین میں آپ کا ایک بھی آدمی موجود نہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بستے گھروں کو چھوڑا، جائداد منقولہ غیر منقولہ چھوڑی رشتے ناطے برادریاں چھوڑیں وطن چھوڑا اور آرام و آسائش کی زندگی قربان کر کے پہاڑوں، جنگلوں میں صرف اور صرف خدا کی رضا اور اقامت دین کے لیے وہ قربانی دی جس کی مثال مشکل نہیں ناممکن ہے۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں حجروں کا کام تو سب کر لیتے ہیں مگر میدان جہاد میں جاں سپاری ہر کسی کے بس کی بات نہیں (تذکرہ)

اصل مجاہدین کی بجائے مولوی مملوک جیسے انگریزوں کے ملازم کو قائد بنانے کی کوشش کی گئی جس کے متعلق ایوب قادری صاحب نے فرما دیا کہ یہ محض مفروضہ ہے۔

مفروضہ امام الجہاد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

دوسری حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جس کا نام امداد حسین تھا کو امیر الجہاد بنانے کی کوشش کی۔

ایوب قادری صاحب اپنی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" کے صفحہ ۱۷۸ پر رقمطراز ہیں :-

"قاضی عنایت علی اپنے بھائی عبدالرحیم کی پھانسی کی اطلاع سے ہوش و حواس کھو بیٹھے ۔ کیرانہ شاملی اور تھانہ بھون میں آگ لگ گئی ۔ دیوبند، گنگوہ ، نانوتہ وغیرہ سے لوگ تھانہ بھون پہنچے ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس کے خاص خاص حضرات کے نام یہ ہیں ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ امیر جہاد مقرر ہوئے ۔

گویا فیصلہ ۱۸۵۷ء میں ہوا پہلے نہ تھا ، حاجی امداد اللہ ۱۸۵۹ء تک چھپتے پھرے پھر حجاز روانہ ہو گئے ۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم ص۲۷۶ پر رقمطراز ہیں یہ جمع کثیر اور جماعت کثیر جو حاجی امداد اللہ کے اردگرد جمع ہو گئی تھی اگر اس کے کاموں کا کوئی رجسٹر ہو گا تو ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گیا ہو گا اس کا کوئی پرزہ دستیاب نہیں ہو سکتا ۔

مشاورتی اجتماع میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو امام الجہاد مقرر کیا گیا حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن تھانوی کو میمنہ میسرہ کا افسر مقرر کیا گیا ۔ محمد قاسم صاحب نانوتوی کو سپہ سالار بنایا گیا ۔

امیر الجیش حافظ ضامن صاحب

اب یہ واقعہ ایوب قادری کی زبانی سنیئے وہ اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ص۱۷۹ پر لکھتے ہیں :

غرض جہاد کی تیاریاں شروع ہو گئیں اب اوّل باغ شیر علی کی سڑک پہ انگریزی فوج کے ایک دستے سے مقابلہ ہوا اس میں قاضی عنایت علی کامیاب ہوئے اس کے بعد مجاہدین کے حوصلے بہت بڑھ گئے مجاہدین اور انقلابیوں کی ایک جماعت اپنے سروں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے سہارنپور میں پلٹن نمبر۶ نے کھلم کھلا انقلابیوں کا ساتھ دیا مجاہدین نے تھانہ

بھون سے شاملی کا رُخ کیا، شاملی کے میدان میں جنگ ہوئی۔ انگریزی فوج سے مجاہدین کا سخت مقابلہ ہوا، مقابلے میں مجاہدین کو غلبہ نصیب ہوا سرکاری سپاہی شاملی گڑھی میں مقیم ہو گئے مجاہدین کے امیر الجیش حافظ ضامن صاحب تھے۔

رشید احمد گنگوہیؒ کو امیر لشکر نامزد کیا گیا

علمائے ہند کا شاندار ماضی ص۲۷۷، ص۲۷۸ ملاحظہ فرمائیں:

"خبر آئی کہ توپ خانہ کو سہارنپور سے شاملی روانہ کیا گیا ہے ایک پلٹن لا رہی ہے رات کو یہاں سے گزرے گی اس خبر سے لوگوں میں تشویش پیدا ہوئی کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی توپ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا فکر مت کرو سڑک ایک باغ کے کنارے گزرتی تھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب نے افسر مقرر کر دیا وہ اپنے ماتحتوں کو لے کر ایک باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم دیا کہ پہلے سے تیار رہو جب میں حکم دوں یک دم فائر کرنا چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ کے باغ کے سامنے پہنچی تو سب نے ایک دم فائر کیا پلٹن گھبرا گئی خدا جانے کس قدر آدمی چھپے ہوئے ہیں توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ گئے" یہاں یہ کارنامہ گنگوہی کے ذمہ لگا دیا گیا۔

عنایت علی صاحب امیر لشکر

جناب ایوب قادری صاحب نے اپنی تائید کے لیے سرسید مرحوم کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جو جنگِ آزادی ص۱۸۰ پر اس طرح ہے۔

"ستمبر ۱۸۵۷ء میں دفعتہً مسلمانانِ تھانہ بھون کے جن کا افسر قاضی عنایت علی تھا فساد برپا کر دیا اور ایک بڑے گروہ نے تحصیل شاملی پر حملہ کر دیا۔"

دروغ گو را حافظہ نہ باشد اس حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ عنایت

علی امیر لشکر تھا اور اس بات کی تائید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے کی ہے۔

وہ تذکرۃ الرشید میں صـ۳۰ پر فرماتے ہیں:

"سعادت علی خاں پسر نجابت علی خاں رئیس اعظم زمیندار تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے دو بیٹے تھے جن میں بڑے لڑکے عنایت علی خاں نے باپ کے مرنے کے بعد ریاست کا کام سنبھال لیا تھا اس کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم خاں تھے —— اس گھٹا ٹوپ اندھیالی میں جب کہ غدر اور دہلی اس کا آشیانہ بنا ہوا تھا خان صاحب مع چند رفقاء کے سہارن پور گئے سرائے میں کسی دوست کے پاس ٹھہرے زمیندارانہ قصبوں میں آدمی کے دشمن بہتیرے ہوتے ہیں چنانچہ ایک بنیا جس کو قدیم سے اس ریاست کے ساتھ عداوت تھی اتفاق سے وہاں مقیم تھا اس نے زمانہ غدر کو غنیمت سمجھا اور پنکھی صاحب انگریز تھے جو باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکم موت کا مجاز بنا کر انتظاماً سہارن پور میں معین کیا گیا تھا، مخبری کی کہ تھانہ کا رئیس بھی کمپنی سے باغی ہو گیا چنانچہ اس کا بھائی دہلی میں کمک بھیجنے کے لیے ہاتھی خریدنے آیا اور کئی دن سے سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے ادھر جھوٹی مخبری ہوئی ادھر گلی کوچوں میں دشمنوں نے اسی افواہ کو پھیلا دیا یہاں تک کہ ایک گارد بہ سمت سرائے روانہ کیا گیا اور عبدالرحیم خاں بمعہ ہمراہیاں بالزام بغاوت جیل خانہ بھیج دیے گئے۔ زمانہ تھا اختیاط کا فوراً ناکردہ گناہ جماعت کو پھانسی کا حکم ہو گیا اور لگے دن قاضی عنایت علی خاں کو اپنے بھائی کی دنیا سے رحلت کی اطلاع ملی۔

اس خبر سے عنایت علی خاں پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور جوش حزن میں بھائی کے انتقام کا خیال پختہ ہو گیا اتفاق سے چند فوجی سوار کمہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی پیٹیاں لدوائے سہارن پور سے کیرانہ کی طرف

جارہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی اور یہ اپنے جنون
میں مست چند رفقاء ورعایا کو ساتھ لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر
جا پڑے اور جس وقت سوار سامنے سے گزرے ان کا اسباب لوٹ لیا ایک
سوار اس جنگ میں زخمی ہو کر سمتِ مشرق جنگل کو بھاگا مگر تھوڑے ہی فاصلہ
پر گھوڑے سے گر کر مر گیا اس فساد کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف
سے تھانہ پر فوج کشی کا حکم ہو گیا جس پر عنایت علی خاں نے فساد کا علم بلند کیا
چنانچہ شاملی کی طرف انگریزی فوج جانے کی جھوٹی خبر پر نقارہ بجایا گیا اور
جتھہ کا جتھہ شاملی پر چڑھ دوڑا، جس وقت گورنمنٹ کو اہلکاران تحصیل کے
مارے جانے خزانہ کے لوٹے جانے کی خبر ملی تو حاکم چار طرف نعشوں اور
قصبہ کی ویرانی وبربادی دیکھ کر تھرا اٹھا اور یہ کہہ کر کہ "تھانہ بھی اسی
طرح مسمار کر کے چھوڑ دوں گا" مظفر نگر واپس ہو گیا اس لیے کہ تنہا تھا سنا
ہے قاضی عنایت علی کو ہمارے دینی حضرات نے اس کاروائی سے منع کیا تھا۔

حاصل مطلب (۱) یعنی قصہ ہے تھانہ بھون کے "قاضی عنایت علی
خاں کا جنہوں نے اپنے بھائی کے انتقام میں چند سواروں اور کمہاروں سے
بلا مقابلہ اسلحہ چھین لیا کوئی توپ وغیرہ نہ تھی۔

(۲) پھر شاملی پر حملہ کر کے خزانہ لوٹ لیا اور اہلکاروں کو قتل کر دیا مقابلہ کسی
جگہ بھی فوج سے نہیں ہوا۔

(۳) علماء حضرت عنایت علی خاں کو روکتے رہے۔

(۴) کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ تکلیف تو عنایت علی خاں کو ہو مگر کیرانہ و دیوبند
سہارن پور۔نانوتہ۔گنگوہ کے علماء خود بخود ایک میٹنگ بلا لیں اور
اور کوئی پتہ نہیں چلتا کہ میٹنگ کس نے بلائی تھانہ کے رئیس کا یہ واقعہ ہے مگر
خود تھانہ بھون کے مولوی محمد جہاد کے شدید خلاف تھے پھر میٹنگ کا محرک
کون تھا اور یہ میٹنگ کہاں ہوئی اور یہ دونوں مورخ ایوب قادری اور مولوی

محمد میاں ابھی اس دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے تھے مگر انہوں نے بلا حوالہ میٹنگ کرادی۔

کوئی کہتا ہے قاسم نانوتوی سپہ سالار تھے۔
کوئی لکھتا ہے رشید احمد گنگوہی سپہ سالار تھے۔
کوئی کہتا ہے حافظ ضامن صاحب سپہ سالار تھے۔

کوئی کہتا ہے عنایت علی خاں صاحب سپہ سالار تھے۔

حتمی فیصلہ

سچ وہی ہے جسے مولوی محمد میاں نے اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم ص۲۷ پر ذکر کیا ہے۔

"مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے قاضی عنایت علی خاں کو علمبردار بغاوت قرار دیا ہے اور (گنگوہی صاحب) کے رفقائے کار کا کوئی اقدام تسلیم ہی نہیں کیا۔"

مولانا مناظر احسن گیلانی کا فیصلہ

مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی ص۸۹ پر فرماتے ہیں:

"اس عام سطحی معیار کو دیکھ کر بے دھڑک یہ مان لینا کہ غدر کے ہنگامے میں سیدنا الامام کبیر (قاسم نانوتوی) نے بھی اسی طرح حصہ لیا تھا جیسے اس ملک کے عام باشندے اس کی آگ میں کود پڑے سیدنا امام کبیر کی شان کے مطابق اسی قسم کا عاجلانہ فیصلہ درست ہوسکتا ہے اور نہ واقعات ہی اس کی تائید کرتے ہیں پھر ص۱۰۹ پر فرماتے ہیں" اتنی بات بہرحال یقینی ہے اور ان ناقابل انکار چشم دید گواہوں کا کھلا اقتضاء ہے کہ مالیخولیا سے زیادہ اس قسم کی افواہوں کی کوئی قیمت نہیں کہ غدر کے ہنگامے کے برپا کرانے میں دوسروں کے ساتھ سیدنا الامام کبیر آپ کے علمی و دینی رفقاء کے بھی ہاتھ تھے بلکہ واقعہ وہی ہے جو حضرت الامام نے لکھا ہے کہ مولانا فسادوں سے کوسوں دور تھے۔"

سرسید اصل مؤرخ ہیں جنہوں نے حالات کو صحیح طور پر لکھا ہے اور مولانا عاشق الٰہی نے قریبی زمانہ پایا ہے جو کچھ انہوں نے لکھا وہی حقیقت ہے ایوب قادری اور مولانا محمد میاں نے تاریخ سازی کی ہے مگر تضاد اور غلط بیانی نے بھانڈا چورا ہے میں پھوڑ دیا ہے۔

معرکہ شاملی

شاملی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ان دیوبندی علماء میں سے کوئی بھی شاملی سے تعلق نہیں رکھتا یہ ایک اتفاق ہے کہ شاملی کی پاس سے ایک سڑک گزرتی ہے اس کے کنارے باغ تھا اس کے قریب عنایت علی نے چند فوجیوں سے جن کے ساتھ کچھ کمہار کارتوس اٹھائے جا رہے تھے یہ اسلحہ ان سے چھین لیا اس کے علاوہ شاملی میں کوئی معرکہ یا لڑائی نہیں اس طرح تحصیل کے کچھ اہل کاروں کو سرکاری ملازم ہونے کی حیثیت سے خزانہ لوٹنے کے لیے قتل کر دیا گیا مگر تاریخ سازی کرتے وقت اس واقعہ کو اس طرح استعمال کیا گیا اور اس قدر رنگ آمیزی سے بیان کیا جاتا ہے گویا برطانیہ کا جنرل ہیڈ کوارٹر فتح کر لیا گیا تھا لیکن اس قصہ خوانی کے باوجود سوال یہ پیدا ہوتا کہ شاملی سے پہلے یہ لوگ کہاں جہاد کرتے رہے اور شاملی کے بعد زندگی میں انہوں نے مجاہدین کے ساتھ کیا تعاون کیا اس کا جواب صفر ہے شاملی کا واقعہ تو صرف ایک "۱۶ستمبر ۱۸۵۷ء کے دن کا ہے" نہ اس سے پہلے وہاں کچھ ہوا نہ اس کے بعد (محمد احسن نانوتوی ص۵۶) اور ان علماء میں سے اس اتفاقی حادثہ یا واقعہ پیش آنے کے وقت کوئی موجود تھا۔ نہ ان علماء میں سے کوئی شاملی کا رہنے والا ہے۔

وفادار تھے وفادار رہے

بلکہ اصل بات تو مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید ص۷۴ پہ

لکھ دی ہے وہ فرماتے ہیں:

" عبدالرحیم کی پھانسی کے بعد عنایت علی کی حالت بھی دگرگوں ہوگئی علاقہ کا مربی اور سرپرست کوئی نہ رہا اور اب جب کہ ہر چہار طرف بدامنی تھی آپ کے لیے یہاں حاضر رہنے سے بہتر کوئی جگہ دنیا میں نہ تھی ادھر اعلیٰ حضرت حکومت کے فیصلے اور شرعی قضایا میں مولوی کی ضرورت بھی اس لیے آپ اور مولانا قاسم اور دیگر خدام یہیں رہ پڑے۔ سرکار نے آپ کا تقرر بحیثیت قاضی کرا دیا)

اتنی بات یقینی ہے کہ اس گھبراہٹ کے زمانے میں جب کہ عام لوگ بند کواڑوں گھر میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے حضرت امام ربانی اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت اطمینان کے ساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اس سے پہلے مصروف تھے بدستور ان کاموں میں مشغول رہتے تھے کبھی ذرا بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت جبہ برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی اور آپ کے مختصر مجمع کو جب کسی ضرورت کے لیے شاملی کرانہ مظفر نگر جانے کی ضرورت ہوئی غایت درجہ سکون و وقار کے ساتھ گئے اور طمانیت قلبی کے ساتھ واپس آئے ان دنوں آپ کا مفسدوں سے بھی مقابلہ ہوا جو غول کے غول پھرتے تھے حفاظت جان کے لیے تلوار البتہ اپنے پاس رکھتے تھے اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بہادر شیر کی طرح نکلے چلے آتے تھے ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما جتھہ اپنی سرکار کے باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہیں تھا اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پہ جان نثاری کے لیے تیار ہوگیا اللہ رے شجاعت و جوانمردی

کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند نفیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بند وقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت ضامن صاحب زیر ناف گولی لگنے سے شہید ہو گئے حضرت مولانا قاسم صاحب ایک دفعہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔

اعلیٰ حضرت نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کیا ہوا "میاں" امامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب ہے کہ کپڑے خون سے تر۔ پھر ص۷۳ پر فرماتے ہیں:

"جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے اس عافیت کے زمانہ کو قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔" پھر ص۷۹ پر فرماتے ہیں۔

"ہر چند کہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور قوم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا اس لیے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت برسر تھی اس لیے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دل سے خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ رہے" پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

"جب پوری تحقیقات اور تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا الزام محض الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا ہو گئے۔"

مولانا مدنی صاحبؒ فرماتے ہیں

نقش حیات ص۴۵۲ "حضرت حافظ ضامن صاحبؒ اس ہنگامہ میں شہید ہو گئے، حضرت حافظ صاحبؒ کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ان کی شہادت سے

پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا، آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہوگیا (لیکن کسی مقام کا نام مولانا کو یاد نہیں کہ مفتوحہ مقام کا ذکر بھی کر دیتے)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

۱۸۵۹ء میں ہجرت کر کے مکے گئے یہی وہ زمانہ ہے جس میں مشکوک حضرات پکڑے گئے اور تختۂ دار پر لٹکا دیے گئے اس لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو سال کہاں چھپے رہے چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب کو مجاہد ثابت کرنے کے لیے واقعات گھڑے گئے جن کو صرف عقیدت مند ہی تسلیم کر سکتا ہے۔

پہلا واقعہ

اسے مولانا محمد میاں نے علمائے ہند کا شاندار ماضی ص۲۹۰ پر بڑی رنگ آمیزی سے ذکر کیا ہے۔

"مولانا پنجلاسہ میں راؤ عبداللہ کے یہاں مقیم تھے اور جائے قیام اصطبل کی ایک کوٹھڑی تھی مخبر نے مخبری کی کلکٹر صاحب خود تشریف لائے اور بہانہ بنا کر کہ ہم آپ کے گھوڑے دیکھنا چاہتے سیدھا اس کوٹھڑی میں جا گھسے دیکھا تو پانی گرا ہوا مصلّٰی موجود ہے مگر نمازی غائب۔ راؤ صاحب نے کہا ہم فرض مسجد میں اور سنتیں گھر پر پڑھتے ہیں وہ جب واپس چلا گیا اور راؤ صاحب اندر آئے تو حاجی صاحب مصلّے پر بیٹھے تھے"۔

دوسرا واقعہ

"گڑھی پختہ میں پیش آیا پولیس کپتان اور تھانے دار ان کو گرفتار کرنے کے لیے پہنچے اور جس کے گھر میں حاجی صاحب مقیم تھے خواجہ صاحب اس کو گالیاں دینے لگے اور نمک حرام تو سرکار کے باغیوں کو اپنے یہاں پناہ دیتا ہے۔ اس نے آواز سن لی اور حاجی صاحب کو چھپا دیا۔

اس طرح ایک مکان کی تلاش کے وقت پولیس مکان کے اندر جا رہی تھی اور حاجی صاحب کو چارپائی پر ڈال پولیس کے ہوتے ہوئے باہر کھیت میں

چھوڑ آئے ۔"

اور اس گپ بازی کو کرامات قرار دیا ہے گویا حاجی صاحبؒ پولیس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے ایسی باتیں صرف عقیدت مند ہی تسلیم کر سکتے ہیں بہر حال چونکہ وہ جنگ آزادی کے دو سال بعد آرام سے مکہ چلے گئے اس لیے ان کو مجاہد بنا دیا گیا حالانکہ جہاد میں ان کی کارگردگی صفر ہے ۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ہجرت کی حقیقی وجہ

مولانا مدنی صاحبؒ اپنی سوانح

نقشِ حیات ص۶۶ پر فرماتے ہیں:

" حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز نے تو یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہجرت کی نیت اس وقت کی جب کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہو کر زندگی سے

مایوس ہو گیا تھا ۔"

اس کی تائید مزید

نقشِ حیات ص۶۶ بحوالہ امداد المشتاق ص۱۳۲ حضرت مدنی صاحبؒ ذکر فرماتے ہیں :

" حال ایام غدر ہندوستان میں بوجہ بے نظمی دین و تغلب معاندانِ دین قیام ہند گراں خاطر ہوا اور ارادہ ہجرت و اشتیاق بالغہ زیارت روضہ حضرت رسالت پناہ صلعم جوش و خروش میں آیا اور ۱۲۷۶ھ براستہ پنجاب روانہ ہوئے ۔"

یعنی وجہ یہ نہ تھی کہ حکومت آپ کو تلاش کرتی تھی وہ تو مورخین کی بناوٹ ہے ۔

نیز ص۵۱ نقشِ حیات پہ فرماتے ہیں :

" حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ تحریک انقلاب میں حافظ ضامن صاحبؒ کے ہمنوا تھے مگر پیش پیش اور اس قدر زیادہ جوش میں نہ تھے ۔"

قصہ تھا ان علماء کو مجاہدین کی صف میں داخل کرنے کا

مولانا محمد میاں علمائے ہند کا

شان دار ماضی صفحہ ۲۶۶ پر رقمطراز ہیں:

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امیر مولانا محمد قاسم صاحب مولانا رشید احمد صاحب۔ حافظ ضامن صاحب۔ مولانا محمد منیر صاحب جیسے زعماء اور اکابر کو فوج حفاظت اور فصل خصومات اور عدل و قانون وغیرہ کے شعبے سپرد کیے گئے اس موقعہ پر یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ خود بادشاہ کو بھی نظم و ضبط قائم کرنے اور اس جیسے نظام میں داخل ہونے کا مشورہ دیا جائے (گویا اصل مرکزی نظام ان پانچ علماء کا تھا اور بادشاہ کو بطور تابع اس میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی سبحان اللہ)

چنانچہ نواب شیر علی مراد آبادی جو بادشاہ کے منہ چڑھے مصاحب اور بڑے بے تکلف تھے کو اس مقصد کے لیے دہلی بھیجا گیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی تائید

سوانح قاسمی جلد دوم صفحہ ۱۳۷ پر ایک روایت بزبان علامہ محمد طیب صاحب نقل فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ نواب شیر علی کو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ بادشاہ کو جہاد پر آمادہ کریں۔

منصوبہ بندی کی دوسری روایت

مولانا محمد میاں علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ ۲۶۷ پر ایک دوسری روایت ذکر فرماتے ہیں کہ مولانا شیر علی کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ دہلی سے شمال کی طرف یلغار کرے (تمام راستے کے شہر چھوڑ کر بذریعہ ہیلی کوپٹر) اور دوسری طرف سے یہ حضرات تو یہ پورا خطہ اس عنصر خبیث سے خالی ہو جائے احقر کے خیال میں یہ دوسری روایت درست ہے یہی قابل اعتماد ہو سکتی ہے۔

حضرت خضر انگریزوں کے لشکر میں

مولانا محمد میاں علمائے ہند کا شان دار ماضی صفحہ ۲۸۰ پر رقمطراز ہیں:

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی جو شیخ طریقت تھے اچانک ایک روز

دیکھا کہ مولانا محمود الحسن باغیوں کے افسر کا نام لے کر بھاگے جا رہے ہیں اور فرماتے ہیں لڑنے سے کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں دیکھ رہا ہوں۔

اس ہنگامے کے بعد مولانا فضل الرحمٰن صاحب ایک ویران مسجد میں بیٹھے تھے کہ انگریزی فوج گزری کہ مولانا دفعتہً اُٹھے فوج کے پاس گئے ایک شکستہ حال شخص بظاہر سائیس معلوم ہوتا تھا اس سے کچھ باتیں کیں اور واپس آگئے آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کون صاحب تھے جن سے آپ نے یہ باتیں کیں فرمانے لگے خضر علیہ السلام تھے" (سوانح قاسمی ص۱۰۳)

جب خضر علیہ السلام انگریزی فوج کے سائیس کے طور پر خدمت بجالارہے تو یہ بچارے انگریزی فوج سے کیوں لڑتے۔

احساس عدم شمولیت جہاد اور اس کی توضیح

مولانا محمد میاں اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم ص۲۶۹ پر فرماتے ہیں:

" بہر حال مقامی یا علاقائی حیثیت میں آئین اور دستور کے مطابق حکومت کا ایک نظام زیر قیادت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رمضان کے فوراً بعد مئی کے اواخر یا اوائل جون میں تھانہ بھون میں قائم ہو گیا (جس کی کوئی دلیل نہیں دی گئی) لیکن کوئی اقدام اس وقت مناسب نہیں سمجھا گیا جب تک

(۱) مرکز میں ہی ایک صالح نظام وجود پذیر نہ ہوا اور

(۲) اس علاقائی نظام کا رابطہ اس مرکزی نظام سے منسلک نہ ہو (اب مرکز ہی دہلی منتقل ہو گیا۔

پھر اپنی کتاب کے اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

ممکن ہے جلد باز اور تہور پسند جوشیلی طبیعتیں اس کو پسند نہ کریں اور یہ بھی

ممکن ہے کہ جذبات کی رو میں بہہ جانے والی طبیعتیں اس کو ٹال مٹول قرار دیں مگر دستور و آئین بالخصوص شریعت کے ماہرین ان دونوں باتوں کو اتنا ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ دونوں عمل میں نہ آجائیں کسی بھی اقدام کو مہذب اور صالح اور شریعت کی زبان میں جہاد قرار نہیں دے سکتے

پھر فرماتے ہیں :-

"ابھی یہ کوششیں بار آور نہ ہوئی تھیں کہ یہ سرفروشانہ تگ و دو منظم جدوجہد کی شکل اختیار کرے کہ اس اثناء میں رئیس تھانہ بھون قاضی عنایت علی صاحب کے بھائی کا واقعہ پیش آگیا۔" جب مرکز میں صالح نظام موجود نہ تھا تو ظاہر ہے جب یہ شرع شریف کی اصطلاح میں جہاد ہی نہیں تھا پھر بیچارے علمائے دیوبند اس میں کیوں کود پڑتے اور خاص کر جب حضرت خضر علیہ السلام انگریزی فوج کے ساتھ آکر مسلمانوں کو مروانے کی جدوجہد میں شریک ہو اور علمائے دیوبند کے مورثِ اعلیٰ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ وہ تو سائیس کی حیثیت سے انگریزی فوج کی خدمت کر رہے ہیں تو کیوں جہاد میں شریک ہوتے۔

تائید مزید مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی صـ۲۷۲ پر فرماتے ہیں :

"ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے یہاں (ضلع مظفر نگر سہارنپور تھانہ بھون) کے علماء ۱۸۵۷ء کی تحریک کے سلسلہ میں دہلی تشریف لے گئے وہاں بادشاہ سے ملاقات کی اور عہد مواعید کیے ہیں اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں مل سکا۔

البتہ جو فتویٰ جامع مسجد کے اسی اجتماع میں مرتب کیا گیا تھا (کہ انگریز سے جہاد کرنا فرض ہے) پر ایک دستخط رحمت اللہ کے بھی ہیں۔"

یہ بھی بالکل غلط اور جھوٹ ہے کہ رحمت اللہ کیرانوی نے فتویٰ جہاد پر دستخط کیے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ

قلعہ دہلی کا ایک معتبر روزنامچہ جس میں ۱۸۵۷ء کے واقعات تاریخ وار درج ہیں جسے عبداللطیف نے لکھا اور "ندوۃ المصنفین" کے سلسلہ اشاعت میں اس کا نمبر ۶۸ ہے اس کے صـ۱۴۲ پر ۶ ذلیقعدہ بمطابق ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کی ڈائری میں مولانا رحمت اللہ کا تذکرہ اس طرح موجود ہے۔

"آج ہی دن ڈھلے دوصد اہل نجیب آباد مولوی رحمت اللہ کیرانوی کی قیادت میں پہنچے اور آمادہ پیکار ہوئے لیکن پھر واپسی اختیار کی"

اس ڈائری میں جن شخصیتوں کا تذکرہ ہے کتاب کے آخر میں ان کا تعارف درج ہے چنانچہ صـ۱۹۲ پر مولوی کیرانوی صاحب کا تعارف اس طرح درج ہے

"مولوی رحمت اللہ کیرانوی اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے وہ بڑے عالم فاضل تھے عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے اس دانشمند مولوی کے نزدیک دہلی میں جہاد کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ ایک ہنگامہ فساد برپا تھا۔"

ایوب قادری صاحب کی چالاکی

قادری صاحب کو مولانا کیرانوی صاحب کی تاریخ ورود دہلی کا علم تھا مگر وہ اس کو چھپا گئے۔

تعارف کو پہلا واقعہ بنا کر کہا کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی میں آگئے ہوں گے تو ان کے خیال میں یہ جہاد نہیں فساد تھا (۱۸۵۷ء صـ۱۸۵)

ڈائری کے صـ۱۴۲ میں مذکور کہ مولانا کیرانوی صاحب دوسو اہل نجیب آباد کے ہمراہ دہلی آئے اور آمادہ پیکار ہوئے مگر دن ڈھلے واپس چلے گئے کی نصف عبارت اڑادی کہ وہ آمادۂ پیکار ہوئے پھر واپس چلے آئے اس کو

دوسرا واقعہ بنا کر فرمایا :

"جولائی میں فتوئے جہاد مرتب ہوا تھا، یہ دو سو آدمیوں کو لے کر فتوے پر دستخط کرتے تک دہلی میں چند روز ٹھہرے رہے ۔

جنرل بخت کی آمد

علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ص ۱۷۶ پر فرماتے ہیں :

لفظ (چند روز) اس لیے لکھا تاکہ واپسی اور آمد کے مابین خاصا وقفہ محسوس ہوا اور قاری کی نظر اس طرف نہ جاسکے کہ ایسا تو ناممکن ہے ۔)

غور فرمائیں

یہ زمانہ ریل گاڑی اور موٹروں کا زمانہ نہ تھا ۔مولوی کیرانوی صاحب ۳۰ جون دن ڈھلے دہلی پہنچے اور اسی دن دو سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلے گئے کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق یہ جہاد نہیں فساد تھا اب وہ ۲ جولائی کو کیسے واپس آسکتے تھے اور جامع مسجد میں بیٹھ کر کیسے دستخط کیے یہ بات سمجھائی نہیں جاسکتی کیونکہ یہ ممکن نہ تھا ۔

لیکن ان ایوب قادری صاحب نے ہیرا پھیری کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مولانا کیرانوی نے جہاد کے فتوے پر دستخط کیے تھے ۔

رحمت اللہ دہلوی

یہ دستخط مولانا رحمت اللہ دہلوی کے تھے جو اپنے فرزندوں کے ہمراہ بخت خاں کے ساتھ شامل ہوئے

(ماخوذ نذیر حسین مصنفہ پروفیسر مبارک ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ جلد ۵

ص بحوالہ $\frac{۲۲۳}{۲۲۴}$)

مولانا محمد میاں صاحب علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ص ۲۷۳ پر فرماتے ہیں ۔

"پھر جب بخت خاں آگیا اس نے فوج کو منظم کیا اور شرعی شرائط کو پورا کیا تو جہاد منظم ہو گیا ۔

جو فتوے جامع مسجد میں مرتب کیا گیا تھا اس پر دستخط مولوی رحمت اللہ نے بھی کیے بظاہر یہ رحمت اللہ وہی رحمت اللہ ہیں جو پہلے تحقیق حال کے

لیے آئے تھے اور اب اپنی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے اس اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔

مولانا محمد میاں صاحب بھی عبداللطیف کی ڈائری کی دونوں عبارتوں سے جو ۳۰ر جون سے متعلق ہیں دو واقعے بنا کر پیش کیا اور تاریخوں کو جاننے کے باوجود ان کا ذکر نہیں کیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ دو واقعے ہیں حالانکہ اگر وہ تاریخ لکھ دیتے تو کبھی ان کا مدعا ثابت نہ ہوسکتا۔

ایک اور دلیل

اگر مولوی کیرانوی صاحب کے بعد میں خیالات تبدیل ہوگئے تھے اور انہوں نے اسے جہاد سمجھ لیا تھا تو وہ معرکہ شاملی میں کیوں نہ شریک ہوئے جس میں کہ بانی علماء بقول آپ کے شریک ہوئے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کو جہاد نہیں سمجھتے تھے کیونکہ معرکہ شاملی ۱۶ ستمبر کو ہوا تھا اور وہ یقیناً اس میں شریک نہ تھے۔

ہاں وہ ایک دفعہ دہلی ضرور گئے تھے مگر بعد میں ڈرے کہ کہیں انگریز پکڑ نہ لیں ملک چھوڑ کر مکہ چلے گئے تھے اس لحاظ سے ان کی پوزیشن حاجی امداد اللہ سے بہتر ہے حاجی صاحبؒ نے کیا کیا اس کے متعلق تاریخ بالکل خاموش ہے۔

مدرسہ دیوبند کا رویہ

"مدرسہ دیوبند کے ارکان میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی" (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۴۷)

مولانا محمد میاں اپنی کتاب علماء حق حصہ دوم ص ۳۳۶ پر فرماتے ہیں:

"علماء دیوبند کے بھی وہ چند افراد جو ہمیشہ تحریک حریت کے مخالف رہے اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پنشنر تھے اس تحریک کے

زمانے میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داران سے تعلق رکھا حتیٰ کہ گورنر یو پی کو دارالعلوم میں مدعو کیا اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ احمد صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا (تحریک شیخ الہندؒ ص۱۶۰)

"کارپردازان حکومت کو احساس یہ ہے کہ مولانا یا غثان اس لیے تشریف نہیں لے گئے کہ دیوبند کا مدرسہ حکام کی نظر میں مشتبہ ہو جائے گا (ص۱۶۳)

مولانا غلام رسول مہر صاحب نے بھی فرمایا" ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں (سرگزشت مجاہدین ص۵۵۳)

اس بنا پر مسٹن گورنر یو پی دیوبند اور دارالعلوم دیوبند گیا تھا اور مہتمم صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا" (نقش حیات ۲۴۷)

مذہب کے رکھوالے

انگریز ہمارے مذہب کے رکھوالے نہیں ہو سکتے مگر انہوں نے خود مذہبی مدارس کھلوائے اور حکم دیا کہ اس پر زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کیا جائے چنانچہ مولانا مدنیؒ نقش حیات ص۱۷۱ پر رقمطراز ہیں:۔

"وائسرائے ہند نے ایک طویل یادداشت لکھ کر کورٹ آف ڈائریکٹران کو بھیجی جس میں یہ دکھایا کہ علم کا روز بروز زوال ہو رہا ہے، ہندو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم نہ ہونے سے دروغ حلفی اور جعل سازی کے جرائم بڑھ رہے ہیں اور سفارش کی کہ متعدد کالج قائم کیے جائیں اور تعلیم پر زیادہ روپیہ خرچ کیا جائے۔"

چنانچہ دہلی کالج کھولا گیا اور پھر اس کے تعلیم یافتہ شاگردوں سے دارالعلوم دیوبند کھلوایا گیا۔

"حکیم جمیل اور امیر شاہ جنہیں عبید اللہ نے "خدام" کے خلاف بدگوئی کا

بگلچی قرار دیا ہے ان دونوں سے صوبہ جات متحدہ کی سی آئی ڈی بخوبی واقف ہے یہ دیوبند کے وفادار پرنسپل کے وابستگان سے ہیں (تحریک شیخ الہند ۲۱۰)

" دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد پسر مولانا محمد قاسمؒ بانی مدرسہ کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت برسوں میں سیاست سے بالکل پاک صاف رہا تھا اور اس کے مدرسوں معلموں نے سیاست میں مطلق دلچسپی نہ لی دیوبند کو اپنے مشنریوں کی تربیت گاہ بنانے میں ناکام ہو کر عبیداللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دہلی میں اس مقصد کے لیے قائم کرے "۔ (ص ۲۵۸ تحریک شیخ الہندؒ)

مولانا سندھیؒ نے مولانا محمود الحسن کو لکھا " مالکان مدرسہ سرکار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں نمائش کے دربار میں شرکت کا فخر بھی نصیب ہونے لگا ۔ یہی بہی حکمت خود مولانا محمود الحسنؒ کے بھی پیش نظر تھی " (ص ۲۵۹ کتاب مذکور)

اس کے برخلاف ۱۸۵۷ء میں سقوطِ دہلی کے وقت اسلامی درس گاہوں اور مدارس کو سخت نقصان پہنچا (احسن نانوتوی ص ۲۱۵)

مدرسہ رحیمیہ مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں مدرسہ رحیمیہ کو توپ سے اُڑا دیا گیا ۔ زمین منہدم کر دی گئی وہاں آج کوچہ کشن داس کا بورڈ آویزاں ہے اور اس کی مسجد گرا کر وہاں کلب بنا دی گئی جہاں شراب پی جاتی ہے ۔ (تحریک ریشمی رومال مصنفہ مولانا مدنی ص ۱۸)

اور رہائشی محلہ جس کا نام کشڑہ پنجابیاں تھا اس جگہ اب دہلی کا ریلوے اسٹیشن بنا ہوا ہے ۔

لیکن دارالعلوم دیوبند ابھی تک قائم ہے کیونکہ یہ حکومت کا حامی تھا اور اس قسم کے چالیس مدرسے بنائے گئے کیونکہ مسلمان سختی کے باوجود اپنی تعلیم کو نہیں چھوڑتے تھے ۔ چنانچہ مولانا محمد میاں علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۲۸۷ پر فرماتے ہیں " دارالعلوم دیوبند جامعہ قاسمیہ ۔ مدرسہ شاہی مرادآباد مظاہر العلوم

سہارن پور کے حلقے قائم کیے گئے جنہوں نے سیاسیات سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

دوسری جماعت | مولانا مدنیؒ نقش حیات اپنی خود نوشت سوانح میں فرماتے ہیں

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ۔ مولانا صدر الدین صاحبؒ مولانا رشید الدین صاحبؒ وغیرہ، جن میں مولانا فضل حق خیر آبادیؒ بھی ہیں، یہ حضرات ان ہنگامہ خیز امور میں باوجود ہر قسم کے کمالات علمی و عملی کے حصہ نہیں لیتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس جماعت کو اس لیے مخصوص کاموں (تعلیم و تدریس وغیرہ میں لگا دیا تھا (نقش حیات ص۴۳۲)

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس

دہلی کالج کے دو حصے بن گئے۔ ایک حصہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ دیوبند لے گئے جسے عربی حصہ کہتے تھے اور دوسرا حصہ سرسید خاں صاحب علی گڑھ لے گئے اس کے موسسین میں سے پہلا نام نامی اور اسم مولانا محمود الحسن صاحب کے والد بزرگوار کا ہے جس کا نام مولانا ذوالفقار علی ولد فتح علی تھا۔ یہ دہلی کالج میں پڑھتے رہے بریلی کالج میں پروفیسر رہے پھر شعبہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس بنے پھر پنشن کے بعد دیوبند تشریف لے آئے اور حکومت نے وفاداری کے اعزاز میں آنریری مجسٹریٹ بنا دیے گئے۔

مولانا ذوالفقار علی صاحب ۱۸۳۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹۰۴ء میں فوت ہوئے اس کی ریٹائرمنٹ ۱۸۸۰ء میں بعمر ساٹھ سال ہوئی آپ ابھی انسپکٹر آف سکول ہی تھے کہ ۱۸۶۷ء میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی (احسن نانوتوی ص۷۴) (ملخصاً)

دوسرے مولانا فضل الرحمٰن صاحب

یہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے والد بزرگوار تھے یہ ۱۸۵۷ء میں بریلی کالج میں تھے جب مولانا احسن نانوتوی نے انگریز کے

حق میں فتوے دیا اور انہیں بریلی چھوڑ کر جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑا تو بیران کے جانشین تھے ان کے تمام کام ان کے ہی سپرد تھے جن کو انہوں نے نہایت وفاشعاری سے ادا کیا۔ یہ بھی ڈپٹی انسپکٹر آف سکول تھے یہ پہلے پیلی بھیت پھر سہارن پور میں ڈپٹی انسپکٹر آف سکول تھے یہ کبھی ابھی ڈپٹی انسپکٹر سکول تعینات تھے کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھنے میں حصہ لیا (احسن نانوتوی ص ۴۵) ملخصاً

تیسرے مولانا یعقوب علی صاحب نانوتوی

یہ مولانا مملوک علی صاحب کے صاحبزادے تھے جو دہلی کالج میں ملازم تھے یہ گورنمنٹ کالج اجمیر میں ملازم ہوئے پانچ سال تک وہاں رہے اس کے بعد سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر آف سکول رہے اس زمانے میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب کا واقعہ پیش آیا اسی زمانے میں وہ اپنے ہی وطن میں رہے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد میرٹھ میں منشی مختار علی کے چھاپہ خانہ میں ملازم ہوگئے (احسن نانوتوی ص ۱۹۵) یہ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے یہ ۱۹ سال تک اسی خدمت جلیلہ پر فائز رہے۔

اپنی سابقہ زندگی کے متعلق لکھتے ہیں تم اس عاجز کا حال اجمیر سے معلوم کرو کہ ستار اور ناچ رنگ میں گزرتی تھی نماز جماعت، تقویٰ طہارت سے کچھ بحث نہ تھی شاعری بھی فرمایا کرتے تھے یا رحمت للعالمین اور یا رسول ان کا ورد زبان اور وظیفہ تھا (احسن نانوتوی ص ۱۹۶)

چوتھے مولانا قاسم نانوتوی تھے

یہ مشہور سرکاری مولوی مملوک علی کے شاگرد تھے اور یہ چاروں دہلی کالج سے پڑھ کر نکلے تھے۔ یہ شیخ اسد علی صاحب کے فرزند ارجمند تھے فارغ ہونے کے بعد پہلے مطبع احمدی پھر مطبع مجتبائی میرٹھ میں اور اس کے بعد مطبع مجتبائی دہلی میں پروف ریڈر رہے اس کے بعد مستقل طور پہ مدرسہ دیوبند میں پڑھانے

رہے دیوبندی حضرات کی نگاہ میں نہایت عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں۔
یہ سب سرکاری ملازم دوران ملازمت دارالعلوم دیوبند کی نگرانی فرماتے رہے بے چارے کیسے حکومت کی مخالفت کر سکتے تھے ان کا کردار غیر مشکوک وفادارانہ تھا۔ انہوں نے ساری زندگی کبھی حکومت کی مخالفت نہیں کی۔

شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب

"پسر مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت سے برسوں میں سیاست سے بالکل پاک و صاف رہا تھا اور اس کے مدرسوں اور متعلمین نے جدید سیاست اور امور خارجہ میں نہایت خفیف دلچسپی لی تھی یا مطلق دلچسپی نہ لی تھی عبیداللہ سندھیؒ کے آنے کے بعد مدرسے کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا" (تحریک شیخ الہندؒ ص ۲۶۲)
یعنی مولانا محمد قاسم کا دور بالکل غیر سیاسی تھا اس کے بعد ان کے خطاب یافتہ وفادار سرکار بیٹے شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب کا دور بھی غیر سیاسی بلکہ انگریزوں سے وابستگی کا دور تھا اس کے بعد مولانا محمود الحسنؒ کا دور جو تقریباً چالیس سال پر محیط ہے اس میں بھی دیوبند کو بچانے کے لیے ہمیشہ مسلمانوں کی تحریکات میں غیر جانبدار رہا اور سرکاری سرپرستی میں ترقی کرتا رہا۔ اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی۔ ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ لیفٹننٹ گورنر کے ایک "خفیہ" معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کا معائنہ کیا تو اس نے اس کے متعلق بہت ہی اچھے خیالات کا اظہار کیا اس معائنے کی رپورٹ کی چند سطور ملاحظہ فرمائیں وہ فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں" (احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

عربی مدارس جنہیں قرآن وحدیث اور فقہ پڑھائی جاتی انگریزوں کو ان کا معائنہ

کرنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ خفیہ معائنہ کیوں کرتے تھے وہ دارالعلوم دیوبند کے سیاسی رویہ کی کیوں تعریف کرتے تھے اس لیے کہ یہ مدرسہ ممد و معاون سرکار معلمین و متعلمین پیدا کرتا تھا اس کے برخلاف باقی مدارس مجاہدین پیدا کرتے تھے اس لیے اس مدرسہ کی سرپرستی کی گئی باقی مدارس کو بند کیا گیا اور مدرسہ رحیمیہ کو توپ سے اڑانا ضروری سمجھا گیا۔

چالیس مدرسے

مولانا عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ ان کی سیاسی تحریک صـ۱۲۲ پر رقمطراز ہیں۔

"سنہ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنا پڑی اس کے فوراً بعد ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں چنانچہ مدرسہ دیوبند کے صرف چھ ماہ بعد متصلہ شہر سہارنپور میں ایک شاخ کھولی گئی آخر میں تو ان شاخوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے چالیس تک پہنچ گئی مدرسہ دیوبند کی ان شاخوں کا نظام لامرکزی تھا۔"

امام انقلاب کا موقف

مولانا عبید اللہ سندھی جن کو مولانا عبدالحق صاحب بشیر نے امام انقلاب کا خطاب مرحمت فرمایا ہے انہوں نے ایک پارٹی جمعیتہ الانصار بنائی۔

" ۱۵-۱۶-۱۷ سنہ ۱۹۱۱ء کو مراد آباد میں ایک اجتماع عظیم ہوا جس میں پارٹی کے اغراض و مقاصد کا اعلان کیا گیا ان میں ایک شق یہ بھی تھی۔

" چھوٹے چھوٹے رسائل مفت شائع کرنا جس میں عقائد اسلام کی تعلیم آریہ کے جوابات۔

اور وفاداری گورنمنٹ کی ہدایت ہو" (تحریک شیخ الہند صـ۱۷۲)

" مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ نہ گرفتار ہوئے نہ ان پر کوئی مقدمہ چلا" (تحریک شیخ الہند صـ۲۶۰)

مجاہدین سے کوئی تعلق نہ تھا

"مولانا سندھیؒ ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۳ھ میں کابل تشریف لے گئے وہاں آپ نے ایک جماعت دیکھی جو پچاسی سال سے کام کر رہی تھی یہ وہ زمانہ ہے کہ علماء صادقپور کی جماعت کے امیر مولانا عبدالکریم (خلف اکبر حضرت مولانا ولایت علی) تھے جو کہ ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۱ھ تک امیر رہے اور ہندوستان میں اس جماعت کے افراد پر سازش کے تحت مقدمات چل رہے تھے۔

مولانا سندھیؒ نے جن سے رابطہ کیا وہ اگرچہ اپنی اہمیت اور عظمت کے لحاظ سے جماعت تھے بلکہ ان کا ہر فرد جماعت تھا مگر وہ کسی جماعت سے منسلک نہ تھے۔ (تحریک شیخ الہند ص ۱۵۴)

جو لوگ ملک سے باہر مجاہدین کے ساتھ مل کر چلنے کے لیے تیار نہیں تھے وہاں کوئی رکاوٹ نہیں تھی وہ ملک کے اندر مجاہدین کے معاون بن کیسے سکتے تھے جہاں بے شمار خطرات تھے لہٰذا یہ مصدقہ بات اور خود علمائے دیوبند کو اس کا اعتراف ہے کہ ان کا مجاہدین سے کوئی تعلق نہ تھا اور ان کا کوئی نظام نہ تھا۔

علمائے دیوبند کی دائمی پالیسی

مولانا عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۱۲ پر فرماتے ہیں:

"مگر دیوبندی جماعت جو مولانا اسحٰق کے زمانے سے دولت عثمانیہ کو اپنا رہنما مان چکی تھی اضطراری حالات کے سوا حکومت کی کامل وفاداری کا اعلان نہ کر سکتی تھی اس نے معتدل حالات میں برطانوی سیاسی مصالح سے غیر جانبداری کو اپنا مسلک بنایا۔ لیکن یہ طے پایا کہ جب بھی دولت عثمانیہ اور دولت برطانیہ میں لڑائی ہو تو اسی وقت دیوبندی جماعت کی غیر جانب داری

ختم کردی جائے گی۔

(۱) یعنی اضطراری حالت میں حکومت کے کامل وفادار رہے۔

(۲) عام حالت میں غیر جانب دار تھے (نہ حکومت کے ساتھ نہ مجاہدین کے ساتھ) لوگوں کو دکھانے کے لیے کہ ہم حکومت کے ساتھ نہیں اور حکومت کو دکھانے کے لیے کہ ہم مجاہدین کے ساتھ نہیں ع

با غباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

اضطراری حالت

لیکن یہ اضطراری حالت کبھی ختم ہوئی جب دولت عثمانیہ پر انگریزوں نے حملہ کیا تو مولانا محمود الحسنؒ نے ہندوستان میں رہ کر شورش بپا کی نہ افغانستان جا کر مجاہدین کی سرپرستی قبول کی بلکہ گوشہ عافیت کی تلاش میں حجاز چلے گئے، حکومت کو خود مشورہ دیا مجھے یہاں جدہ کے قریب رکھو تاکہ میرے ہندوستان جانے سے برطانوی حکومت کے لیے مشکلات نہ پیدا ہوں۔

اور پھر حسب مشورہ آپ کو مالٹا میں بڑی سہولت اور آرام سے رکھا خوب خاطر مدارات کی جب حالات درست ہوئے تو اوپر کے اشارے سے ایک وفد گورنر یوپی کو ملا اور مولانا کو آرام سے بمبئی لا کر چھوڑ دیا نہ کوئی جرم نہ سزا۔

تحریک عدم تعاون - فوجی بھرتی بائیکاٹ

پہلی جنگ عظیم میں حکومت برطانیہ بڑی مشکل میں پھنس گئی تھی وہ فوجی بھرتی کر کے یورپ کے محاذوں پر بھیجنا چاہتی تھی مگر ہندوستان کے تمام سیاسی لیڈر اس کے خلاف تھے اور فوجی بھرتی کا بائیکاٹ کر دیا گیا تھا مگر قائد انقلاب کا رویہ سب سے الگ تھا اپنی کتاب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۱۳۵ پر فرماتے ہیں۔

" باوجود ہزار اختلاف کے سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کی ہمیشہ تائید

کرتا ہوں کہ وہ میری قوم کو فوج میں بھیجنے کا حامی ہے —— ہم تعلیم یافتہ طبقے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ یورپین طریقے پر فنون حرب سیکھیں ہم اپنی قوم سے لعنت کے جراثیم جو مسجدوں اور خانقاہوں سے پھیلتے ہیں اور قوم کو نامردی سکھانے کا کام انہوں نے اسلام رکھا ہوا ہے مذکورہ وقت آنے سے پہلے ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

یعنی جب پورا ہندوستان اس بات پر متفق تھا کہ فوجی بھرتی نہ دی جائے یہ فوج خلافت عثمانیہ کو تباہ کرنے خانہ کعبہ پر گولیاں چلانے کے لیے استعمال کی گئی اس وقت مولانا عبید اللہ صاحب فوجی بھرتی کے حق میں قوم کو تیار کرتے رہے۔

علماء کو قتل کرنے کی سکیم

مولانا اپنی کتاب کے ص۱۳۶ پر فرماتے ہیں: "ہم چاہتے ہیں کہ نہایت نرم زبان میں ان کو یہ باتیں سمجھا دی جائیں مگر ہماری قوم میں ایک ضدی عنصر موجود ہے وہ مسلمانوں کی ہر تباہی قبول کر سکتا ہے مگر اپنے پرانے طرز عمل میں کسی تبدیلی کا روادار نہیں ہم اس کو منہ نہیں لگاتے اور جب موقعہ ملے اسے ختم کر دیں گے۔"

مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے مولانا عبید اللہ سندھی کے خیالات و افکار پر تنقید کی اس کا پیش لفظ لکھتے وقت سید سلیمان ندوی صاحب نے فرمایا:

"مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ایک طرف تو اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی تعریف کی اور شاہ ولی اللہ کا نقطہ نظر بھی یہی بتایا دوسری مصطفےٰ کمال پاشا کی قدیم سے علیحدگی۔ یورپ کی جدید معاشرت ۔ تعلیم ۔ لباس ۔ خط تمدن وغیرہ کی پیروی کا تخیل ہے جس کو مولانا نے اپنی وطنیت کے نظریہ سے آمیز کیا اور اس لیے عربی و فارسی خط کی بجائے لاطینی خط اور علماء کو کوٹ پینٹ اور ہیٹ لگانے کا مشورہ دیا (مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے افکار ص۲۵)

امام انقلاب علماء کو صورتاً سیرتاً انگریز بنانا چاہتے تھے اور ان کا نظریہ تھا کہ

ضدی علماء جو اس کے لیے تیار نہیں ان کو جب موقعہ ملے ختم کر دیا جائے۔

غیر جانب داری

غیر جانب داری کے بہانے میدانِ جہاد سے علیحدگی اختیار کی جائے اور دارالعلوم دیوبند کو بچانے کے لیے ہر قسم کی تحریکات سے علیحدگی اختیار کی جائے غیر جانب داری اس وقت ختم کی جائے جب انگریز حکومت عثمانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کرے انگریز نے خلافت عثمانیہ کو ختم بھی کر دیا مگر اہل دیوبند کی غیر جانب داری ختم نہ ہوئی انہوں نے مجاہدین سے عدم تعاون کر کے ہی انگریز کی مدد نہیں کی بلکہ ان حالات میں تاویلات کر کے مسلمانوں کے اضطراب اور اشتعال کو کم کرنے میں انگریز کی مدد کی۔

بحرانی دور

پہلی جنگِ عظیم کے وقت ایک طرف مجاہدین، ہندوستان کو آزاد کرانے کی بھرپور جدوجہد کر رہے تھے کبھی حبیب اللہ امیرِ افغانستان کو حملہ کرنے پہ آمادہ کرتے کبھی مولانا شیخ الہندؒ کے پاس وفد بھیجتے کبھی خود آزاد قبائل کو اُکسا کر ہندوستان پر حملے کراتے کبھی فوجی بھرتی بائیکاٹ کی تحریک کبھی تحریک عدم تعاون کبھی تحریک ہجرت کبھی تحریک نمک اور ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے وقوعہ نے تو سکوت کا متہ توڑ دیا اور مشتعل پبلک نے سٹیشنوں کو آگ لگائی اور جلیانوالہ باغ میں گولی چلانے والے جرنیل کو انگلستان جا کر قتل کر دیا اور انگریز کا رعب ختم کر دیا اور حکومت برطانیہ کو ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں سے معاہدہ کرنا پڑا کہ وہ جنگ کے بعد ہندوستان کو چھوڑ دے گا۔ اس وقت بھی علماء دیوبند کے سر میں جوں تک نہ رینگی ان کی نظر میں ہندوستان کی حیثیت کیا تھی اس کے متعلق سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

دار الحرب

۱۹۲۷ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس پشاور میں ہوا جس کی صدارت شیخ الہندؒ کے تلمیذ مولانا سید انور شاہ صاحب

کشمیری نے کی موصوف نے خطبہ صدارت فارسی میں دیا جس کے چند جملے حسب ذیل ہیں:

"ملک ما اگر دار الامان است و ما سکونت اندر آں داریم باید کہ احکام ایں در از نسبت مذہب تلاش کنم استیعاب آں ایں وقت ممکن نیست البتہ جملہ چند از معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم با یہود مدینہ در ابتدائے ہجرت از سیرت ابن ہشام نقل می کنم کہ نمونہ از نوعیت معاہدہ با غیر مسلم در غیر دار الاسلام معلوم شد"	اگر ہمارا ملک دار الامان ہے اور ہم اس کے اندر رہتے ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم اس کے احکام مذہبی لحاظ سے تلاش کریں سب احکام کا تذکرہ اس وقت ممکن نہیں البتہ چند جملے سیرت ابن ہشام سے نقل کرتا ہوں جس سے پتہ چلے گا کہ نبی صلعم نے ہجرت کے بعد یہودیوں سے غیر دار الاسلام میں معاہدے کیے تھے۔

کس خوب صورتی سے ہندوستان کو دار الامان ثابت کیا اور غیر دار الاسلام کہہ کر کیسے مطلب نکالا ہے، مزید سُنیے اب رہی یہ بات کہ خود شاہ صاحب کا اس بارے میں کیا خیال تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک ہندوستان دار الحرب نہیں بلکہ دار الامان تھا بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں دار العہد تھا۔

(نفثۃ الصدر اور ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۳۲)

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے مقتدا اور بزرگ تھے اور بے چارے بڑے بھولے بھالے مجاہد بن کالے پانی کی سزائے عمر قید بھگت کر آ گئے تو مولانا گنگوہی صاحب سے فتویٰ پوچھا گیا کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟

جواب

"ہند کے دار الحرب ہوتے میں اختلاف علماء کا ہے بظاہر تحقیق حال بندہ کو

خوب نہیں ہوئی حسبِ اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ واللہ اعلم ''

رشید
۱۳۰۱ھ ۱۸۸۰

(اب جو فتاویٰ رشیدیہ شائع کیا گیا ہے اس میں ۱۳۰۱ھ کو حذف کر دیا گیا ہے)

ان دونوں فتوؤں کو پڑھ کر آپ کی جرأت کا اندازہ ہوتا ہے یہ فتوے تو پبلک کا منہ بند کرنے کے لیے تھے مگر مجاہدین کے خلاف تو آپ نے خم ٹھونک کر فتوے دیے اور اس کے باوجود مولانا عبدالحق بشیر صاحب فرماتے ہیں:

۱۔ چند خفیہ ہاتھوں نے انگریزی اقتدار کی تائید میں اس کی مرضی اور منشاء کے مطابق فتوے دیے۔

۲۔ فرقہ غیر مقلدین خود انگریز نے پیدا کیا اس کے ذمہ مختلف فروعی اور اختلافی مسائل لگا دیے۔

علمائے دیوبند کا عظیم کارنامہ انتظام المساجد اور جامع الشواہد

آپ نے ان فتوؤں کو علمائے دیوبند کا عظیم کارنامہ قرار دیا جو انہوں نے فرنگی لیڈروں اور حاشیہ برداروں اور انگریزوں کے ایجنٹوں کے خلاف لکھے (فتویٰ ربانی ص۱۳)

اگر آپ ان فتوؤں کے مشتملات کو پڑھتے تو آپ کو صاف نظر آجاتا کہ انگریزی اقتدار کی تائید میں کس خفیہ ہاتھ نے فتوے دیے۔ آئیے ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

اپنی خود نوشت سوانح آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ص۲۴۰ پر فرماتے ہیں اس زمانے میں

ہندوستان میں ایک فتویٰ جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد کے نام سے مرتب ہوا تھا اس میں چند عقائد تو واقعی اس جماعت کے تھے اور بڑا حصہ منسوبات کا تھا یا جو الزامی طور پر ان کے عقائد کا استخراج کیا گیا تھا۔ مثلاً لحم خنزیر کی حلت بول طفل صغیر کی طہارت مادہ انسانی کا پاک اور قابل اکل (کھانے کے قابل) ہونا۔ خالہ سے مناکحت کا جواز اور جواز کذب باری تعالیٰ پھر فرماتے ہیں اس کو نہایت رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا گیا۔"

ایک طرف انگریز وہابیوں کے پیچھے پڑا ہوا تھا دوسری طرف آپ کے اکابرین جس میں مولانا کیرانویؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ مولانا یعقوب نانوتویؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی پیچھے پڑے ہوئے تھے اور حافظ محمد لدھیانوی کو تو فتوے بازی کا ہیضہ ہو گیا تھا وہ فتوے دینے کے لیے عظیم آباد (پٹنہ) پہنچے۔ دیکھو جامع الشواہد ص۱ الحدیث اور سیاست ص۳۳۳)

وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ توبہ کریں تو توبہ قبول نہ کی جائے ان مسائل سے برأت کا اظہار کریں پھر بھی ان کو مساجد سے نکال دیا جائے اور ایسے فتوے دیے جائیں جس میں ان کو قتل کرنے کی تلقین کی گئی اور عوام کو کہا گیا کہ ان کے خلاف مقدمات میں بڑھ چڑھ کر شہادت دیں اور ان کو سزا دلوائیں۔

غور فرمائیں یہ خفیہ ہاتھ کون سے تھے جو انگریز کی تائید میں ان خانماں برباد لوگوں کے پیچھے پڑے تھے اور یہ کسی کے بل بوتے پر لدھیانے سے چل کر عظیم آباد پہنچے تھے اور کسی کی اعانت کے لیے نصرت الابرار نامی فتویٰ لدھیانہ علماء نے چھپوا کر تقسیم کیا اور اس پر ۱۸۰ علماء کے دستخط کرائے جس میں مولانا محمود الحسن اور گنگوہی صاحب کے دستخط موجود ہیں۔

اتنا بڑا الزام لگاتے وقت کسی فتوے کی نشان دہی تو کی ہوتی کہ انہوں نے انگریز کی تائید میں آپ پہ فلاں فلاں فتوے لگائے اور آپ کے اکابر کی جہادی سرگرمیوں کی مخالفت کی اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں دی جا سکتی تو پھر اتنا بڑا جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ، دستخط آپ کے اکابرین کے ہوں وہ فتوے میرے ذمے کیسے لگ سکتا ہے آپ تاریخ سازی کرنے کے بعد مطمئن ہو گئے کہ لوگوں کو کیا پتہ ہے میں تو آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے صفائی کا موقعہ دیا اور اپنے بزرگوں کی حقیقت واضح کرنے کی دعوت دی ان فتوؤں کی تفصیل میں ذکر کر آیا ہوں کیا فرقہ غیر مقلدین انگریز نے پیدا کیا اور اسی کے ذمے فروعی اختلاف مسائل لگا دیے۔ آئیے اس کا جواب سنیے:

تحریک کے داعی مذہبی اختلافات پہ بحث نہ کرتے تھے

پروفیسر قیام الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر تاریخ اپنے پی ایچ ڈی کے مضمون "ہندوستان میں وہابی تحریک" کے ص۳۵ پہ فرماتے ہیں:

"تحریک کے سیاسی پہلو نے جو سید احمدؒ کی زندگی میں صاف عیاں تھا بعد کے دور میں غلبہ پا لیا خالص مذہبی اخلاقی تعلیمات کا زور سیاسی تبلیغ میں منقلب ہو گیا۔ ہنٹر بھی اس غیر محسوس تغیر پہ یوں تبصرہ کرتا ہے ابتداء میں مذہبی عنصر کا زور گھٹنے لگا تحریک کے قدیم ترقائدین کے تحت ہی اس کے انحطاط کے آثار نظر آنے لگے تھے پٹنہ کے داعیوں نے بھی صاف طور پہ اس کو محسوس کر لیا تھا اپنی تعلیمات کو زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیا تھا اس دور میں وہابی داعیوں کی تعلیمات سے متعلق رودادوں میں خالص مذہبی مباحث کا کوئی حوالہ مشکل سے ملتا ہے بے شک اب بھی اسلام کے فرائض کا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی بجا آوری پہ زور دیا جاتا تھا۔

مگر وہاں کارکنوں کا اصل کام چندے جمع کرنا اور سرکاری فوجوں میں سپاہ کا اغوا رہ گیا تھا ان کی تعلیمات کا نچوڑ غیر ملکی حکام سے جہاد کا فرض رہ گیا تھا انگریزوں کے خلاف لڑائیوں کے سلسلہ میں شاید ہی کوئی مذہبی مسئلہ کبھی سامنے آیا ہو۔ یہ انگریز کے لیے سیاسی خطرہ بنے رہے ہے۔"

وہابیوں کا فرقہ وارانہ جھگڑوں سے کوئی تعلق نہ تھا

اسی کتاب کے ص۳۵۸ پر فرماتے ہیں: "قدرتاً ان کو مذہبی جھگڑوں اور فرقہ وارانہ موشگافیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی ہندوستان میں اس تحریک کا روزنامچہ نویس ایھاتسیک اس غور طلب مسئلہ کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتا ہے بغاوت کی یہ خبریں رفتہ رفتہ وہابیوں کی اصل تعلیمات پر جیسے اخلاق پاکبازی، مشرکانہ رسوم کا قلع قمع۔ جن کی شروع میں بڑے جوش و خروش سے تاکید کی جاتی تھی ایسی چھا گئیں کہ ان سب کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد ۱۴ ص۲۶۲) ایسی مثالیں جہاں ان کے داعی و مبلغین صرف دینی امور پر بحث کرتے اور سیاسی مسائل سے اجتناب کرتے قریب قریب مفقود ہیں قدرتاً ان کو تحریک کے مذہبی پہلو سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی اس کی سیاسی اور مخالف حکومت اپیل ہی زیادہ عملی اور معقول دکھائی دی جس پر وہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس روش میں تغیر نے عوام کو اس تحریک کا ہمدرد اور بہی خواہ بنا دیا۔

سید احمد شہید کی وفات کے بعد تحریک کا سیاسی پہلو غالب آگیا جو اس کی تاریخ پر چھا گیا۔"

پھر ص۳۶۲ پر فرماتے ہیں:۔

"انگریز مصنفوں نے اور ان کے تتبع میں بعض حالیہ مصنفوں نے بھی یہ خیال ظاہر کیا کہ وہابیوں کے شدید دینی جوش نے قبائلیوں کی ہمدردی کھودی

لیکن اس فیصلے کی صحت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔"
حضرت یہ وہابی اگر ان بحثوں میں پڑتے جن میں آپ ان کو الجھانا چاہتے تو ڈھاکے سے لے کر بمبئی تک اور راس کماری سے لے کر لنڈی کوتل تک یہ تحریک ۱۸۲۶ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک کبھی نہ چل سکتی اور فرقہ جاتی کش مکش کی نظر ہو جاتی۔
کوئی شخص جس کی کھوپڑی میں مغز موجود ہو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ انگریزوں سے لڑنے والے وہابی اصل کام کو چھوڑ کر مسلمانوں کے فرقوں سے اُلجھنے لگتے۔
یہ تو آپ کے بزرگ تھے جو مجاہدین کا دامن کھینچ کر ان کو ان مباحث میں گھسیٹتے تھے مگر وہ پہلو بچا کر نکل جاتے تھے آپ کے اکابرین حکومت برطانیہ کے سایہ ہما پایہ میں بیٹھ کر یہ کارہائے نمایاں انجام دیتے تھے اور اس کے بدلہ میں حکومت سے داد وصول کرتے تھے۔

ہندوستان میں امن و امان رہا

یہی وجہ ہے تحریک شیخ الہندؒ نے معنف مولانا محمد میاں سی آئی ڈی اور انڈیا آفس لائبریری کے ریکارڈ سے جو رپورٹ مرتب کی اس میں یہ لکھا حکومت اس بات سے بہت خوش تھی کہ دوران جنگ ہندوستان میں امن رہا اور کسی قسم کی شورش نہیں ہوئی حالانکہ تمام اکابرین دیوبند ہندوستان میں موجود تھے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ شروع ہوئی مجاہدین تڑپتے رہے کہ کسی طرح حبیب اللہ ہندوستان پر حملہ کر دے وہ نہ مانا تو انہوں نے ہزار منت حضرت شیخ الہندؒ کو منانے کے لیے کی اور یکے بعد دیگرے تین وفد ان کے پاس بھیجے مگر وہ نہ مانے اور حجاز چلے گئے تاکہ امن سے وقت گزاریں۔

رسوائی سے بچنے کے لیے مولانا عبید اللہ کو افغانستان بھیج دیا

پھر اس بدنامی سے بچنے کے لیے اور عزت بحال کرنے کے لیے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیج دیا۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ کے شاگرد رشید ظفر حسن ایبک اپنی خود نوشت سوانح آپ بیتی جلد ا صـ۹۶ پر رقمطراز ہیں :

" مولانا محمود الحسن اور دوسرے مسلمان لیڈروں نے ان کو کابل اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ سابقہ عزت بحال ہو مگر کوئی خاص پروگرام ان کو نہ دیا تھا۔"

مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب تحریک شیخ الہند صـ۳۰۱ پر مولانا سندھی کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں :

" میں ۱۳۳۳ھ ، ۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے کہنے سے کابل گیا مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا اس لیے میری طبیعت ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی۔"

دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے انہوں نے بھی اپنا نمائندہ بنا دیا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہ بنا سکے۔

مولانا شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ کو کچھ نہیں بتایا

نقش حیات صـ۵۵۹ پر مولانا مدنی فرماتے ہیں " بیرون ہند سرگرمیوں کی تفصیلات سے مولانا سندھی کو آگاہ نہیں کیا تھا ــــــ مولانا سندھی وہاں کے کام سے تو کیا اس کی حقیقت سے بھی قطعاً نابلد تھے۔"

مولانا سندھیؒ کی مجاہدین سے بے تعلقی

مولانا عبید اللہ سندھی صاحبؒ ۱۹۱۵ء میں کابل تشریف لے گئے وہاں آپ نے ایک جماعت دیکھی جو پچاس سال سے کام کر رہی ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ علمائے صادق پور کی جماعت کے امیر مولانا عبد الکریم (خلف مولانا ولایت علی) جو نومبر ۱۹۱۵ء بمطابق

۱۳۳۰ھ تک اسیر رہے اور ہندوستان میں ان کی جماعت کے افراد پر سازش کے مقدمات چل رہے تھے (تحریک شیخ الہند ۱۰۴ پچاس سال نہیں پچھتر سال سے کام کر رہی ہے) مولانا سندھی اس جماعت مجاہدین سے کوئی تعلق نہ تھا (بلکہ کسی دیوبندی کا مجاہدین سے کوئی تعلق نہ تھا) "ایسے اصحاب بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے اور جو پیش نظر مقاصد کے لیے ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہو سکیں پھر شیخ الہندؒ کے سامنے بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دار العلوم کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں" (تحریک شیخ الہند ص ۱۰۴)

مولانا شیخ الہندؒ کسی بھی تحریک میں حصہ لینے کے لیے تیار نہ تھے اور اس کے لیے صرف ایک مدرسے کی بقا کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے حالانکہ اگر مولانا ملک کو آزاد کرانے کے لیے کابل چلے جاتے تو آج افغانستان اور ہندوستان ایک ملک ہوتا اور ایسے دس ہزار مدرسے بنائے جا سکتے تھے مگر افسوس کہ ان کے نادان مشیروں نے ایسا نہ کرنے دیا اور بعد میں آنے والے مورخین مولانا عبید اللہ سندھی مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد میاں اور ایوب قادری نے تاریخ کو مسخ کر کے ان کو ہیرو بنانے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کامیاب ہو جاتی مگر انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ حقیقی مجاہدین کی تذلیل کی اور ان کی مساعی کا تمسخر اڑایا، ان کو گندہ کرنے کی کوشش کی اور ان پر انگریز آشنائی کی تہمت لگا کر ان کو وہابی کے لقب سے نوازا اور اسی نام کے طعنے دیئے گو وہ اس وقت مغضوب و مقہور تھے۔ مگر اللہ ایسی حرکات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ان پر الزام تراشی آپ کی پردہ دری کا باعث بن گئی۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں برد

مولانا شیخ الہند کا ایک اپنا علمی مقام ہے ان کے سینکڑوں شاگرد ہیں

جو ان کا سرمایہ ہیں لیکن وہ مجاہد نہ تھے نہ انہوں نے تمام عمر کبھی جہاد میں حصہ لیا جب مجاہدین کے مدارس تباہ کیے جا رہے تھے اور مدرسہ رحیمیہ دہلی جیسے مدارس کو توپ سے اڑانا ضروری سمجھا گیا اور متحدہ بنگال

اسی ہزار مدارس جن کا تذکرہ مولانا سندھی نے کیا کو زیر و زبر کر دیا گیا تھا۔ ایسے وقت میں دارالعلوم دیوبند کا چند سرکاری ملازمین کی سرپرستی میں اجراء چہ معنی دارد۔ دوران ملازمت ہی وہ بے قرار ہو گئے کہ دارالعلوم جاری کریں آخر کیوں ؟

پھر اس مدرسہ کو بچانے کے بہانے اپنی پالیسی غیر جانبدارانہ رکھی کہ نہ حکومت کے ساتھ ہیں نہ مجاہدین کے ساتھ۔ اور اس پالیسی کو حکومت نے بھی بنظر استحسان دیکھا اور بزرگ عوام الناس کی خواہشات کے علی الرغم حجروں میں بیٹھے رہے جہاد میں شریک نہ ہوئے، مجاہدین سے الگ رہے ان سے کوئی تعلق نہ رکھا اور بہانہ یہ بنایا کہ دارالعلوم دیوبند پر کوئی افتاد نہ پڑے۔

مدرسوں کی آڑ میں تحریک مجاہدین سے بے تعلقی

کیا ملک کی آزادی کے مقابلے میں

ایک مدرسے کی قربانی بہت زیادہ تھی کیا ہزاروں شاگرد جو اس مدرسے سے فارغ ہوئے تھے اور اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے تھے صرف ایک مدرسے کو بچانے کے لیے مسجدوں اور حجروں میں گھسے رہے کہ یہ مدرسہ بچ جائے اور ان علماء، مولانا محمود الحسن، رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی۔ حافظ ضامن صاحب، رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے علاوہ سب کو سانپ سونگھ گیا تھا نہیں ایسا نہیں بلکہ یہ تاریخ کی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انہوں نے تحریک مجاہدین کا ساتھ نہ دیا، مدرسوں کی آڑ میں غیر جانب داری کا اظہار کرتے رہے

اور اپنے خیال میں اضطراری حالات میں حکومت کے حق میں اور مجاہدین کے خلاف فتوے دیتے رہے اور جب وقت گزر گیا اور جب انگریز جنگ جیت گیا تو اپنی خفت مٹانے کے لیے مجاہدین کی ہم نوائی شروع کر دی اور اپنے اکابرین کو مصنوعی ہیرو بنانے میں مصروف ہو گئے ورنہ مولانا عبید اللہ اسی جماعت سے کیوں منسلک نہ ہوئے جو ۱۸۲۶ء سے انگریزوں کے خلاف لڑ رہی تھی کیا ان کے مقاصد ان سے مختلف تھے کیا یہ مجاہدین کانگریس کے ہندوؤں سے بھی بدتر تھے کہ اصحاب دیوبند ان کے ساتھ نہ چل سکتے تھے

حقیقت میں علمائے دیوبند کی پالیسی مفاد پرستانہ تھی یہ ہمیشہ سے پیچھے رہے ان کی پالیسی دو رخی رہی کہ ہر قسم کے حالات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مجاہدین اگر جیت جاتے تو یہ مبارک دینے کے لیے سب سے پہلے حاضر ہو جاتے۔

اب انگریز جیت گیا تو اس سے بھی غیر جانبداری کے عوض مفاد حاصل کیا اپنے مدارس کے لیے ہمدردی معاونت اور مالی تعاون حاصل کریں۔

قربانی سے فرار کی پالیسی نے آج یہ دن دکھایا کہ ہندوستان میں مسلمان لیڈر شپ ختم ہو گئی خود ہندوؤں کو آگے لگایا۔ اُن کی مدد کی مگر انہوں نے آزادی کے بعد کسی بھی قسم کا مفاد دینے کی بجائے اُلٹا حقوق چھین لیے ہر روز ہندو مسلم فساد کی خبریں آتی ہیں جو فساد نہیں بلکہ ہندوؤں کے مسلمانوں پر حملے ہیں مسجدیں چھینی جا رہی ہیں۔ نس بندی اور نسل کشی کی جا رہی ہے۔ ملازمتوں سے نکالا جا رہا ہے کلیدی اسامیوں پر مسلمانوں کا تقرر ناممکن ہے فوج میں ان کا تناسب صفر ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی خانقاہ اب بھی اسی سرزمین میں موجود ہے مگر اس کے سربراہان آج بھی خاموش متفادانہ پر بیٹھے ہیں۔ ہندوستان کی دس کروڑ مسلمان آبادی مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اپنے مستقبل سے مایوس، مجبور اور مقہور پڑی ہے اور ان کو

کچھ نہیں سوجھتا علمائے دیوبند نے کبھی پہلے آزادی کی تحریک میں حصّہ لیا نہ اب اس میں کوئی زندگی کی رمق باقی ہے ہاں مسلمانوں کی سرپھٹول میں وہ قائد کی حیثیت سے اب بھی خم ٹھونک کر لڑنے والے افراد پیدا کرتا ہے مگر راہِ خدا میں جہاد کے لیے نہ ان میں پہلے کوئی شخص پیدا ہوا اور نہ اب امکان ہے یہ ادارہ بانجھ ہے۔ مجلس احرار کی تحریک شہید گنج سے علیحدگی اسی ذہنیت کی عکاس ہے۔

آج پھر وہی مسئلہ دارالحرب اور دارالاسلام موجود ہے

آج بھی علمائے دیوبند کا وہی موقف ہے ہندوستان کی حکومت کے خلاف جہاد تو دُور کی بات ہے وہ ان کے خلاف دارالحرب کا فتوے دینے کی بھی جرأت نہیں رکھتے اور یہ سزا ہے اس کردار کی کہ تم نے کشتگانِ خنجر تسلیم کا اس وقت ساتھ نہ دیا آج خدا نے تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے آج پھر ضرورت ہے کہ دس کروڑ مسلمان ہندوستان کے خلاف جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں پاکستان بنتے وقت تیس کروڑ ہندو مسلمانوں کا راستہ نہ روک سکے تھے آج بھی کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکتا لیکن آج پھر ہمیں سید شہید، مولانا ولایت علی اور عنایت علی مولانا عبداللہ، مولانا بشیر اور مولانا فضل الٰہی کی طرح اپنے گھر بار جائیداد منقولہ غیر منقولہ، آرام و آسائش چھوڑ کر سربکف ہوکر میدان میں نکلنا ہوگا۔

یہاں کا غذی شیروں کی ضرورت نہیں جذبہ جہاد کی ضرورت ہے جو نہ پہلے اس درگاہ کے سپوتوں میں موجود تھا نہ اب ہے، علمائے دیوبند کا مشن تھا جان بچاؤ اور مال کھاؤ۔

۱۔ کچھ لوگ جان بچانے کے لیے مکہ بھاگ گئے۔
۲۔ کچھ لوگ مدرسوں میں گھس گئے اور تعلیم کو جان بچانے کا بہانہ بنایا۔
۳۔ کچھ لوگ تبلیغی جماعت بنا کر مجاہدین سے الگ ہوگئے۔

مقصد سب کا جان بچانا تھا۔

علامہ عثمانی صاحبؒ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلق فرماتے ہیں
وہ ہمارے آپ کے مسلم رہنما تھے ان کے متعلق لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا
کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیے جاتے تھے اس
ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت
تی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ اس کا شبہ بھی نہ گزرتا۔
(مکالمۃ صدرین ص ۹ ضرب شدید ص ۲۹)

یہ زمانہ وہ تھا جب روپے دو روپے میں بکری دس بارہ روپے میں گائے
اور ایک روپے میں من ڈیڑھ من گندم مل جاتی تھی تھانوی صاحب بے چارے
بہت بھولے بھالے تھے ان کی جیب میں چھ صد روپے ماہانہ آجاتے جو
آج کل کے ساٹھ ہزار روپے سے بھی زائد بنتے ہیں مگر انہوں نے سوچا بھی نہ
تھا کہ روپیہ کہاں سے آتا ہے اور پھر آپ ہی بتائیں کہ گورنمنٹ خفیہ امداد
کیوں دیتی تھی۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے علاوہ اس کے پیش نظر کیا ہو
سکتا ہے وہ اس لیے تو نہ دیتی تھی کہ یہ روپیہ مجاہدین کو ملے اور وہ انگریز
سے لڑیں۔

یہی حال مدرسہ دیوبند کا تھا کبھی وہ لارڈ یا مر سے معائنہ کراتے کبھی گورنر
یوپی سے معائنہ کرواتے اور چندہ وصول کرتے کبھی دہلی دربار میں ان کے
مہتمم صاحب جا کر وفاداروں کے ساتھ بیٹھتے آج اسی سرشت پر دیوبند
قائم ہے پہلے اس کا معاملہ انگریز سے کرتے رہے اب ایک ہندو عورت اندرا
گاندھی کے قصیدے پڑھتے ہیں اس کو مہمان خصوصی بنایا گیا اور حکومت
ہند سے خوب مال اور مفادات حاصل کیے۔

تبلیغی جماعت

یہی حال تبلیغی جماعت کا ہے (اس کتاب مکالمۃ الصدرین
کے ص ۸) پر رقمطراز ہیں:

۱۔ مولانا الیاس صاحب کی تبلیغی جماعت کو ابتداً حکومت کی جانب سے

بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا بشیر احمد صاحب کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

انگریزی حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اس کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہوئے جو لینا ہے اس سے لینا ہوگا (مکالمۃ الصدرین صلا ضرب شدید ص۳۷)

مولانا محمود الحسنؒ کا سفر حجاز

بعض باخبر حضرات نے مولانا کو عرض کیا کہ ان دنوں زیر قانون تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کو نظر بند کر رہی ہے۔ مولانا ظفر علی۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی نظر بند ہو چکے ہیں آپ کی نسبت بھی فکر ہے مناسب ہے کہ اس فتنہ کے زمانے میں اپنی حفاظت کا سامان کریں (جان بچائیں) ارادہ حجاز کا تھا کہ کم از کم مدت جنگ وہیں امن و امان سے یادِ الٰہی میں مشغولیت رہے (اسیر مالٹا ص۱۴)

تم کو فخر ہے کہ تم نے ہر طرح سے جان بچا لی۔ مجاہدین سے بے تعلق رہے یہی علمائے ہند اور علمائے دیوبند کا شاندار ماضی ہے اور یہی تمہارا مستقبل ہے لیکن اگر آپ کے اکابرین میدانِ جہاد میں مرتے تو ابد الآباد تک زندہ رہتے۔

مجاہدین کی عزیمت

اس کے برخلاف مجاہدین کو انگریز کہتا رہا کہ واپس آجاؤ اخراجات ہم دیں گے۔

قیام الدین صاحب پی ایچ ڈی اپنی کتاب "ہندوستان میں وہابی تحریک" کے ص۲۲۳ پر رقمطراز ہیں:

"اس زمانہ میں انگریز حکام نے ایک چیٹھی تمام وہابیوں کو خطاب کر کے لکھی جس میں پیشکش کی گئی کہ ان سب کو معافی مل سکتی ہے اور ان سب لوگوں کو جو اطاعت قبول کر لیں گے وطن واپسی کے اخراجات ملیں گے لیکن وہابیوں

نے یہ پیشکش پائے حقارت سے ٹھکرا دی۔" پھر ص ۲۲۷ پر فرماتے ہیں:
"وقت گزرنے پر وہابیوں پر دشواریوں کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا
کئی مہینوں تک غلہ دستیاب نہ ہوا اور فاقہ زدہ جماعت درختوں کی جڑیں
اور پتے کھاتی رہی ان میں سے زیادہ تر خون پیچش میں مبتلا ہو گئے۔
خود عنایت علی کو تیز بخار ہو گیا اور دس دن بغیر کسی دوا اور غذا کے گذارے عنایت
علی جیسی وقف رضائے الٰہی تک کی جان کے لیے حقیقتاً یہ ایک سخت آزمائش
کی گھڑی تھی پھر بھی ان کے قدم نہ ڈگمگائے اور انگریز کی تسلیم و اطاعت کی
پیشکش کو قبول کرنے کی بجائے اپنے وسائل کی تنظیم کی کوششیں جاری رکھی
ان شدید مصائب میں انہوں نے ۱۸۵۸ء میں انتقال کیا انہوں نے اپنے پیچھے
شاد اور آباد وطن چھوڑا۔"

ان لوگوں سے مقابلہ وہ لوگ کیسے کر سکتے ہیں جو اپنی جان بچاتے پھرتے
تھے وہ اور ان کے ساتھی رحم کی درخواستیں دیتے تھے سہولتوں کے مطالبے
کرتے آرام و آسائش سے نظر بندی کے ایام میں گوشت مرغ کھاتے
گورنر کے خصوصی ایلچی ان کی خیریت پوچھنے مالٹا پہنچتے تھے اور سپیشل ڈاکٹر
ان کی صحت کا خیال رکھتے اور بحکم سرکار ہندوستان سے مالٹا جا کر ان کی
خبر لاتے۔

سراپا معافیاں

معافی مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے خلاف شکایت شریف مکہ
کو پہنچیں اور اس نے ہمیں طلب کیا تو حافظ عبدالجبار صاحب
دہلوی نے کہا کہ اگر تو (حسین احمد مدنیؒ) اس پر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے
ہاتھ چوم کر معافی طلب کرے تو یہ سب قضیہ رفع دفع ہو جائے میں نے
کہا مولانا (محمود الحسن) کی راحت کے لیے شیخ الاسلام کے ہاتھ کیا پیر

چومنے کے لیے بھی تیار ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں وہاں پہنچا شیخ الاسلام کے ہاتھ چومے معافی طلب کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔

(اسیر مالٹا صـ ۶۶)

پھر استرحام (رحم کی اپیل)

دہلی کے تاجروں نے آپ کے لیے رحم کی درخواست کی چونکہ رحم کی درخواست اتنے بڑے عالم دین کے لیے اس کی اجازت سے بڑی ندامت اور اہانت کی بات تھی اس لیے مولانا مدنی صاحبؒ نے رحم کی درخواست کو عربی الفاظ میں تبدیل کر دیا تاکہ عام آدمی سمجھ نہ سکیں اور لفظ استرحام (رحم کی اپیل) استعمال کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"دہلی کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریف مکہ کے یہاں پہنچی اور کہا کہ ہم آپ کی خدمت میں استرحام (رحم کی اپیل) کے لیے حاضر ہوئے ہیں اگر مولانا اور ان کے رفقاء سے کوئی قصور ہوا ہے تو آپ خود ان کو سزا دیں غیر مسلموں کے حوالے کریں اس نے کہا انگریزوں سے ہماری دوستی نئی ہے اسلئے ہم رعایت نہیں کر سکتے۔ (اسیر مالٹا صـ ۶۸)

ایک اور معافی

"مولانا (محمود الحسن) کو آفس میں بلایا گیا اور کہا گیا کہ ہمارے پاس حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطر داری کریں اور فوجی کپتان کے برابر آپ کو مراعات دی جائیں۔

مولانا نے واپس آکر ہم خدام سے بیان فرمایا اور حکم فرمایا کہ جن چیزوں کی ضرورت ہو اور مناسب معلوم ہو اس کو لکھو اس لیے ہم نے اگلے دن ایک مفصل عرضی لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم گرم ملک کے رہنے والے ہیں مالٹا نہایت سرد جگہ ہے جس طرح اہل یورپ کو وسط افریقہ کی گرمی ستاتی ہے اور امراض پیدا کرتی ہے۔ اس طرح ہم لوگوں کو ان سرد

ملکوں کی آب وہوا مناسب نہیں ہوتی ہیں (مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں مختلف امراض میں مبتلا ہوں ہمیشہ وطن میں باوجود گرم ملک ہونے کے سردی سے مجھ کو بہت ضرر پہنچتا ہے اس لیے مالٹا کی تکلیف کا متحمل نہیں ہوسکتا ہمیشہ مجھے اپنے رفقاء کی نسبت یہی خوف رہتا ہے کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا ہے کسی سخت بیماری کا سامنا نہ ہوجائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جب میں کسی قسم کا واقعی مجرم نہیں ہوں (جہاد کا تو حضرت کو کبھی خواب بھی نہیں آیا) مجرم کیسے بنتے وہ تو خیر خواہ تھے) تو جلد آزاد کردیا جاؤں اور اگر یہ منظور نہ ہو تو کم ازکم اتنا تو ضرور ہوجائے کہ مجھ کو اسارت ہی میں رکھا جائے کہ مصر کے ان شہروں میں مجھ کو رکھا جائے جہاں یہ سردی زیادہ نہیں ہوتی تاکہ اسلامی شہر اور گرم ملک ہونے کی بنا پر مجھ کو مختلف تکالیف کا سامنا نہ ہو (ہائے جان کتنی پیاری ہے) مجھ کو اور میرے رفقاء کو کھانے کی سخت تکلیف ہے ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جس پر ملّی حیثیت سے بھی مدار زندگی شمار کیا جاتا ہے، مالٹا میں اگرچہ زندہ جانور منگوانے کی اجازت ہے مگر وہ نہایت گراں ہے ہمارا لباس بھی پرانا ہوگیا ہے اس لیے اس کا بھی انتظام ہونا چاہیے ہماری آزادی سے نقل مکانی کی کوئی صورت پیدا کی جائے ڈاکٹر صاحب نے مولانا کو بلا کر ان کی صحت کے متعلق پوچھا اور کہا کہ گورنمنٹ ہند سے حکم آیا ہے کہ آپ کی صحت کی تحقیقات کرکے اس کی اطلاع دوں" (ماشاء اللہ باغیوں سے یہی سلوک ہونا ہے) (اسیر مالٹا ص۱۷۵)

ایک اور معافی

مسٹر برن گورنر یو پی کے خصوصی ایلچی جب مولانا کو مراعات دلانے کے لیے پہنچے تو انہوں نے ان کو بھی درخواست کی (اسیر مالٹا ص۱۷۱)

"پھر مولانا نے اپنی سن رسیدگی ضعیف العمری کا ذکر کیا کہ مجھے ہندوستان

دیو بند بھیج کر قید رکھ لو یہاں کی قید طبی طور پر میری صحت کے لیے موزوں نہیں۔"

اس کے بعد مولانا خلیل احمد، مولانا حبیب الرحمن۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحب۔ حکیم محمد حسین صاحب کے خطوط آئے کہ آپ مسٹر برن چیف سیکرٹری گورنر یو پی کی پیش کردہ شرائط کو قبول فرما کر بہت جلد ہندوستان تشریف لائیں ہماری استدعا پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کر لی ہے۔"

ایک اور معافی

"یہ بھی معلوم ہوا کہ حسبِ اشارہ احباب نے ایک وفد علماء گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لیے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے صاحب موصوف (مسٹر برن) مالٹا اُترے تھے (اسیر مالٹا ص ۱۸۹) پتہ نہیں نظر بندی اسارت تھی یا مہمانی، بظاہر نظر بندی دراصل میں نورا کشتی معلوم ہوتی ہے جو باہم صلاح مشورہ اور افہام و تفہیم سے اختتام پذیر ہوئی۔ کیونکہ مولانا مدنی (اسیر مالٹا ص ۲۰۵) پر فرماتے ہیں:

"ان کو بمبئی لا کر آزاد کر دیا گیا کوئی سزا یا باز پرس نہیں کی گئی۔"

ذرا سوچ کر بتائیں کون گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں پلا اور اپنی جان بچانے کے لیے اور لوگوں کے غیض و غضب سے بچنے کے لیے خود درخواست دے کر حکومت کی خیر خواہی کا مشورہ دے کر نظر بند ہوا کہ ہمیں ہندوستان نہ بھیجو، ہمیں جدہ اور اس کے مضافات میں رکھو تاکہ لوگ مشتعل نہ ہو جائیں اور گورنمنٹ برطانیہ مشکل میں نہ پڑ جائے (معافیوں کے یہ سب حوالے دیو بندی مصنفین نے نقل کیے ہیں۔

ایک حوالہ اور

سیرت ثنائی کا بھی یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ مولانا محمود الحسنؒ خود آ کر اپنے شاگردوں کو کہتے۔ بچو مجھے چھڑانے کی کوشش کرو۔ مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ کس طرح قید میں

سے اپنے شاگردوں کو اپنی رہائی کے لیے کہتے تھے۔

انہوں نے ایک شعر لکھا جس میں ایک شاعر اپنے معشوق کے متعلق کہتا ہے کہ میرے مکان کا دروازہ بند ہوتا ہے کوئی راستہ اندر آنے کا نہیں ہوتا مگر پھر بھی میرا معشوق آجاتا ہے اسی طرح مولانا بھی آجایا کرتے تھے پتہ نہیں مولانا رہائی کے لیے کس قدر بے قرار تھے اور کس کس طریقہ سے اپنے شاگردوں کو اپنی رہائی کے لیے کہا کرتے تھے جیسے مولانا ثناء اللہ صاحب نے اشارۃ النص میں بیان کیا۔

کیا صاحب عزیمت لوگ ایسا ہی کرتے ہیں کیا امام ابو حنیفہؒ نے وقت کی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کیا، کیا امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ نے بھی رہائی کے لیے خواہش یا کوشش کی۔

تمہیں لوگوں کی عزت سے کھیلنا آتا ہے اور اپنی حالت تم کو معلوم نہیں۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ ظالم اپنی نظروں کا ذرا شہتیر بھی

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

شیخ الہندؒ کے بعد سب سے بڑا نام ان کا ہے وہ دیوبندی مکتب فکر کا تعصب پیدا کرنے والا پہلا آدمی ہے اور اہم لوگوں سے یہ ایک ذات ہے جن کا ورود افغانستان میں سیاسی تھا لیکن جب ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے کیا کارہائے نمایاں کیے "تو نہ اسلامی عقائد ان کے کسی کے لیے قابل قبول ہوئے اور نہ ان کی سیاسی روش ہی مسلمانوں یا مجاہدین کے لیے سود مند ہوئی بلکہ ان کی زندگی اس قابل نہیں کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔

میں اس سے پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ حضرت مولانا افغانستان بغیر کسی پروگرام کے گئے تھے اور وہاں مجاہدین کی جماعت جو ۱۹۲۶ء سے کام

کر رہی تھی اس سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

آپ کے مذہبی مزعومات کے متعلق مولانا مسعود عالم صاحب ندوی فرماتے ہیں :

"ہم مولانا کے نئے افکار سے متفق نہیں اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ ان کے جدید نظریات کتاب وسنت کے صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم ان نظریوں کی تنقید و تنقیح پر مجبور ہیں خواہ اس میں جذبات محبت و عقیدت ہی کو کیوں نہ ٹھیس لگتی ہو۔ (مولانا سندھی کے افکار ص۱۵)

مولانا نہایت متعصب اور تنگ نظر دیوبندی تھے ان کی یہ تنگ نظری خود اپنوں کے نزدیک بھی محل نظر تھی چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں

"مولانا سندھیؒ کے نزدیک سید شہیدؒ کی تحریک کی ناکامی کا سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں شوکانیت اور وہابیت یا صریح لفظ کہیے کہ غیر مقلدیت کی آمیزش ہوگئی تھی۔" (افکار سندھی ص۱۷)

"مگر جہاں تک خاکسار کا تعلق ہے اس تحریک کے علمبرداروں میں فقہی جنگ وجدل نے کبھی راہ نہیں پایا، مولانا سندھی بہت آزاد خیال ہیں مگر مقلدیت کے باب میں ان کا تشدد علیٰ حالہ قائم ہے۔"

گویا مولانا نے تحریک مجاہدین پر الزام تراشی کی ہے اور ان کی تحریر غلط بیانی اور زور بیانی کا پلندا ہیں۔

امامِ انقلاب کھانا کیسے کھاتے تھے

مولانا سندھی اپنی کتاب کابل میں سات سال ص۳۸ پر فرماتے ہیں :

"ہم نے ایک دن چھری کانٹا استعمال کرنے کی مشق میں صرف کیا اور پھر بے تکلف دعوتوں میں شریک ہوتے رہے۔"

مولانا کھانے میں چھری کانٹا استعمال کرتے تھے اور اس کا فخر سے تذکرہ فرما رہے ہیں۔

عربی رسم الخط بہت بڑی روکاوٹ

مولانا اپنی اسی کتاب کے ص۱۳۷ پر فرماتے ہیں :

"تعلیم و تربیت کی راہ میں ہمارا عربی رسم الخط ایک قوی مانع ہے ایک ایسے انسان کو جو چوبیس گھنٹے کام میں مصروف رہتا ہے یہ خط سکھانا بہت مشکل ہے رومن حروف جو علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے ہیں ان کی وجہ سے ایک دفعہ حرف شناسی کے بعد ساری عمر کے لیے انسان فارغ ہو جاتا ہے۔"

اس رومن طرز تحریر کو اپنانا چاہیے اور عربی طرز تحریر کو ترک کر دینا چاہیے۔

مولانا کوٹ اور ہیٹ پہنانا چاہتے ہیں

مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے (افکار سندھی ص۲۵)

" مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ایک طرف تو اکبر کے دین الٰہی کی تعریف کی اور شاہ ولی اللہؒ کا نقطہ نظر بھی یہی بتایا دوسری طرف مصطفےٰ کمال پاشا کی قدیم سے علیحدگی۔ یورپ کی جدید معاشرت۔ تعلیم۔ لباس۔ خط۔ تمدن وغیرہ کی پیروی کا تخیل ہے جس کو مولانا نے اپنے وطنیت کے نظریہ سے آمیز کیا اور اس لیے عربی اور فارسی خط کی بجائے لاطینی خط اور علماء کو کوٹ پینٹ اور ہیٹ لگانے کا مشورہ دیا"

وہ قدیم علماء کے خلاف تھے

" ایک ضدی عنصر ہماری قوم میں موجود ہے وہ مسلمانوں کی ہر تباہی قبول کر سکتا ہے مگر اپنے پرانے طرز عمل کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں ہم اسے منہ نہیں لگاتے، جب موقعہ ملے گا اسے ختم کر دیں گے" (ص۱۳۶ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک)

تصوف اور ہندو یوگ

مولانا نے تصوف کو ہندو یوگ سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی (ص۲۴ افکار سندھی)

ان کے خیال میں علماء تصوف نے ہندؤوں سے استفادہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"ہمارے بعض علماء اس سے بہت چڑتے ہیں کہ مسلمان صوفیا نے ہندوستان کے ویدانت سے استفادہ کیا ہے" (ص ۱۳۵ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک)

خلافت ہر زمانے کے لیے نمونہ نہیں

فرماتے ہیں "خلافت راشدہ قرآنی حکومت کا نمونہ تھی لیکن یہ نمونہ ہر زمانہ میں منتقل نہیں ہوسکتا۔"

قرآن اور گیتا

"قرآن مجید وحدت ادیان کا قائل ہے اور اسی بنیادی فکر کا ترجمان ہے گو اس کی زبان عربی ہے اصل حقیقت تو وہی ہے جو گیتا میں ہے" (افکار سندھی ص ۲۹)

مولانا کے نزدیک گیتا حق ہے مگر اس کی تعبیر غلط کی گئی ہے۔

اسلام اور قومیت

مولانا فرماتے ہیں "قرآن کا پیغام سب قوموں کے لیے تھا لیکن آپ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ قریش کی تہذیب و اصلاح کی جائے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں ایک قومی دوسری عمومی" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۹۱)

پھر فرماتے ہیں "اسی ذہنیت کا نتیجہ یہ تھا کہ عربی متن کی تلاوت کرنا ثواب ٹھہرا" (ص ۱۹۲ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک)

وہ نبی جس نے عربی عجمی اسود و احمر قومی، وطنی اور نسلی تفریقیں سب مٹا دی تھیں ان پر یہ کتنا بڑا بہتان ہے کہ وہ قریش کی قومیت کی بالادستی کے لیے کام کرتے رہے اور قرآن کی تلاوت اس لیے ثواب ٹھہری کہ وہ قریش کی زبان ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے خیالات بہرحال غلط ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہوئے

علمائے دیوبند کے خیالات بھی ویسے ہی ہیں مولانا محمد میاں ۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور اکثر علمائے دیوبند کا خیال ہے کہ قوم وطن سے بنتی ہے اس لیے ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں اس پر برہم ہو کر شاعر مفکر اسلام نے یہ کہا تھا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموز دین ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربیست!

نیز فرماتے ہیں :

ان تازہ بتوں میں بڑا سب سے وطن ہے — اور اس کا جو دامن ہے وہ ملت کا کفن ہے

انگریز نے خلافت عثمانیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے وطنی عصبیت کو ہوا دی اور مشرق وسطیٰ کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو تقسیم کر دیا۔ جیساکہ آج کل پاکستان میں صوبائی عصبیتوں کو ہوا دی جارہی ہے اور صوبائی تشخص کو اجاگر کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جا رہا ہے۔

اسلامی قانون ابدی نہیں

مولانا سندھی اس آفاقی اور عالمگیر قانون کو علاقائی اور قومی رنگ دینے کی کوشش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس عالمگیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا یہ جامہ اس عالمگیر قانون کی تعبیر ہے جو زمانہ ماحول اور اہل حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۲۴۲)

سنت میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے

قرآن مجید کی تشریح عملی جسے سنت کہتے ہیں یہ قرآن مجید کے قوانین کا رسول کی معرفت عملی نفاذ تھا مگر مولانا فرماتے ہیں :۔

"قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے۔ اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک

قرآن شریف میں منضبط ہے اور وہ غیر متبدل ہے لیکن جہاں کہیں اس کے عملی نفاذ کی صورت پیدا ہوتی ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں قانون اساسی تو نہیں بدلتے لیکن تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں ہم سنت انہی تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں۔"

استغفر اللہ مولانا سنت کو سنت رسول نہیں سمجھتے بلکہ حجازی سوسائٹی کی حالات کے مطابق وضع کردہ رسم ورواج سمجھتے ہیں۔

مولانا نے آگے بڑھ کر قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔

قرآنی احکام بھی بدل سکتے ہیں

مولانا کے نزدیک قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں وہ دراصل ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں ان احکام کو اپنی خاص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صہ ۲۵۴)

جانور کو ذبح نہ کرنا، گوشت نہ کھانا جیسا کہ ہندو سمجھتے ہیں مولانا کے نزدیک خلاف نبوت نہیں

مولانا فرماتے ہیں کہ نبوت انسان کی جبلی استعداد کا انکار نہیں کرتی اور انسان کی جبلی استعداد اس کے خاص ماحول سے بنتی ہے مثلاً ہندوستان میں فطرتاً ذبح حیوانات پسند نہیں اس لیے اگر کوئی ہندوستانی ذبح حیوانات سے بچے (یعنی اپنے اوپر حیوانات کا گوشت حرام کرلے) تو اس کا یہ فعل خلاف نبوت نہ ہوگا۔"

اپنا قومی قانون بنالیں

"غیر عرب اقوام کو قرآن کو اپنانے میں جو دقتیں آئیں عربوں کے حکمران ہونے کی وجہ سے عوام نے شریعت کو حکمران کا قانون سمجھ کر مان لیا نیز غیر عرب اقوام کے خواص کو اجازت تھی کہ اگر وہ چاہیں تو عرب قانون بجنسہٖ مان لیں اور عرب بن

جائیں یا اس کی روشنی میں اپنے لیے ایک قومی قانون بنالیں (افکار سندھی)
مولانا نے دین کی اساس کتاب وسنت کو انسانوں کے حوالہ کر دیا اور خدا اور رسول کو انسانوں کے تابع کر دیا اور کعبہ سے رُخ موڑ کر مسلمانوں کو ترکستان کی طرف لے دوڑے انہوں نے وطنیت کو زبردستی دین میں گھیسٹر کر اپنی مرضی کی تفسیر و تشریح کتاب وسنت سے کر لی۔

مولانا کا نظریہ خلق قرآن

مولانا عبیداللہ سندھی صاحب نے فتنہ خلق قرآن کو بھی عربی عجمی قومیت کے آئینے میں دیکھا وہ فرماتے ہیں:
"مامون کے زمانے میں عربوں کے ہاتھ سے سیادت کے سب ذرائع چھن گئے تھے لے دے کے ایک عربی زبان رہ گئی تھی اور اب وہ اسے خاص الٰہی زبان منوانے پر مصر تھے عجمی مسلمان قرآن کی تعلیم تو من جانب اللہ مانتے تھے لیکن قرآن کے الفاظ کو وہ قرآن کے معانی یعنی اصل تعلیم کی طرح قدیم اور غیر فانی تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے عربی الفاظ پر زور دینے والے حقیقت میں عربی تفوق کے قائل تھے محدثین کا اصرار تھا کہ قرآن کے الفاظ کو غیر مخلوق مانا جائے کیونکہ مخلوق ماننے سے عربی تفوق پر زد پڑتی تھی" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۶۶)
مولانا کی اس جدت طرازی پر جی چاہتا ہے کہ انسان سر پیٹ لے کہاں امام احمد بن حنبل کی وہ عزیمت کہ تمام مصائب و آلام کو برداشت کر گئے اور سب کچھ خدا کی رضا کے لیے مگر مولانا نے اسے عربی قومی تفوق کا تصور دے کر امام احمد بن حنبل کو قومی عصبیت کا پجاری بنا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مولانا پر قومیت کا بھوت اس قدر سوار تھا کہ وہ فرماتے ہیں:

ایرانی قومیت

"جس طرح عربوں کا مرکز دمشق تھا اسی طرح ایرانیوں کا مرکز بخارا تھا انہوں نے اپنے قومی شخصیت منوائی

ایرانی زبان۔ ایرانی فقہ، ایرانی علم کلام ایرانی تمدن مسلمانوں کی برادری کا ایک جزء بن گیا اسی طرح ہندوستانی بھی ایک قوم ہیں۔"

ایرانیوں نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد جو کردار ادا کیا وہ ایک خونچکاں داستان ہے مولانا کا دماغ کہاں سے کہاں پہنچ گیا وہ اسلام کے متوازی ایک عجمی نظام حیات کے موید اور داعی معلوم ہوتے ہیں کہاں خدا کا فرستادہ اور نافذ کردہ نظام حیات اور کہاں انسانوں کا وضع کردہ فخر و مباہات تفریق و انتشار اور خودستائی کا ملغوبہ نظام مسلمان ہونے کے بعد یہ تصورات کسی مسلمان دماغ میں سما نہیں سکتے وہ خدائی نظام حیات کو کتاب و سنت سے اخذ کر کے نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر مولانا اسے محدود علاقائی اور قومی حدود میں محدود کرنے کے داعی کہاں آفاقیت اور کہاں وطنیت۔

اکبر بادشاہ کا خود ساختہ دین الٰہی مولانا سندھیؒ کی نظر میں

اکبر کے زمانے میں بھی ہندوستان کے مسلمان حکمران طبقوں نے محسوس کیا کہ اکبری مسلک سے اسلام کی برتری کو صدمہ پہنچے گا اور ان کی سیادت خطرہ میں پڑ جائے گی چنانچہ یہاں بھی اکبری فکر کے خلاف بغاوت ہوئی اور عالمگیر کے زمانے میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے رجحان کو حکومت کا اصول تسلیم کیا گیا (ص ۸۹)

مولانا مجدد الف ثانی کی مخالفت کو خدا کی رضا کے لیے نہیں سمجھتے بلکہ اسلام کی آڑ لے کر محض اکبر کے دین کی مخالفت پر محمول کرتے ہیں وہ اکبر کی حکومت کو اسلامی حکومت سمجھتے ہیں اور مجدد الف ثانی کو اس اسلامی حکومت کے مخالفین کا آلہ کار سمجھتے ہیں فرماتے ہیں:

"امام ربانی کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے بڑے بڑے با اقتدار سرداروں کی ان سے خط و کتابت تھی اور یوں بھی مسلمانوں کے حکمران

بقول کا ان کی طرف ہونا طبعی امر تھا" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۳۰۸)

اکبر کی حکومت کے متعلق ان کا تخیل | اکبر کی حکومت حقیقت میں ہندوستانی اسلامی حکومت تھی اس کے سیاسی مسلک میں ہندوستانیت پہ زیادہ زور دینا چاہیے تھا" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۳۰۹)

مولانا کے نزدیک اسلام جو خدا کی طرف سے نازل شدہ دین ہے کے مقابلہ میں اکبر کا خود ساختہ ہندوستانی دین جسے اکبر نے رواج دینے کی کوشش کی تھی ان میں تقابلی طور پر ہندوستانی دین زیادہ پسند تھا یہ اللہ کا احسان تھا کہ مجدد الف ثانی نے اکبر سے ٹکر لی اور اس فرد واحد کے اثرات غالب رہے دین الٰہی ختم ہوا اور اورنگ زیب جیسا مذہبی آدمی پیدا ہوا۔ مولانا نے اس کو بھی عجیب و غریب رنگ میں بیان کیا ہے۔

اورنگ زیب کی مسلمانی ڈپلومیسی تھی | "اکبر کی سلطنت ہندوستانی اسلامی سلطنت تھی اورنگ زیب جانتا تھا کہ وہ ہندوستانی اسلامی سلطنت کے دائرہ اثر کو اتنی وسعت دے کہ اس کے اندر خیبر پار کے ملک آجائیں اور حجاز پر بھی اس کا اقتدار ہو اور یہ اسی وقت تک ممکن نہ تھا جب تک وہ اپنی حکومت کو اسلامی رنگ نہ دے —— اس کے نزدیک ہندوستان کے علاوہ اسلامی دنیا کی قیادت تھی اس لیے اس نے اسلامیت کو مقدم جانا۔"

یعنی اسلام کو اختیار کرنا اس کی ڈپلومیسی تھی اسے اسلامیت سے زیادہ ہندوستانیت سے محبت تھی۔

فرماتے ہیں: "دوسرے لفظوں میں اشوک سے ہزارہا سال بعد ایک بار پھر ہندوستانی اس قابل ہوئے کہ وہ دوسروں کی سیاسی و فکری ترکتازیوں کی آماجگاہ بننے کی بجائے اپنا پیغام باہر کی دنیا کو سنائیں۔"

مولانا کے یہ سب افکار تخیلاتی اور تصوراتی ہیں جن کی کوئی شہادت ہے

نہ دلیل اور مولانا کے خیالات انمل بے جوڑ خود ساختہ ژولیدہ گنجلک اور ناقابل فہم ہیں

ان کے خیالات کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

دیوبندی اسکول ہند کو کیا سمجھتا ہے

مولانا سندھی فرماتے ہیں میں ان کی ترجمانی مختصر الفاظ میں بیان کرتا ہوں ہمارا ہندوستان دنیا کی تاریخ میں عظیم الشان رفعت کا مالک ہے پہلے دور میں اس نے سنسکرت جیسی زبان پیدا کی کلیلہ دمنہ جیسی حکمت کی کتاب لکھی فوجی تمرین کا کھیل شطرنج ایجاد کیا۔ ریاضی میں یونان کا ہمسر بنا اس سے ویدک دھرم اور بدھ دھرم دنیا میں پھیلے اس نے مہاراجہ اشوک جیسے حکمران پیدا کیے دوسرے دور میں انسانیت کی قدیم علمبردار سوسائٹی کو اسلام جیسے انٹرنیشنل پروگرام سے آشنا کرنے والا جلال الدین اکبر پیدا کیا۔ مشرقی ایشیا کی زبانوں کو ملا کر اردو جیسی انٹرنیشنل زبان پیدا کی۔ محی الدین عالمگیر جیسا سلطان پیدا کیا اور امام ولی اللہ جیسا فلاسفر پیدا کیا (یہ موجودہ سوشلزم سے پہلے سوشلزم کا داعی تھا)

اس اقتباس سے آپ سمجھ لیں کہ دیوبند کے امام انقلاب کس دین کی سربلندی کے لیے عمر بھر تگ و دو کرتے رہے یہ تھے ان کے مذہبی تخیلات جو ہم نے مولانا مسعود عالم ندوی صاحب کی تصنیف ناقدانہ جائزہ سے اختصار کیے ہیں جسے دار الدعوۃ السلفیہ لاہور نے شائع کیا ہے اب رہے ان کے سیاسی کارہائے نمایاں کابل، روس، ترکی اور عرب میں مسافرت کے دوران ان کا کردار، تو اس کے متعلق آئندہ صفحات میں ہم اپنے پاس سے نہیں بلکہ تاریخ کے ناقابل تردید شواہد پیش کریں گے۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا کابل ورود کے متعلق نظریہ

اپنی کتاب سات سال

کابل میں کے صفحہ ۱۲ پر ذکر کیا ہے فرماتے ہیں: "ہندوستانی مسلمانوں کو یہ مغالطہ آج سے نہیں کہ کابل بڑی طاقت ہے اس مغالطہ کی نظر سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں کی یہ کوشش ریت میں ہل چلانے کے مصداق ثابت ہوئی۔

پھر صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں بزرگوں کی اس سہو کو بدقسمتی سے بعد والوں نے مشعل راہ بنایا۔ شیخ الہند بھی اسی سہو میں مبتلا تھے۔ گویا مولانا عبیداللہ صاحب اپنے مشن کے متعلق خود مایوسی کا شکار تھے پھر وہ فرماتے ہیں مجھے شیخ الہندؒ نے بھیجا مگر کوئی مفصل پروگرام نہیں دیا (تحریک شیخ الہندؒ صفحہ ۱۶۳)

مولانا کی عادت ہے کہ وہ شیخ الہند کی شخصیت کو بلند کرنے کے لیے ہر وہ بات جو انہیں اچھی لگتی حضرت شیخ الہندؒ کے ذمے لگا دیتے یہاں بھی انہوں نے شیخ الہندؒ کا نام لیا کہ انہوں نے جناب سندھی صاحب کو کابل بھیجا تھا۔

مولانا شیخ الہندؒ قائد اور لیڈر بننا پسند نہ کرتے تھے اور اس راستہ پر ان کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے چلایا

مولانا مدنی اپنی کتاب نقش حیات صفحہ ۵۷۳ پر مولانا عبیداللہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں مولانا عبیداللہ فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اہل علم لیڈر شپ کے ادعاء سے دست بردار ہو جائیں۔"

"میرے استاد حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے میرے خیال کی اس طرح داد دی تھی کہ وہ پہلے سے اس کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مولانا محمد علی مرحوم گورنر یوپی کی آمد پر دیوبند تشریف لائے تو حضرت مولانا خود ان سے ملنے کے لیے ان کی قیام گاہ پر گئے اسی وقت سے ہمارے امام نے مولانا محمد علی کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔"

سندھی صاحبؒ کو شیخ الہندؒ نے نہیں بھیجا

مگر تحریک شیخ الہند کے مصنف نے

جو رپورٹ سی آئی ڈی کے کاغذات سے مرتب کی ہے اس کے صہ۲۸ پر لکھا ہے: " مولوی عبید اللہ نے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولوی فضل الحسن سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود کابل جائیں تاکہ امیر کا معاہدہ برطانیہ سے توڑ دیں۔

اس کتاب کے صہ۱۴۰ پر حاشیہ میں لکھا ہے " رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ہے ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو مولانا محمود الحسن نے میاں محمد ایک شخص اور دوسرے دوستوں کے ساتھ مولوی عبید اللہ کی پیروی کی اور ہندوستان چھوڑ دیا " بحوالہ نقش حیات صہ۲۳۱)

گویا مولانا سندھی نے غلط بیانی کی ہے کہ وہ مولانا محمود الحسنؒ کے کہنے پر کابل گئے وہ دوسرے دوستوں کے مشورہ سے کابل گئے اور مولانا شیخ الہندؒ نے ان کی پیروی کی اور ہندوستان چھوڑ دیا۔

وہاں جاکر انہوں نے کیا کردار ادا کیا تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے جن دنوں مولانا کابل گئے تھے ان دنوں کچھ طلبا نے بھی ہجرت کی تھی ان کا ارادہ تھا کہ خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لیے وہ اپنی جان کی بازی لگا دیں وہاں جاکر وہ فوج میں بھرتی ہوں اور انگریز کے خلاف لڑیں۔

طلباء کو کس نے ہجرت کے لیے آمادہ کیا

یہ طلباء کالجوں میں پڑھتے تھے ظفر احسن نے اپنی خود نوشت سوانح میں بتایا کہ یہ لڑکے مولانا عبدالرحیم صاحب تاجر کتب (عرف مولانا بشیر) کشمیری بازار کے درس سے متاثر ہوکر اپنی تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر ملک سے ہجرت کر گئے مولانا سندھی نے اپنی کتاب کابل میں سات سال کے صہ۶ پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ مولانا بشیر کا طلباء کی ہجرت میں خاص ہاتھ تھا ان سے مل کر ہم نے جنود اللہ بنائی۔

تحریک شیخ الہند صہ۳۱۱ پر مولانا محمد میاں فرماتے ہیں کہ" ان طلباء میں مولوی عبید اللہ شامل نہ تھے یہ طلباء ہجرت کرنے کے بعد مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی

کے سگے بھائی محمد الٰہی کے پاس ہزارہ ٹھہرے اور پھر سرحد پار کر کے مولوی فضل الٰہی سے جا ملے۔"

مولانا سندھی نے طلباء کو روک لیا

"مولانا عبید اللہ کی خواہش تھی کہ مہاجر طلباء ترکی جانے کا خیال چھوڑ دیں اور ہمارے ساتھ کابل میں رہ کر حکومت کی مصلحت جس حد تک اجازت دیتی ہے اس قدر کام کریں" (کابل میں سات سال ص ۵۶)

طلباء کی کابل میں مشغولیت

"چنانچہ یہ طلباء کابل میں ٹھہر گئے۔ یہ وہاں کیا کرتے تھے ظفر احسن اپنی خود نوشت کتاب آپ بیتی جلد اوّل ص ۲۵ پر رقمطراز ہیں "۔ظفر احسن کا باقی وقت ساتھیوں کے ساتھ شطرنج اور تاش کھیلتے گزرتا" اسی کتاب کے ص ۹۷ پر پر لکھتے ہیں کہ "مولوی (عبید اللہ) نے نیا سردار اور لیڈر (عبد الباری وہ ہی عبد الباری جو طلبا کی جماعت کا رئیس مقرر کیا گیا تھا اور ہجرت میں بھی ہمارا ساتھی تھا سردار محمد شفیع کا رشتہ دار نکلا اس نے معافی مانگی اور تمام واقعات جنود اللہ اور جماعت مجاہدین کے مفصل لکھ کر حکومت کو دیئے" (کابل میں سات سال ص ۴۳)

خوشی محمد نے کیا کیا؟

"ان میں ایک طالب علم خوشی محمد صاحب جس کو مولانا عبید اللہ نے روس بھیجا وہ اس کا ایجنٹ بن کر واپس کابل آیا اس کو کہا گیا کہ وہ روسی سفارت خانہ سے تعلق رکھے اور قبلہ مولانا کو جتنے روپے کی ضرورت ہو روسی سفارت خانے سے حاصل کرے" (آپ بیتی ص ۲۰۵)

"چنانچہ مولانا نے درخواست دی کہ کانگریس کمیٹی کابل کو ایک لاکھ روپے دیے جائیں جو روس نے منظور کر لیا" (آپ بیتی ص ۲۲۴)

"مولانا نے ایک اور اسکول کھولا جس کے اخراجات جاگیر کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے ۲۲-۱۹۲۱ء میں اخراجات پورے نہ ہو سکے تو مولانا نے روسی

سفارت خانہ کی مدد سے اخراجات پورے کیے" (آپ بیتی ۲۳۷)

ان مجاہدین کے لیے مولانا نے کیا کیا کام تجویز کیے جو کالج کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر خلافت عثمانیہ کے بچانے کے لیے نکلے تھے آپ بھی ص۱۱۱ پڑھیے۔

مجاہدین کے لیے کام

"مولانا عبید اللہ نے ظفر حسن اور محمد حسن یعقوب کو یہ کام اپنے ذمے لینے پر تیار کر رہے تھے کہ ہم حجاز جا کر آہستہ آہستہ ایک ایسی انجمن بنائیں جو حج کے موقعہ پر ذبح شدہ جانور بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کی کھالوں کو جمع کر کے اس سے دباغت کا کارخانہ قائم کر کے مختلف قسم کے چمڑے بنائیں اور ان کو اسلامی ممالک میں برآمد کریں"

ص۱۱۲ پر رقمطراز ہیں "میرے دوسرے ساتھیوں کو بھی ایسے ہی مختلف منصوبے بتائے گئے تھے لیکن چونکہ ہر ایک کا کام دوسروں سے بالکل خفیہ رکھا جاتا تھا اس لیے ہم دوسروں کے منصوبوں سے واقف نہ ہوتے تھے"۔

ان اہم منصوبہ جات پر عمل کرنے کے باوجود اگر کسی میں کچھ تڑپ باقی رہ جاتی تو اس کے تمام کام کی رپورٹ انگریز کو پہنچ جاتی تھی اس کتاب آپ بیتی ص۲۰۶ پر فرماتے ہیں: "میں نے جو پمفلٹ انگریز کے خلاف ہندوستان بھیجے وہ روپے کے لالچ میں انگریز تک پہنچ گئے جن کے خلاف پروٹسٹ کی وجہ سے گورنمنٹ کی طرف سے مجھے زجر و توبیخ ہوئی"۔

یہ طلباء کابل میں قید کر دیے گئے

عبد الکریم چمرکنڈی اپنی کتاب کے ص۵۱ پر فرماتے ہیں "انگریز کے اشارے پر امیر حبیب اللہ نے ان مہاجر طلباء کو قید کر دیا مولانا بشیر صاحب کو یہ سُن کر بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ کابل جا کر ان کے لیے چارہ جوئی کریں امیر المجاہدین مولانا عبد الکریم بن ولایت علی نے ان کو کابل بھیجا

تو وہ وہاں معین السلطنت نصر اللہ خاں کو ملے جو پہلی ہی ملاقات میں مولانا کا گرویدہ ہو گیا اس نے حبیب اللہ کی مرضی کے خلاف ان طلباء کو رہا کر دیا نصر اللہ خاں اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حبیب اللہ کی ناراضگی کا بھی خیال نہ کیا مولانا عبید اللہ صاحب بھی ان طلباء کے ساتھ مدت دراز سے قید تھے مولانا سندھی اس قدر احسان فراموش تھے کہ انہوں نے اس اپنے محسن مولانا بشیر صاحب کو قتل کرنے کی کوشش کی جس کی کوئی معقول وجہ ان کے پاس نہیں تھی اس قتل کی داستان سننے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ جان لیں کہ یہ مولانا محمد بشیر کون تھے اور کس حیثیت کے مالک تھے۔

مولانا محمد بشیرؒ

ان کا حقیقی نام عبد الرحیم تھا لیکن کابل جانے کے بعد اپنا نام تبدیل کر کے محمد بشیر رکھ لیا اور وہ اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام لوگوں کو بھول ہی گیا آپ لاہور کے رہنے والے تھے اس کے والد بزرگوار کا نام مولانا رحیم بخش تھا جو سید احمد شہیدؒ کی جماعت کے فرد مولوی حیدر علی کے شاگرد تھے مولانا رحیم بخش صاحب نے دہلی جا کر شیخ الکل سید نذیر حسین صاحب سے حدیث کی سند لی پھر لاہور تشریف لائے اور مسجد چینیاں والی کے خطیب مقرر ہوئے انہوں نے اسلام کی کتابیں چودہ جلدوں میں لکھیں۔ ان کا بیٹا تاجر بنا اس نے کشمیری بازار میں ایک فرم عبد الرحیم عبد الرحمان تاجران کتب کے نام سے کھولی اپنے والد کی تصانیف کے علاوہ مذہبی کتابیں شائع فرماتے تھے شروع سے ہی مجاہدین سے تعلق تھا روپیہ فراہم کر کے علاوہ کالجوں میں درس دیتے تھے چنانچہ ان کے درس سے متاثر ہو کر پنجاب یونیورسٹی کے کچھ لڑکے ہجرت کر کے کابل چلے گئے جس پر آپ کی مخبری ہوئی کسی دوست نے اطلاع دی کہ آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے ہیں اس پر آپ نے فوراً ہجرت کا فیصلہ کیا گھر پر بھی صحیح اطلاع نہ دی راولپنڈی پہنچ کر خط لکھا لیکن ان خطوط کے لاہور پہنچنے سے پہلے آپ سرحد پار کر چکے تھے۔ اس زمانے میں ان کے دار الکتب کا کام بہت اعلیٰ پیمانے پر چل رہا تھا جسے آپ چھوڑ کر چلے گئے

بچے چھوٹے چھوٹے تھے کوئی کفیل نہ تھا انہیں اطلاع ملتی رہتی تھی کہ گھر کے حالات درست نہیں مگر گھر کا کبھی خیال تک نہ کیا۔

مولانا غلام رسول مہر صاحب فرماتے ہیں اگرچہ انہیں امارت کی خواہش نہ تھی لیکن ان کے مجاہدانہ کارناموں کی حیثیت اتنی بلند تھی کہ امیر نعمت اللہ اور امیر رحمت اللہ کے عہد کی پوری سرگزشت میں سب سے بڑا حصہ مولانا مرحوم ہی کا تھا وہ عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے جن حالات میں انہوں نے ملک چھوڑا ایسے حالات کم اصحاب پر گزرے ہوں گے لیکن پوری مدت ہجرت میں ایک دفعہ بھی وطن کا خیال نہ آیا حالانکہ ان کے لیے واپسی کے مواقع بسہولت پیدا ہو سکتے تھے، میں سنہ ۱۹۲۴ء میں ایک دفعہ ان سے ملا اور عرض کیا کہ آپ ہندوستان سے باہر رہ کر کام کرنے کی بجائے اندر رہ کر زیادہ مفید کام کر سکتے ہیں انہوں نے یہ سنا تو بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو گئے میں نے دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے فرمایا اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم خلوص سے یہ سب کچھ کر رہے ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں انگریز نے میرے پاس بھیجا ہے۔

میں جس روز گھر بار چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا خدا سے عہد کیا تھا کہ جب تک ہندوستان کی سرزمین پر انگریز کا سایہ بھی موجود ہے خواہ اس کی حیثیت کچھ بھی ہے واپس نہیں جاؤں گا (انشاء اللہ العزیز) میں یہ عہدِ آخر وقت تک نبا ہوں گا۔

غرض وہ عظیم الشان انسانوں میں سے تھے جو قرنوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا مخلص دین دار با حمیت غیور اور آزادی اور اسلام کا شیدائی کوئی نہیں دیکھا استقامت میں وہ اپنی مثال آپ تھے (سرگزشت مجاہدین ص ۵۶۳)

مولانا نے چمر کنڈ کو اپنا مستقر بنایا انہوں نے سرحد کشمیر سے لے کر

وزیرستان تک ہر موزوں مقام پر چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کر دیے جن کے مجاہدین کا وظیفہ یہ تھا کہ وہ قبائل میں روح جہاد زندہ رکھیں اور ہندوستان کے بارڈر پر حملے کرتے رہیں تاکہ ہندوستان میں انگریز مصروفِ پیکار رہیں اور میدانِ جنگ میں زیادہ فوج نہ اتار سکیں۔

مجاہدین کی ترکتازیاں

مجاہدین کے کارناموں کا ایک واقعہ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں جسے عبدالکریم چمرکنڈی نے اپنی کتاب سرگزشت مجاہدین میں ذکر کیا ہے۔

"انگریز آزاد علاقے سے اسلحہ سمیٹنے کے لیے اور نہتا کرنے کے لیے زیادہ قیمت دے کر اسلحہ خریدتا تاکہ پٹھان اسلحہ بیچیں اور آئندہ ان کو اسلحہ نہ ملے اور وہ حملوں سے باز رہیں مگر۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مجاہدین انگریزوں کی چھاؤنیوں پر شب خون مارتے اور اسلحہ لوٹ کر اسلحہ کی کمی کو پورا کر لیتے۔

عجب خاں

عجب خاں نے کوہاٹ کوتوالی پر ڈاکہ ڈالا اور تیس بندوقیں لوٹ کر لے آیا اس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔
انگریزوں نے اس کا انتقام لینے کے لیے تین صد سوار بھیجے جنہوں نے بے خبری میں حملہ کر دیا اور عجب خاں کے ۱۵ آدمی قید کر کے اور اسلحہ اٹھا کر لے آئے مگر عجب خاں نہ مل سکا عورتوں کی توہین اور تذلیل کر کے چلے آئے۔

عجب خاں کو پتہ چلا تو اس نے ایک چٹھی لکھی مگر ایسی چٹھی کو کون پوچھتا ہے چنانچہ عجب خاں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر پارا چنار کے علاقے میں داخل ہوا اور ایک انگریز فوجی کیپٹن اور اس کی بیوی کو قتل کر کے نکل گیا اس نے پھر اپنے آدمیوں اور اسلحہ کا مطالبہ کیا مگر پذیرائی نہ ہوئی۔
چنانچہ وہ دوبارہ حملہ آور ہوا اور ایک انگریز عورت ایلس کو قتل کر دیا

اور ایلس کی لڑکی اٹھا کر لے آیا۔

اب انگریزوں کو ہوش آیا تو جرگہ بلا کر مس ایلس کا مطالبہ کیا جواب میں عجب خاں نے کہا (۱) میرے آدمی واپس کرو (۲) میرا اسلحہ واپس کرو (۳) ۱۲ ہزار روپے جرمانہ دو اور آئندہ آزاد علاقے سے اسلحہ خریدنا بند کر دو۔

اس اغوا پر انگلستان پارلیمنٹ میں ہنگامہ ہوا اور اس کے باہر مظاہرہ ہوا ہر طرح کی کوشش کرنے کے باوجود جب ایلس کی لڑکی نہ ملی تو یہ تمام ذلت آمیز شرائط تسلیم کر کے لڑکی واپس لی۔"

اس قسم کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے اور مولانا بشیر صاحب کے زمانے میں تمام سرحدوں پر آگ لگی ہوئی تھی کسی انگریز کی جان محفوظ نہ تھی۔

مولانا بشیر صاحب نے ستائیس جنگیں لڑیں رستم اور چکدرہ کی لڑائیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں آئے دن فوج کے بڑے بڑے افسر مارے جاتے

اس دوران افغانستان نے اسلحہ منگایا، عبدالکریم چمرکنڈی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ اسلحہ انگریزوں نے روک لیا اور کہا کہ عجب خاں کو صوبہ سرحد سے دور روس کی سرحد پر بھیج دو پھر اسلحہ واگزار کریں گے چنانچہ حکومت افغانستان نے عجب خاں کو کسی نہ کسی طرح روس کے بارڈر پر بھیج دیا مجاہدین کی مرضی تھی کہ اس کو اپنے پاس لے آئیں چنانچہ ایک وفد روانہ کیا گیا جو کامیاب نہ ہو سکا اس کے بعد انگریزوں نے افغانستان میں بغاوت کرا دی۔

مولانا بشیر صاحب نے بغاوت فرد کرنے میں بہت کوشش کی جس کی وجہ سے آپ کو تمغہ غیرت دیا گیا۔

مولانا کی حیثیت

بغاوت فرو ہونے کے بعد کئی سوراغی سردار جلال آباد لائے گئے انہیں دنوں

فاتح جرنیل جن کا نام شاہ ولی تھا مولانا کے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لائے اس وقت ملا ترنگ زئی کے بڑے صاحبزادے بھی ساتھ تھے کھڑے کھڑے بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے میں نے بھائی لوگوں سے کہا شطرنجی (چارپائی) لے آؤ مگر شاہ ولی جرنیل کوٹ پینٹ کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھ گئے اور کہا کہ ہمارا مولانا لبشیر صاحب کے سامنے یہی مقام ہے اس پر مولانا اور صاحب زادہ صاحب بھی زمین پر بیٹھ گئے میں نے محسوس کیا کہ مولانا کا وقار افغانستان کے نزدیک بہت زیادہ ہے" (عبدالکریم جمرکنڈی ص ۱۳۹)

" خان امان اللہ خان کے تخت نشین ہونے کے بعد نادر خاں سپہ سالار نے جو تقریر کی تھی وہ مولانا لبشیر کی لکھی ہوئی تھی" (عبدالکریم جمرکنڈی ص ۱۰۴)

" امان اللہ خان نے چونکہ افغانستان کی آزادی کا اعلان کر دیا تھا اس لیے انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے تیاری شروع کر دی ادھر اس جنگ میں محاذ جنگ کا تمام نقشہ مولانا لبشیر صاحب نے تیار کیا تھا" (جمرکنڈی ص ۴۴)

" مجاہدین چونکہ امان اللہ کے ساتھ تھے اور انگریز جنگ عظیم سے مضمحل ہو چکا تھا اس لیے اس نے جنگ کو لمبا کرنا مناسب نہ سمجھا اور افغانستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا ملا لبشیر ایک حیرت انگیز اور بے نظیر انسان تھے ۔ مجسم عمل اور اخلاص کا پتلا اور انگریز کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں بڑے مشاق زبردست اور شعلہ بیان مقرر تھے بڑے بڑے مجمعے ان کی آتش بیانی سے مسحور ہو جاتے تھے" (ص ۶ کابل و یاغستان)

اخبار نکالا

برکت اللہ نے مولانا سے مشورہ کر کے ایک پریس لگایا جس سے اخبار المجاہد اور محاذ جنگ کے بلیٹن شائع ہوتے تھے جو ہندوستان اور دوسرے ممالک کو بھیجے جاتے تھے تاکہ مجاہدین کی کارکردگی سے ان کو اطلاع ملتی رہے" (تحریک شیخ الہند ص ۳۴۱)

عظیم کارکن
"مولانا بشیر صاحب ہندوستان سے روپیہ بھی اکٹھا کرتے تھے اسلحہ بھی خریدتے تھے اور مجاہدین کے کھانے کا انتظام بھی کرتے تھے" (ص ۳۴۷ تحریک شیخ الہندؒ) ملخصًا

جنود اللہ کے لشکر کی تیاری
"سیف اللہ قندھاری پٹھان متعلم دیوبند؛ مولانا بشیر صاحب جماعت اہلحدیث کے معزز فرد کے مشورے سے ہم نے جماعت جنود اللہ بنائی، مولانا نے جہاد کی تیاری کے لیے نائب السلطنت کے مشورے سے یاغستان کا دورہ کیا اور مختلف خوانین اور پیرانِ عظام و علمائے کرام سے تحریری حلف نامے حاصل کیے کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے" (تحریک شیخ الہند ص ۳۲۳)

"مولانا بشیر صاحب نے فرمایا کہ ہندوستانی والیانِ ریاست کے بارے میں خود انتظام کرسکتا ہوں" (ص ۳۲۳ تحریک شیخ الہند)

شب قدر کی چھاؤنی پر
"کامیاب حملہ کرنے کے بعد جبیب اللہ نے آپ کو بلایا آپ نے تمام واقعات سنائے تو جبیب اللہ پریشان ہوگیا مولانا نے واپسی پر یہی حالات نائب السلطنت کو سنائے تو اس نے بارہ ہزار روپے اور اسلحہ مولانا کو دیا (کابل و یاغستان ص ۶۷)

حیرت انگیز انسان
"ملا بشیر واقعی حیرت انگیز انسان تھے سلف صالحین کے سچے جانشین ان تھک کارکن مجسم عمل ایثار کے پیکر صحیح معنوں میں لیڈر" (ص ۱۱۱ کابل و یاغستان)

اپنا خرچہ
"آپ پانچ روپے اپنے پاس رکھتے تھے باقی سب حاصل شدہ رقم بیت المال میں داخل کرا دیتے ان کا اثر کابل و یاغستان پر بے نظیر تھا" (مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۱۲)

مولانا سندھی کے اخراجات
"اس کے برخلاف مولانا سندھی جب ہندوستان سے کابل آئے تھے تو مولانا ابوالکلام آزاد

نے سیٹھ عبداللہ ہارون سے پانچ ہزار روپے لے کر دیے تھے" (تحریک شیخ الہند صـ۱۱)

مولانا عبید اللہ کو سفر خرچ مسٹر کرپلانی کی بیوی اور بچوں نے دیا

مولانا مدنی فرماتے ہیں "شیخ عبدالرحیم صاحب (برادر بزرگ اچاریہ کرپلانی) کی بیوی اور لڑکیوں نے اپنا زیور بیچ کر ان کے لیے زادِ راہ مہیا کیا، کوئٹہ تک ان کو پہنچا کر نقدی ان کے حوالے کی۔" نہ جانے مولانا نے کہاں کہاں سے روپیہ اکٹھا کیا۔

"جب مختلف مشن مختلف ملکوں کو بھیجے گئے تو استنبول کے مشن کے لیے ایک سو پونڈ مولانا بشیر صاحب نے دیے پھر جب جرمن مشن ناکام ہو کر واپس لوٹا تو انہوں نے مولانا سندھی کو ۲۰۰ سو پونڈ دیے جو چوری ہو گئے جو مولوی بشیر صاحب نے دیے" (آپ بیتی صـ۱۴۰)

"مولانا عبید اللہ سندھی کے تمام مصارف بذمہ حکومت افغانستان تھے اور کوئی سرکاری کام اب تک ان کے ذمہ نہ تھا" (تحریک شیخ الہند صـ۳۶)

"شیخ ابراہیم اور مولانا محمد علی قصوری جو کہ افغانستان سے مولانا سندھی نے نکلوائے تھے کا تمام اندوختہ مولوی عبید اللہ کے کام آیا" (کابل میں ۷ سال)

"روسی سفارت خانے سے مولوی عبید اللہ نے لاکھوں روپے وصول کیے اس کے برخلاف روسی سفیر نے مولانا بشیر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی اور کہا کہ ہمیں تمہاری شرائط منظور ہیں مگر مولانا نے توجہ نہ دی" (زخم کہنہ صـ۱۴۲)

چونکہ مولانا بشیر صاحب اس تمام ماحول پر چھائے ہوئے تھے افغانستان کے آزادی پسند طبقہ سے ان کے گہرے تعلقات تھے ادھر مجاہدین میں بھی ان کی بہت عزت تھی تمام سرحد پر انہوں نے چھاپہ مار چوکیاں قائم کی تھیں اس لیے ہندوستان کے اندر بھی ان کی بہت عزت تھی۔

مگر اس کے برخلاف مولانا عبید اللہ سندھی کو ان کی اس حیثیت پہ

حسد تھا وہ چاہتے تھے کہ بس لیڈر بنوں۔

امارت کا مطالبہ

"مولانا سندھی نے لشکر سے مطالبہ کیا کہ میں جماعت میں اس شرط پر قیام پذیر ہو سکتا ہوں کہ مجھے لشکر کا امیر بنایا جائے لشکر والوں نے اس حدیث کے مطابق کہ عہدے کے طالب کو عہدہ نہ دیا جائے انکار کر دیا اور کہا کہ لشکر میں ٹھہرو آپ کی قابلیت دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ لشکر والے آپ کو امیر منتخب کر لیں۔ مولانا سندھی نہ مانے اور بعض مہاجر طلباء کو ساتھ لے کر کابل چلے گئے" (عبدالکریم چمرکنڈی صہ۱۵)

جہاں تک تاریخ بتاتی ہے مولانا عبیداللہ کا مشن کچھ اور تھا انہوں نے مجاہدین کے ساتھ مل کر یا علیحدہ کوئی کام نہیں کیا جب ان کو سب نے مل کر کہا کہ آپ جا کر آزاد قبائل میں کام کریں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا (مشاہدات کابل و یاغستان صہ۴۲)

عبیداللہ کا انکار

"مولانا محمد علی قصوری فرماتے ہیں کابل میں مشن کے اراکین عبیداللہ، ملا بشیر، مہاجر طلباء نے فیصلہ کیا کہ مولانا کو یاغستان چلے جانا چاہیے لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا کہ میں ایسے وحشی غیر متمدن علاقے میں قیام نہیں کر سکتا البتہ کابل میں رہ کر اس کی قیادت سنبھالوں گا۔ مولانا بشیر نے کہا قیادت اس کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جو خود وہیں رہائش اختیار کر سکے۔ چنانچہ مولانا محمود الحسن کے آنے تک مجھے (محمد علی قصوری) کو حکم دیا گیا کہ قیادت کریں"۔

مولانا نے اپنے سات سالہ قیام میں صرف دو دفعہ محاذ کا منہ دیکھا وہ صرف بیٹھ کر سکیمیں بنانے کے عادی تھے اور وہ اپنے وقار و تمکنت میں گم رہتے تھے انہیں برداشت نہیں ہوتا تھا کہ میں اور کوئی اور بھی ہو اور وہ ہم چو ما دیگرے نیست کی مرض احساسِ کمتری میں مبتلا رہتے تھے اور

اس احساس میں وہ ایسے ایسے کام کر گزرتے جس سے مجاہدین اور تحریکِ آزادی کو نقصان پہنچے انہوں نے اسی حسد اور بغض کی وجہ سے اپنے محسن مولانا بشیر کو قتل کرانے کی کوشش کی۔ غازی عبدالکریم چمرکنڈی اپنی کتاب کے ص۸۳ پر رقمطراز ہیں۔

منصوبہ قتل

"رمضان شریف کا مہینہ تھا مولانا بشیر صاحب درس دیا کرتے تھے مولانا فضل الٰہی صاحب آٹھ رکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور ایک باجوڑی حافظ باقی بارہ رکعت میں قرآن ختم کر دیتے تھے حافظ بہت تھے اس لیے مجاہدین دیگر حافظوں کو بھی کھڑا کر کے دو دو تین تین پارے مزید نفلوں میں سنتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرے میں مولانا فضل الٰہی صاحب اور مولانا بشیر صاحب دونوں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دن نادر خاں آیا اور ان کو مسجد میں الگ لے گیا کچھ باتیں کیں اور رخصت ہوگیا حالانکہ اس سے پہلے وہ جب بھی آیا کرتا تھا کئی دن چمرکنڈ میں ٹھہرا کرتا تھا اس دن ۲۳ رمضان المبارک تھی عید سے اگلے دن میں اخبار کے لیے سامان لینے کے لیے جلال آباد گیا تو وہاں سے میں نے سنا کہ عبداللہ جلال آباد آیا تھا۔ اس کے پاس تین سو پونڈ اور دو پستول تھے وہ لوگوں کو دکھاتا تھا اور اگلے روز چمرکنڈ چلا گیا تھا چونکہ وہ چمرکنڈ نہیں پہنچا تھا اس لیے میں فکرمند ہوا (یہ وہی عبداللہ تھا جو مولانا عبیداللہ کے پاس رہتا تھا) میں نے واپس آکر مولانا سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اسے نہیں دیکھا مجھے فکر ہوا کہ اس کے پاس دو پستول اور تین سو پونڈ ہیں وہ ضرور کسی گھات میں ہوگا میں فکرمندی سے بار بار پوچھتا مولانا نے فرمایا تمہاری بے کلی کوئی نیا گل نہ کھلا دے اس لیے تجھے بتانا ہی پڑے گا انہوں نے فرمایا تمہیں پتہ ہے ۲۳ رمضان المبارک کو نادر خان آیا تھا وہ مجھے اور مولانا فضل الٰہی کو ایک طرف لے گئے اور فتویٰ

پوچھا کہ اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو بلبلی پر ہاتھ رکھ کر بندوق سیدھی کر چکا ہے اور منتظر ہے کہ شکار جب بھی زد میں آئے وہ اسے ڈز کر دے، مولانا فضل الٰہی صاحب نے فرمایا (اقتل الموذی قبل الاذی) موذی کو ایذا دینے سے پہلے قتل کر دو مگر میں (مولانا بشیر) نے کہا کہ حضرت علیؓ کی مثال میرے سامنے ہے ان کو علم ہوگیا تھا کہ ابن ملجم ان کے قتل کے لیے آیا ہے انہوں نے فرمایا جرم سے پہلے اس کو کیسے گرفتار کر سکتا ہوں۔

نادر شاہ واپس چلا گیا اور اس نے عبداللہ کو قتل کر دیا اس لیے فکر نہ کرو مجھے اطمینان ہوگیا ایک دفعہ میں کابل جا رہا تھا کہ راستے میں نادر شاہ کے ہاں ٹھہر گیا میں نے وہ قصہ چھیڑا تو وہ حیران ہوگیا اور دریافت کیا کہ تجھے کس نے بتایا میں نے کہا مولانا نے، کہ مجھے اس قصہ کا پتہ ہے تو اس نے تفصیلات بتائیں۔

"کہ کابل سے مولانا سندھی نے عبداللہ کو مولانا بشیر کے قتل کرنے کے لیے بھیجا ـــــ اس کو تین سو پونڈ پیشگی دیا اور پانچ سو بعد از قتل ادا کرنے کا وعدہ کیا دو پستول اس لیے دیے کہ وہ کسی کو معاون بنا لے اور کہا اوّل تو نادر شاہ معاون بنا لینا اگر وہ نہ مانے تو سیدا شاہ میں ایک پارٹی اسی غرض کے لیے بٹھا رکھی ہے ان میں ابراہیم بھی ہے جس نے صحرا پامیر کو اکیلے عبور کیا تھا اس پارٹی کے لیے فرداً فرداً مولانا عبیداللہ نے چٹھیاں دیں وہ حسب ہدایت پہلے میرے پاس آیا اور مولانا عبیداللہ کا پیغام سنایا مجھے بہت غصہ آیا کہ مولانا نے مجھے کیا سمجھا ہے کہ ان کے کہنے پر ناحق قتل کر کے اپنی عاقبت برباد کر لوں ممکن تھا میں غصے کا اظہار کر بیٹھتا مگر مجھے فوراً خیال آیا کہ میں اس کو یہیں قتل کر دوں پھر خیال آیا کہ افغانستان میں ہم بدنام ہو جائیں گے اور اگر ماننے سے انکار کر دوں تو اس کے پاس چٹھیاں ہیں یہ کسی اور کو ساتھ لے جائے گا چنانچہ میں اس کے ساتھ ہو

لیا جب ہم چمرکنڈ پہنچے تو میں نے اس کو باہر پہاڑوں پر بٹھا آیا کہ میں پوزیشن دیکھ کر آتا ہوں تم یہاں بیٹھو پھر تمہیں ساتھ لے چلوں گا چنانچہ میں نے چمرکنڈ میں آکر پہلے مولانا سے مشورہ کیا انہوں نے روکا مگر میں نے مولانا فضل الٰہی کے فتوے پر عمل کیا شام کے وقت میں واپس گیا میرے پاس تلوار تھی میں نے جاتے ہی اس پر وار کیا وار اوچھا پڑا وہ پستول پکڑنے لگا تو میں نے اسے دھکا دے دیا میری طبیعت پر بوجھ تھا میں نے جا کر قتل کی خبر دی اور ٹھکانے لگانے کے لیے کہا مولانا نے آدمی بھیجے اور اسے اس کمرے میں دفن کیا جس میں تم رہتے ہو اور جلدی میں اس کی جامہ تلاشی بھی نہ لی۔

چنانچہ لاش کھود کر تلاشی لی گئی تو دو پستول اور دو رقعے برآمد ہوئے (چمرکنڈی ص ۸۶)

اب مولانا منتظر تھے کہ قتل کی خبر آئے گی مگر ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ عبداللہ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے"۔

مولانا عبیداللہ ملک بدر

"اسی دوران مولوی عبیداللہ کی پارٹی پر کمیونسٹ پروپیگنڈا کرنے اور روس سے روپیہ لینے کا الزام ثابت ہو گیا چنانچہ اس کو ملک بدر کرنے کا حکم ہو گیا" (چمرکنڈی ص ۵۲)

غازی عبدالکریم رقمطراز ہیں کہ اس سے پہلے رمضان شریف میں وزیرستان میں مولانا کو قتل کی ایک سازش ناکام ہو چکی تھی اس سال یہ بابرکت کام مولانا عبیداللہ سندھی نے کرانے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔

"اس واقعہ کے ایک سال بعد کابل کی ڈاک میں سے دیکھا کہ ایک اخبار میں یہ خبر تھی کہ فلاں پارٹی پر کمیونسٹ پروپیگنڈا کرنے روس سے پیسہ لے کر عیاشانہ زندگی بسر کرنے کا الزام ثابت ہو گیا اس پارٹی کو فلاں تاریخ کو ملک بدر کرنے کے احکام صادر ہو چکے ہیں پارٹی مذکور فلاں تاریخ کو کابل سے ماسکو روانہ ہو گئی، میں نے یہ خبر مولانا کے سامنے پیش کی مولانا یہ خبر پڑھتے

ہم تیار ہو گئے اور گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا روانگی میں صرف چار دن باقی تھے مولوی بشیر صاحب فوراً روانہ ہو گئے۔ چمرکنڈ کابل سے بارہ منزل پر ہے۔ مولانا چونکہ دن گیارہ بجے کابل پہنچ گئے معلوم ہوا کہ پارٹی کوچ کر چکی ہے جوں توں کر کے رات کٹی اور اگلے دن صبح جب پارٹی ابھی بستر میں ہی چائے نوشی میں مصروف تھی کہ مولانا السلام علیکم کرکے ان کے کمرہ شب خوابی میں داخل ہوئے مولانا نے پارٹی لیڈر سے کہا کسی دوسرے ملک میں نہ جاؤ ذلیل ہو جاؤ گے مجھے اجازت دو کہ صرف ایک شخص حکیم محمد حسن پر جرم ثابت ہوا ہے۔ باقی کی پارٹی کے لیے واپسی کا حکم امان اللہ سے لے آؤں۔''

مولانا عبید اللہ کی شرمندگی

ادھر مولانا اصرار کر رہے تھے ادھر پارٹی لیڈر پر اپنی سازش کی وجہ سے شرمندگی اور خفت کی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی مگر مولانا نے اس کی سازش کے متعلق کوئی ذکر نہ کیا اور باور کرایا کہ جیسے ان کو علم ہی نہیں اس پر انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کا فرستادہ کسی حادثہ کا شکار ہو گیا ہے پارٹی کا خیال تھا کہ روس جو ہمیں کابل میں بیٹھے اتنا روپیہ دیتا رہا ہے وہ ہماری عزت اور مہمانی کیوں نہیں کرے گا مگر مولانا کی بات درست نکلی پارٹی ذلیل ہو کر منتشر ہو گئی پارٹی لیڈر کچھ عرصہ حجاز میں رہا پھر ہندوستان آ گیا اور اسلام کو کمیونزم کا حاشیہ بردار ثابت کرتے کرتے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

آج بھی ان کے جانشین

اسی راہ پر چل رہے ہیں مولوی عبید اللہ انور نے یوم مئی کی صدارت کی۔ مولوی دین پوری صاحب تو براہِ راست

پہلے جناب شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر
پھر سر جھکا کے داخل میخانہ ہو گیا

پیپلز پارٹی میں داخل ہو گئے اور فرمایا یہ ہمارے نانا عبید اللہ کا راستہ ہے اور یہی پارٹی اسلام لائے گی ادھر مولانا احترام الحق بھی اس کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مفتی محمود صاحبؒ نے بھی علماء کے اجتماعی فتویٰ کی مخالفت کر کے بھٹو صاحب پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اور اب ان کے بیٹے مولانا فضل الرحمٰن پانچواں شیعہ کمیونسٹ صدر مملکت بے نظیر کو بنانے پر تل گئے ہیں

مولانا عبید اللہ کب افغانستان گئے

جرمن مشن جب کابل آیا تو اس کے پہنچنے کے سات دن بعد مولانا عبید اللہ کابل پہنچے۔ مولانا مدنی نقشِ حیات ص۵۷۱ پر فرماتے ہیں:

"مشن ہم سے ایک ہفتہ پہلے کابل پہنچ چکا تھا اور ان کی مفصل ملاقاتیں ختم ہو چکی تھیں جب ہم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش ہوئے اس کے بعد ہم کو مشن کے ہندوستانی ممبروں سے ملنے کی اجازت ہو گئی اور ہم ان سے اچھی طرح مل سکے۔"

سازش کی کڑیاں مل گیئں

مولانا مدنی نقش حیات ص۵۶۷ پر مولانا عبید اللہ کا بیان نقل فرماتے ہیں:

"ہم نے جس حالت میں ۱۹۱۰ء کے ہند میں زندگی بسر کی اس سے حکومت اچھی طرح واقف تھی ہمارا نصب العین کسی سے مخفی نہ تھا مگر ہمارا کام اتنا تیز نہ رہا تھا جس سے حکومت ہمیں معطل کرنا ضروری سمجھتی۔"

جرمن مشن کو ناکام کیا

اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اس مشن کو جو کابل میں اس غرض سے آیا تھا کہ حبیب اللہ کو ہندوستان پر حملہ کے لیے آمادہ کرے ناکام بنایا۔ حبیب اللہ اس مشن کے خلاف تھا مگر خلافت عثمانیہ پر جب انگریزوں نے جنگ مسلط کر دی تو عام مسلمان انگریزوں کے خلاف ہو گئے اس لیے حبیب اللہ بظاہر لوگوں کے

خوف سے اعلانیہ مخالفت نہیں کرتا تھا بلکہ مشن کے ساتھ مذاکرات کرتا رہا مگر مشن اس کو ہندوستان پر حملہ کے لیے آمادہ نہ کر سکا اس سلسلہ میں مولانا سندھی اپنی کتاب کابل میں سات سال کے ص۲۴۵ و ص۲۴۶ پر فرماتے ہیں:

"ہمارے نظریات مشن کے ممبران سے پورے پورے نہ ملتے تھے اس لیے ہم کو (شاہِ کابل کے) دربار میں بڑھنے کا موقعہ مل گیا جس میں اس کے (مشن) خواب کو مختلف تعبیروں سے پریشان کیا گیا"

یعنی مشن کی مخالفت سردربار کی تھی اور اس کے کام میں روکاوٹ ڈالی تھی جس کا مولانا کو خود اعتراف ہے۔

مولانا محمد علی قصوری

اس کے علاوہ مجاہدین کے ایک سربراہ مولانا محمد علی صاحب قصوری کو قتل کرانے کی کوشش کی اس سے پہلے کہ واقعہ بیان کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی کا تعارف کرا دوں۔

یہ قصور کے ایک علمی خاندان مولانا عبدالقادر قصوری سے تعلق رکھتے تھے یہ ۱۹۱۱ء میں برطانیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے جب خال خال ہندوستانی برطانیہ جایا کرتے تھے وہاں انہوں نے جو کچھ دیکھا اس سے ذہنی طور پر اس نتیجہ پر پہنچے کہ انگریز مسلمان کا دشمن ہے کوئی انگریز کسی بھی جگہ ملازم ہو وہ صرف دولت برطانیہ کا وفادار ہوتا ہے انہوں نے وہاں معلوم کیا کہ روس اور برطانیہ نے مسلمان ملکوں کو ہڑپ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے برطانیہ نے ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور روس نے شمالی ایران پر اس طرح خلافت عثمانیہ جو چار سو سال سے یورپ کو دبائے ہوئے تھی۔ اس کو پہلے ایران سے لڑا دیا اور پھر دولتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کے لیے عرب ملکوں میں عرب قومیت کا راگ الاپنا شروع کیا جس سے خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی مسلمان اس سے بہت بے چین

ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی مولانا محمد علی کے دل میں جو چنگاری سلگ رہی تھی آپ نے سوچا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرایا جائے چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر وہ دہلی گئے وہاں انہوں نے مولانا آزاد، حکیم اجمل خان، مولانا عبید اللہ سندھی اور بعض ہندو لیڈروں سے ملاقاتیں کیں ان دنوں اطلاع ملی کہ روس اور برطانیہ نے افغانستان پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے چنانچہ ہم نے متفقہ فیصلہ کیا کہ میں (محمد علی) افغانستان جاؤں اور ان کو اس خطرہ سے خبردار کردوں چنانچہ معمولی تحریک کے بعد اعلیٰ حضرت نے مجھے (محمد علی) کو پرنسپل حبیبیہ کالج رکھ لیا (کوائف یاغستان صـ۱۱)

"میں نے دو کمروں کی تعمیر کے لیے منظوری حاصل کی معین السلطنت نے مجھ سے پوچھا اس پر کیا لاگت آئے گی میں نے کہا زیادہ سے زیادہ تین ہزار روپے یہ تجویز منظور ہوئی محکمہ تعمیرات میں پہنچی تو انہوں نے اس کا تخمینہ ستاسی ہزار روپے بتایا جو میرے پاس منظوری کے لیے آیا میں نے اصرار کیا کہ یہ بہت زیادہ ہے چنانچہ مجھے معین السلطنت نے خود کمرے بنوانے کا حکم دیا۔ دونوں کمرے ۲۳۰۰ تیئس سو روپے میں مکمل ہو گئے اس پر معین السلطنت نے انگریز انجینئر کی جواب طلبی کی اسے بہت غصہ آیا۔ چنانچہ انگریزوں کے ساتھ اس واقعہ کے بعد دشمنی شروع ہو گئی۔

اسی طرح لاسلکی سٹیشن پر پانچ لاکھ روپے خرچ ہو چکا تھا مگر وہ ابھی نامکمل تھا۔ اب تو انگریز میری جان کے لاگو ہو گئے چنانچہ ایک رات ایک انگریز نے مجھے ایسا لاٹھی کا وار کیا کہ میں لڑکھڑا کر گر گیا نوکر آواز سنتے ہی دوڑے وہ انگریز بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے قتل کی کئی سازشیں کی گئیں"

(مشاہدات کابل و یاغستان صـ۱۴)

انگریز روپے سے کام نکالنا

فضا نہایت سازگار تھی افغانی لوگ ہندوستان پر حملہ کرتے رہتے تھے چنانچہ ان حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے امیر عبدالرحمٰن نے انگریزوں نے معاہدہ کیا اور انہیں سالانہ بارہ لاکھ روپے وظیفہ دینے کا وعدہ کیا علاوہ ازیں ڈیورنڈ لائن کا تعین کیا اور اسی طرح آزاد علاقہ سے افغانستان دست بردار ہوگیا چنانچہ روایتی پرُامن نفوذ کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے انگریز نے اس سرحد پر فوجی مورچے بنانے شروع کیے اور نیز سرکردہ خوانین کے وظائف مقرر کردیے تاکہ کوئٹہ، رزمک، چمن، شب قدر وغیرہ چھاؤنیوں پر حملہ نہ ہوسکے حکومت اس پالیسی کے مطابق دو کروڑ روپے خرچ کرتی تھی چنانچہ جب کوئی سر اٹھاتا فوراً اس کا منہ سونے کے سکوں سے بھر دیا جاتا چنانچہ وہ لوگ اکثر چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور مال لیتے رہتے تھے ملا پاؤ ڈا جنہیں انگریز دیوانہ مُلا کہتے تھے وہ اور ان کے مُرید انگریز کے سخت خلاف تھے انگریز پہلی جنگِ عظیم کی وجہ سے اب پرُامن نفوذ کی پالیسی ترک کرچکا تھا اس کے برخلاف یاغستانی لوگ نہ صرف جنگ کے خوگر تھے بلکہ جہاد ان کا محبوب مشغلہ تھا انگریز کو جب حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا وہ فوراً لاکھوں روپے لٹا دیتا تھا۔

مولانا محمد علی صاحب کا دورہ یاغستان

مولانا محمد علی فرماتے ہیں ہم نے یاغستانی ملاؤں کو منظم کرنے کی کوشش کی چنانچہ سب سے پہلے حاجی ترنگزئی کی دعوت قبول کی یہ سرکار انگریزی کے یہاں کرسی نشین تھے مگر جونہی انگریزوں نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کیا ان کی رگِ حمیت پھڑکی اور وہ ہجرت کرکے یاغستان آگئے چنانچہ سب سے پہلے چمرکنڈ میں عید کے روز میرے آنے کی اطلاع پر پانچ صد ملک اور بے شمار لوگ اکٹھے ہوئے مجھے حکم دیا گیا کہ نماز پڑھاؤں

اور خطبہ دوں بیں نے عید کے روز انگریزوں کے خلاف خطبہ دیا اور افریقہ ہندوستان اور ٹرکی کے معاملات کا ذکر کیا کہ کس طرح اسلام کے خلاف انگریز نے اقدامات کیے ہیں انگریز ہمیں لڑا کر حکومت کرنا چاہتا ہے اس لیے متفق اور متحد ہوجاؤ اور اس کو ہندوستان سے نکال دو، مجمع میں بڑا جوش پیدا ہوگیا لوگوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر تائید کی اور مجھے امیر جہاد مقرر کردیا میں نے کہا کہ اتنے بزرگ لوگوں کے ہوتے ہوئے مجھ میں جرأت نہیں کہ امیر جہاد بنوں لہٰذا اپنے اپنے علاقے کا الگ امیر جہاد مقرر کرو اس علاقے کے لیے میں مُلّا ترنگزئی صاحب اور باجوڑا کے علاقے کے لیے مُلّا صاحب باجوڑا شریف کو اور صوات کے لیے ملّا صاحب سنڈاکے کو امیر جہاد مقرر کرتا ہوں میری تقریر سے آگ سی لگ گئی انگریزوں کو اطلاع ملی تو انہوں نے مجھے اشتہاری مجرم قرار دے دیا اور میرے قتل یا گرفتاری پر دس ہزار روپے انعام مقرر کر دیا۔

لیکن یہ آگ بجھنے والی نہ تھی ہمارے مبلغ ہر گاؤں میں جاتے اور جہاد کی تبلیغ کرتے لوگوں کو جہاد اور اسلامی حکومت بنانے کے لیے بیعت کرتے اس کے بعد ہم ملا صاحب باجوڑا کے علاقے میں آئے وہاں ملا صاحب باجوڑا نے اعلان کیا کہ جو کوئی مجھے خوش رکھنا چاہتا ہے وہ مولوی محمد علی عرف سلیمان سے تعاون کرے یہ کافروں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے آئے ہیں میری تقریر بڑی پر جوش تھی لوگوں نے عہد کیا کہ جب تک ہم میں ایک آدمی بھی زندہ رہے ہم جہاد کریں گے۔

اس کے بعد فیصلہ ہوا کہ ملّا بشیر صاحب یاغستان کا دورہ کریں امیر عبدالجبار والیے صوات امیر نعمت اللہ امیر المجاہدین سنڈاکے ملّا صاحب مہتر چترال اور نواب امب سے مل کر تعاون حاصل کیا جائے۔

جب انگریز کو علم ہوا تو اس نے سب کو وارننگ دی کہ مجاہدین سے

تعلق نہ رکھیں اور حبیب اللہ کو کہا کہ ان باغیوں کا بندوبست کرو، ورنہ تمہاری چوبیس لاکھ گرانٹ بند کر دی جائے گی۔

انگریز چھاؤنیوں پر حملہ

باہم مشاورت کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ بطور مشق انگریزوں پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ ملا صاحب ترنگزئی گنداب شب قدر اور جمنی کے محاذ پر حملہ آور ہوئے ملا بابڑا صاحب اپنے محاذ پر ہمارے ساتھ کوئی تیس ہزار کا لشکر تھا جسے مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ہم نے درّے پر قبضہ کر لیا انگریز کی پیش قدمی کی تمام راہیں بند کر دیں اگلے مورچے پر میں خود ایک سو تیس مجاہدین کے ساتھ موجود تھا دو سو گز کے فاصلے پر انگریز فوجیں مورچے کھود کر اس میں بیٹھی تھیں ان کے عقب میں شبقدر کا قلعہ تھا گیارہ ہوائی جہاز مورچوں پر پرواز کر کے ہماری نشان دہی کر رہے تھے ۲۷ توپیں صرف ہمارے مورچہ پر گولے پھینکتی تھیں ہمارا مورچہ پہاڑ پر بہت مضبوط تھا گولے ہمارے عقب میں گرتے اور پھٹتے جس سے دل دہل جاتا دو دن اور تین راتیں برابر گولہ باری ہوتی رہی ہم بھی برابر جواب دیتے رہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان ستر گھنٹوں میں ہم نے نہ کھایا نہ پیا لیکن جوش جہاد کا یہ عالم تھا کہ نہ نیند نے ستایا نہ تھکان محسوس ہوئی آخر انگریز فوجیں شب قدر کے قلعہ میں پسپا ہو گئیں لشکری خندقوں پر پل پڑے سینکڑوں بندوقیں اور لاکھوں کارتوس ہاتھ آئے (ص ۶۴ چمرکنڈی)

مولانا محمد علی کی شہرت

میرے متعلق (محمد علی) یہ مشہور تھا کہ اس پر گولی اثر نہیں کرتی اور یہ کہ جنتر منتر سے توپ کا منہ بند کر سکتا ہے لوگ مجھ سے دم کرانے کے لیے آتے ہیں ان کی خوشنودی کے لیے کر دیتا تھا۔

ہم نے اس جنگ کے تمام حالات بتانے کے لیے ملا بشیر صاحب کو حبیب اللہ کے پاس بھیجا مگر حالات سن کر اس بے چارے پر اوس پڑ

گئی پھر انہوں نے یہ حالات نائب السلطنت کو بتائے تو انہوں نے تسلی بھی دی اور بارہ ہزار روپے اور اسلحہ بھی مجاہدین کے لیے دیا اس کے بعد حبیب اللہ نے اپنے اعیان و اعزا کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی کہ یہ تحریک اب صحیح معنوں میں انقلابی بن گئی اس لیے ایسا نہ ہو کہ ہماری حکومت کا تختہ اُلٹ دے سب نے اس کی تائید کی مگر نصر اللہ اور علیا بیگم نے کہا کہ انگریزوں کو نکالنے کے لیے ہمیں اگر تخت و تاج بھی قربان کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں جس کے بعد علیا بیگم کو نظر بند کر دیا گیا۔ (مشاہدات یاغستان ص۶۸)

اب حبیب اللہ نے ہمارے راستے میں رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں ہم اس سے پہلے امیر حبیب اللہ کو لیڈر بنانے کی باتیں کرتے تھے اب ہم نے فیصلہ کیا کہ حبیب اللہ کی شخصیت کو بہ حیثیت قائد نہ پیش کیا جائے بلکہ ہندوستان سے مولانا محمود الحسن کو لا کر جہاد کا امام مقرر کیا جائے۔ انگریز بھی پوری طرح چوکس تھا اس نے ہماری ناکہ بندی کر دی کہ ہمیں کم از کم امداد مل سکے ادھر مولانا گویا یاغستان آنے میں رکاوٹ ڈالی اور وہ حجاز چلے گئے ادھر ان کے ساتھ ایک جاسوس بھی بھیج دیا جو تمام سکیموں کو ناکام بھی بناتا رہے اور مخبری بھی کرتا رہے۔

ادھر میں نے مہمند۔ باجوڑ۔ سوات۔ دیر چترال وغیرہ کا کئی ہفتے دورہ کیا اس پروگرام کا انگریز کو علم ہو گیا مجھے چترال سے سوات جانا تھا درمیان میں انگریزی سڑک تھی جس پہ پہرہ لگا دیا گیا میرے گھر سے فوٹو منگا کر فوجیوں کو پہنچا دی گئی مگر میں بفضل خدا ایک برساتی نالے کے ذریعہ سوات پہنچ گیا وہاں تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا تو امیر عبد الجبار کو صرف ہماری وجہ سے سوات کی نوابی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ (مشاہدات یاغستان ص۷۵)

چمتی پر شب خون

ایک دفعہ ہم نے چمتی کے تھانہ پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا اس کی حفاظت کے لیے برقی تار سے

گئے تھے چنانچہ میں نے ایسی قینچیاں بنائیں جسے ان تاروں کو کاٹ کر راستہ بنا دیا پھر فوج کے دو حصے کر دیے ایک حصہ چمنی پر حملہ آور ہوا دوسرا شب قدر سے چمنی کے راستے کے دونوں طرف گھنے جنگل میں بیٹھ گیا۔ چمنی تھانہ نے ٹیلیفون کے ذریعہ شب قدر کو اطلاع دی تو وہاں سے فوج اور کئی خچر کارتوس لے کر کمک چل پڑی جب وہ راستے میں پہنچی تو ان پر فائر کھول دیا گیا جس کی وجہ سے وہ اسلحہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہم تمام اسلحہ اور سامان لے کر آ گئے۔"

ناک پر گولی

"ہمارے بندوقچی اتنی مہارت کے مالک تھے کہ رات کے وقت انگریز تھانہ کے کسی گارڈ نے سگریٹ سلگایا ہمارے مجاہد نے سگریٹ کے نشان پر گولی چلائی اور گولی سپاہی کے منہ سے آرپار ہو گئی اس لیے گورنمنٹ نے نہایت سخت احکام جاری کیے کہ کوئی شخص سگریٹ نہ پیے۔" (مشاہدات کابل و یاغستان ص ۸۲)

مجاہدین سے ہمدردی اور تعاون

ان حالات میں انگریز نہایت تشدد پر اتر آیا ہندوستان کے اندر مجاہدین کو روپیہ اکٹھا کرتے اور مجاہدین کو بھیجنے میں نہایت دقت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن باوجود اس تشدد کے جماعت مجاہدین کی ہر دلعزیزی بڑھتی گئی جس قدر یہ انگریز کو نقصان پہنچاتے اس قدر خوشی ہوتی وہ زیادہ تعاون کرتے اور شوق جہاد میں لوگ آزاد علاقے میں پہنچے اکیلے مولانا ولی محمد فتوحی والے ایک لاکھ روپیہ سالانہ مجاہدین کے لیے اکٹھا کر کے بھیجا کرتے جہاد میں تو آدمی صرف ایک دفعہ مرتا ہے مگر یہ روپیہ اکٹھا کرنے والے ایک ایک دن میں کئی دفعہ مرتے اور کئی دفعہ ان کو دوبارہ زندگی ملتی کہیں یہ لباس بدلتے۔ کہیں یہ شکل بدلتے کہیں یہ زبان بدلتے کہیں گونگے بن جاتے اور بڑی ہی مشکلات سے یہ روپیہ مجاہدین تک پہنچاتے اور کیا مجال ایک پیسے کی کمی بیشی ہو صرف

خدا کی رضا کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر یہ روپیہ اسلحہ اور مراسلے
ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے اور جب کوئی پکڑا جاتا تو کیا مجال کہ کسی
ساتھی کا نام بتادے ۔ مولانا محمد علی ایسے ہی ایک مجاہد عبدالقادر کا تذکرہ
اپنی کتاب مشاہدات کابل و یاغستان ص۱۲۲ پر کرتے ہیں۔

عبدالقادر کی گرفتاری

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مجاہد عبدالقادر ہندوستان کا چکر کاٹ کر ہری پور ہزارہ
کے راستے اسمست (جو اس وقت مجاہدین کا مرکز تھا) جا رہا تھا وہ دربند
پہنچ کر دریائے سندھ کو عبور کرنے والا تھا کہ گورا سپاہیوں نے اسے
مشکوک سمجھتے ہوئے گرفتار کرلیا۔ گرفتار کرکے اس کا کوٹ اتار لیا جس میں
اس کا روپیہ اور کاغذات بصورت پیغامات موجود تھے جو وہ ہندوستان
کے مختلف لیڈروں کی طرف سے میرے پاس لا رہا تھا اگر وہ خطوط گورنمنٹ
کے ہاتھ لگ جاتے تو اکثر نامور لیڈروں پر سازش کا مقدمہ چل جاتا اور
انہیں تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور عصر کا وقت مجھے اطلاع
ملی کہ عبدالقادر گرفتار ہوگیا ہے اور گوروں کی نگرانی میں حوالات کے اندر
محبوس ہے اس حوالات پر چار گوروں کا پہرہ تھا اور دوسری صبح اس کا
کورٹ مارشل ہونا تھا یہ بھی اطلاع ملی کہ اس کا کوٹ جس میں روپیہ اور ضروری
خطوط ہیں اترواکر قبضہ میں رکھ لیا گیا ہے مجھے اس سے شدید صدمہ ہوا
میرے سامنے ایک اور مقدمہ سازش کا نقشہ کھنچنے لگا جس میں ہندوستان
کے بڑے بڑے سرکردہ لیڈر گرفتار ہوکر پھانسی کی سزا پائیں گے میں نے
حدیث شریف میں پڑھا تھا کہ افطار کے وقت کی دعا رد نہیں ہوتی۔
چنانچہ افطار کے وقت میں نے نہایت گڑگڑا کر خدا کے حضور عبدالقادر
کے لیے نجات کی دعا مانگی، پھر عشاء کی نماز کے بعد، تراویح کی نماز کے
بعد اور نماز تہجد کے بعد اور پھر صبح کی نماز کے بعد دعا مانگ کر میں وہیں

لیٹ گیا۔ میری آنکھ لگ گئی میں کیا دیکھتا ہوں کہ عبدالقادر آکر میرے پاؤں دبا رہا ہے میں پوچھتا ہوں کہ عبدالقادر تم کیسے آگئے ہو اس نے کہا میں تہجد کے وقت حوالات میں تھا گوروں کا پہرہ تھا کہ اچانک ایک خضر صورت بزرگ تشریف لائے ان کے چہرے پر تولیہ پڑا تھا انہوں نے آتے ہی حوالات کا تالا کھولا اور میرا کوٹ مجھے دے کر کہا کہ اس میں تمہارا روپیہ اور کاغذ بھی موجود ہیں چاروں بندر سو رہے ہیں تم چپکے سے نکل جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا یہاں سے نکال دینا میرا کام اور بھاگ جانا تمہارا کام ہے چنانچہ میں دریا کے کنارے آیا کشتی کھڑی تھی میں اس میں بیٹھ گیا دریا پار کیا اور بھاگ کر یہاں آگیا حیرت انگیز بات یہ کہ بمشکل میرا خواب ختم ہوا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص میرے پاؤں دبا رہا ہے آنکھیں کھول کر دیکھا تو عبدالقادر میرے پاؤں دبا رہا تھا میں نے اس سے اپنا خواب بیان کیا اس نے اپنا واقعہ قسم کھا کر بیان کیا کہ میں تہجد کے وقت حوالات میں تھا کہ ایک بزرگ شخص حوالات کے دروازے پر آئے انہوں نے تالا کھولا میں نے دیکھا کہ ان کے پاس چابی تھی یا نہیں یا بغیر چابی کے ان کے اشارے سے تالہ کھل گیا کوٹ ان کے پاس تھا جس میں میرے کاغذات اور روپیہ موجود تھا کوٹ مجھے دے کر کہا خدا کا شکر کرو تمہاری مخلصی کی صورت اس نے پیدا کی ہے یہاں سے نکال دینا میرا کام ہے اور بھاگ جانا تمہارا کام ہے اب پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔"

بہرحال مجاہدین سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔

عسکری تربیت

"اسی طرح عسکری تربیت کا اہتمام کیا گیا تھا اور فوج سے بھاگے ہوئے دو صوبے دار میجر ہمارے ساتھ مل کر باغستانیوں کو خوب تربیت دے رہے تھے جب ہم نے مردان، شب قدر، چمنی پر شب خون مارے تو انگریز انتہائی پریشان تھا اسے

سرحدات کو محفوظ کرنے کے لیے بتیس (۳۲) کروڑ روپے خرچ کرنے پڑتے تھے۔
انگریز ان حالات میں امیر حبیب اللہ پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ جس طرح ہو سکے جہاد ہند کراؤ ادھر ملا لبشیر کا امیر حبیب اللہ کو اس بات پر آمادہ کر چکے تھے کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرے۔"

مولانا عبید اللہ کی ناراضگی اور میری گرفتاری کے احکام

ادھر حملے

عبید اللہ صاحب سندھی ہم سے ناراض ہو گئے (مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۴)
ان کے تعلقات محمود طرزی سے تھے جن کی بڑی بیٹی عنایت اللہ خاں کو اور منجھلی بیٹی امان اللہ خاں کی بیوی تھی جو امان اللہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد ملکہ ثریا بنی انہوں نے مولوی عبید اللہ سندھی کے کہنے پر عنایت اللہ کو ہم سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔
"اعلیٰ حضرت نے میرے گرفتار کرنے کا حکم صادر فرمایا اور سو آدمی نے میرے گھر کا محاصرہ کر لیا اور مجھے حکم دکھایا کہ امیر حبیب اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔"
"جب اس حکم کا نائب السلطنت اور نادر شاہ سپہ سالار کو علم ہوا تو انہوں نے اعلیٰ حضرت کو کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو ملک میں ہنگامہ ہو جائے گا۔ ہم بھی اس کی مخالفت کریں گے چنانچہ امیر حبیب اللہ ارادہ کے باوجود مجھے انگریز کے سپرد کرنے کا وعدہ پورا نہ کر سکا اور کپتان یونس نے مجھے وارنٹ پر دستخط کرانے کے باوجود کہا کہ نادر خاں سپہ سالار نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو ہر سہولت مہیا کی جائے آپ ہفتہ عشرہ میں اپنا پروگرام سپہ سالار سے مل کر طے کر لیں اور مجھ سے دستخط حوالگی لے کر چلا گیا میں سیدھا سپہ سالار صاحب کے در دولت پہنچا۔ سپہ سالار صاحب خود اور ان کے والد صاحب

چشم پُر آب ہو گئے اور فرمانے لگے مولانا یہ اسلام اور افغانستان کی بدقسمتی ہے کہ آپ کو اسی طرح نکالا جا رہا ہے ہم تمہیں کسی بھی صورت انگریز کے ہاتھ پڑنے نہیں دیں گے اس کے بعد سپہ سالار صاحب کے ہمراہ نائب السلطنت کے دولت خانے پہنچا انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہارے یاغستان جانے کا انتظام کر دیا ہے پھر فون ہینڈنگ راجہ مندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ سے طویل مشورے کے بعد طے پایا کہ میں ملا بشیر کی معیت میں مشن کے ارکان کو وہاں بھیج دیں گے علاوہ ازیں سامان اور اسلحہ سپلائی کرنے کا بھی وعدہ کیا (مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۶)

قاتلانہ حملہ

"اس اثناء میں کابل کے بعض ارباب اقتدار کے اشارے سے میرے گھر پر مسلح ڈاکہ پڑا جس میں انہوں نے مجھے قتل کرنے کی سازش کی تھی مگر خوش قسمتی سے میں بچ گیا البتہ سامان بمعہ کاغذات چوری ہو گیا نائب السلطنت اور سپہ سالار نادر شاہ کا خیال تھا کہ یہ ڈاکہ انگریزوں کے ایماء پر پڑا ہے اور اس کی تہ میں معین السلطنت کے سیکرٹری تھے جو محمود بیگ طرزی کے خاص آدمی تھے (ان کا مولانا عبید اللہ سے خاص تعلق تھا)"
(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۵)

مولانا سندھی کی پشیمانی

"ان حالات کی بنا پر مجھے یاغستان جانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ مولانا سندھی کو میری روانگی کا علم ہوتے ہی اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی وہ بہت روئے اور نہایت فراخ دلی سے مجھے گلے لگا کر آئندہ تعاون کا یقین دلایا میں نے اپنا تمام اثاثہ آئندہ انقلابی تحریک پر خرچ کرنے کے لیے ان کے حوالے کر دیا اپنا تمام سامان کابل میں چھوڑ کر ملا بشیر کی معیت میں جون ۱۹۱۷ء کو خفیہ کابل سے نکلا اور ایک ہفتہ کی نہایت دشوار گزار مسافت طے کر کے یاغستان ملا بشیر کے مستقر پر پہنچ گیا" (مشاہدات کابل و یاغستان ص ۳۷) مولانا زندگی بھر ایسے ہی کام کرتے رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جرمن مشن
دوران جنگ ایک مشن کابل آیا تاکہ حبیب اللہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے اس کے اراکین حسب ذیل تھے : راجہ مہندر پرتاپ۔ برکت اللہ۔ ڈاندرمن فرسٹ (آسٹرین) ناظم بیگ جرمن ڈیلیگیٹ۔ فون ہیننگ نیدڑ ماٹر" (آپ بیتی ص۹۱)

حکومت موقتہ
"جب امیر حبیب اللہ حملہ کے لیے آمادہ نہ ہوئے تو مشن نے ایک حکومت موقتہ بنائی مولانا عبید اللہ فرماتے ہیں راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ نے مل کر حکومت موقتہ بنائی (کابل میں سات سال ص۶)
اس کے صدر مہندر پرتاپ وزیر اعظم برکت اللہ اور وزیر خارجہ مولانا عبید اللہ تھے" (تحریک شیخ الہندؒ ص۱۶۸)

مولانا فرماتے ہیں :

" راجہ صاحب نے ہمیں حکومت موقتہ میں دعوت دی جنگ افغانستان کے خاتمے پر اس میں اور ممبر بڑھائے گئے ان میں جماعت مجاہدین کے وکیل مولانا بشیر صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں" (ریشمی رومال ص۳۲۲)

مولانا محمد علی اپنی کتاب مشاہدات کابل و یاغستان کے ص۳۳ پر فرماتے ہیں:
" ہندوستان کی ایک عارضی حکومت بنائی گئی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ نائب صدر مولوی عبید اللہ وزیر اعظم مولوی برکت اللہ وزیر خارجہ (مولوی محمد علی قصوری) (تحریک شیخ الہند کی بات غلط ہے کہ مولوی عبید اللہ وزیر خارجہ بنائے گئے) ملا بشیر وزیر دفاع اور یاغستان کی لشکر کشی کے ذمہ دار ٹھہرے دوسرے ملکوں سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے روس۔ جرمن۔ ترکی میں مشن بھیجے گئے" (تحریک شیخ الہند ص۲۹۳، ص۲۹۴) اس کا ہیڈ کوارٹر کابل تھا جہاں مہندر پرتاپ صدر اور عبید اللہ صاحب دوسرے صدر

تھے (تحریک ریشمی رومال ص۱۴۴)

نوٹ: مولانا مدنیؒ کی عادت ہے کہ وہ واقعات میں اپنی منشاء کے مطابق ادل بدل کر لیتے ہیں کبھی وہ مولوی عبید اللہ صاحب وزیر خارجہ بناتے ہیں اور اب نائب صدر کی جگہ دوسرا صدر بنا دیا حالانکہ دو صدر کبھی نہیں ہو سکتے۔

جنود ربانیہ

پھر اسی حکومت موقتہ کے ماتحت ایک فوج تشکیل دی گئی۔

"جنود ربانیہ کی اسکیم حکومت موقتہ سے تعلق رکھتی تھی جس کے کارکنوں کے لیے مسلمان ہونا ضروری اور لازم تر تھا (شیخ الہند ص۲۳۹)

اس مشن کے ساتھ مولانا کا تعلق

تحریک شیخ الہند ص۳۶۷ مولانا عبید اللہ فرماتے ہیں "ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ انہوں نے مجھے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست کی میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔"

۱۔ چند روز کے مباحث کے بعد اس انجمن نے قبول کر لیا کہ افغانستان اگر جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم آپ کے شاہزادہ کو مستقل بادشاہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور اسی قسم کی درخواست امیر صاحب کے یہاں پیش کر دی لیکن چونکہ امیر صاحب ابھی شرکتِ جنگ کے لیے تیار نہیں اس لیے یہ معاملہ ملتوی رکھا گیا۔

۲۔ اس حکومت موقتہ کی طرف سے روس میں سفارت گئی جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے چنانچہ روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔

۳۔ ایک سفارت براہِ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں اُمید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر مورد عنایت ہوں گے۔

۴۔ ایک سفارت جاپان اور چین جانے والی ہے۔
۵۔ ہندوستان میں پہلی سفارت بھیجی گئی وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔
۶۔ اب دہری سفارت جارہی ہے۔
۷۔ تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے۔
جرمن سفارت سے میرے ذاتی تعلقات بہت اعلیٰ درجے پر ہیں
جس مین اسلامی فوائد میں پوری مدد ملے گی۔
اس حکومت موقتہ میں راجہ پرتاپ صدر ہیں مولوی برکت اللہ بھوپالی
وزیراعظم اور احقر وزیر ہند۔
فقط والسلام عبید اللہ

(تحریک شیخ الہند ص۱۶۹)

یہ تحریر سی آئی ڈی کے ہاتھ لگی اور سیکرٹ ڈیپارٹمنٹ پہنچی جس سے
مولانا محمد میاں نے اخذ کی۔

مشن کی کارکردگی

(۱) یہ مشن جس نے پہلے امیر حبیب اللہ کو
ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے مائل
کرنے کی کوشش کی۔
۲۔ جس مشن نے مختلف ممالک کو سفارتیں بھیجیں اور معاہدات کیے کہ
کہ اختتام جنگ پہ ہندوستان کو آزاد کرنے کی کوشش کریں۔
۳۔ جس مشن نے جنود ربانیہ کی تشکیل کی۔
۴۔ جس مشن نے مولانا محمد علی اور مولانا بشیر صاحب کو یاغستان بھیجا تاکہ وہ قبائل کو
اکٹھا کر کے ہندوستان پر حملہ کریں۔
۵۔ جس مشن کے تحت مولانا عبید اللہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو خط لکھا
کہ ہم مختلف ممالک سے معاہدات کر چکے ہیں۔ آپ انور پاشا۔ غالب پاشا
سے معاہدات کر کے ہماری مدد فرمائیں۔

۶ - جس مشن نے راجوں اور نوابوں کو خطوط بھیجے کہ ہندوستان کو آزاد کرائیں۔
جو مشن ہر صورت میں ہندوستان کی آزادی کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہ کرتا تھا اور جس مشن کے بعض سفیروں کو راستے سے پکڑ کر پھانسی کے تختے پر چڑھایا گیا۔
اس مشن کا ہر شخص حامی تھا حبیب اللہ بھی بظاہر مشن کے ساتھ مذاکرات کرتا رہا ہے مگر دل سے اس کے ساتھ نہ تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس مشن کو ناکام کیا چنانچہ اس مشن کو ناکام کرنے کے لیے مولانا عبیداللہ کی خدمات حاصل کی گئیں جو مشن کی ہر کارروائی میں شریک رہے مگر کیا وہ دل سے شریک تھے نہیں ہرگز نہیں وہ بدنیت تھے انہوں نے مشن کو دھوکا دیا۔

چنانچہ خود اپنی کتاب "کابل میں سات سال" ص۶ پر فرماتے ہیں:
"ہمارے خیالات چونکہ مشن سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اس لیے ہمیں دربار میں بڑھنے کا موقعہ مل گیا۔"

مولانا محمد میاں بھی اس کی تائید فرماتے ہیں اور مولانا عبیداللہ کے الفاظ نقل فرماتے دیکھو (تحریک شیخ الہندؒ ص۳۰۶)
ہمارے نظریات مشن کے ممبروں سے پورے پورے نہ ملتے تھے اس لیے ہم کو دربار میں بڑھنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ مشن کے خواب کو مختلف تعبیروں سے پریشان کیا گیا۔

یہی الفاظ کیپٹن ظفر احسن نے اپنی سوانح آپ بیتی ص۱۰۶ میں نقل کیے ہیں:
"بالآخر یہ مشن حبیب اللہ اور مولوی عبیداللہ کی کوشش سے ناکام ہو گیا واپسی کے وقت انہوں نے اپنا اساسہ ۳۰۰ پونڈ مولوی عبیداللہ صاحب کے حوالے کیے جن میں سے دوسو پونڈ بقول مولوی عبیداللہ چوری ہو گئے اور ضرورت کے

لیے مولوی بشیر صاحب نے بطور امداد دو سو پونڈ مولوی عبید اللہ صاحب کو دیے۔

نتیجہ : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگانِ دیوبند کا مجاہدین سے کوئی تعلق نہ تھا یہ ان سے الگ رہا ہے ان کا چندے جمع کرنے کا بھی کوئی نظام نہ تھا پہلے یہ افغانستان کی حکومت سے لے کر کھاتے رہے پھر یہ روس سے مال لے کر کھاتے رہے پھر انہوں نے مولانا محمد علی قصوری اور ابراہیم صاحب پر وفیسر کا مال کھایا اور جب ضرورت پڑی مولانا بشیر صاحب کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے اور روپیہ اکٹھا کر لیا علمائے دیوبند کے اکابرین میں سے یہ اکیلا آدمی ہے جس نے آزاد قبائل کا رُخ کیا اور وہاں بھی تخریب کے علاوہ ان کا کوئی کام نظر نہیں آتا۔

ریشمی خطوط

ریشمی خطوط کے معاملہ میں بھی مولانا کا کردار ایسا ہی ہے یہ خطوط مولانا نے ایک ایسے آدمی کو دیے جس کے ذریعے یہ خطوط جنرل ایڈوائر کو پہنچ گئے۔

مولانا مدنیؒ نے اس کے متعلق ایک کتاب بنام ریشمی رومال لکھی۔ مولانا محمد میاں نے اس کے متعلق کتاب لکھی جس کا نام تحریک شیخ الہند رکھا۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریشمی رومال کی تحریک حضرت شیخ الہندؒ نے چلائی تھی اور دونوں کتابوں کو پڑھ کر کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مولانا نے ریشمی رومال ساری عمر میں کسی کو بھیجا ہو۔

سی آئی ڈی کے ہاتھ جو ریشمی خط لگا وہ مولوی عبید اللہ کا لکھا ہوا تھا اور عبدالحق کو دیا تھا مولانا عبید اللہ چونکہ عادی ہیں کہ وہ ہر کام کو مولانا محمود الحسن کے ذمہ لگا دیں اس لیے اس نے اس خط کا مکتوب الیہ مولانا محمود الحسن کو بنایا مولانا حسین احمد مدنی نے بھی مکتوب الیہ مولانا محمود الحسن کو بنایا۔ مولانا محمد میاں نے بڑی خوبصورتی سے ریشمی رومال کا لفظ چھوڑ دیا اور کتاب کا نام

"تحریک شیخ الہند" رکھا گویا جو کچھ ہوا اس کے محرک مولانا محمود الحسنؒ تھے مگر کتاب پڑھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ نہ شیخ الہندؒ نے کوئی ریشمی خط کسی کو لکھا نہ مولانا کو ریشمی خط پہنچا وہ اس سے بالکل بے خبر اور بے تعلق تھے انہوں نے نہ کسی ریشمی خط کو ہاتھ لگایا نہ دیکھا اور پیران نمی پرند مریداں می پرانند کے تحت اس پر کتابیں لکھ ماری گئیں۔ ریشمی خط کے متعلق مولانا محمود الحسن کا کردار بالکل صفر ہے۔

شد پریشاں مطلبش از کثرتِ تعبیرہا

یہ مورخین اس بات پر بھی متفق نہیں ہو سکے کہ ریشمی خط کا مطلب کیا تھا مولانا محمد میاں مصنف تحریک شیخ الہند اپنی کتاب کے ص ۱۱۲ پر رقمطراز ہیں:

"دراصل خط کا مضمون غالباً یہ تھا کہ حکومت موقتہ نے افغانستان سے عہد کر لیا ہے باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارتیں بھیجی جا رہی ہیں اس سلسلہ میں حکومت ترکیہ سے بھی ربط و ضبط کرنا منظور ہے حضرت موصوف سے درخواست ہے کہ معاہدہ کرنے میں مدد کریں۔"

نوٹ: یہ بات غلط ہے ترکی تو خود معاہدے کا خواہش مند تھا اور اس کا نمائندہ اس مشن میں موجود تھا جو افغانستان آیا تھا۔

مولانا مدنی کے تصور و تخیل کی پرواز

مولانا مدنی اپنی کتاب ریشمی رومال ص ۱۶۳ پر فرماتے ہیں:

"ریشمی رومال میں بغاوت کی تاریخ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء مقرر کی گئی پھر ص ۱۶۴ پر فرماتے ہیں جو اسی ریشمی خط میں افغان حکومت سے معاہدہ کر کے افغانستان کے ہیڈ کوارٹر نے ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کی تاریخ کا تعین کیا یہ خط مولانا شیخ الہندؒ کو مدینہ منورہ ملنا تھا اس کے مطابق حکومت ترکی سے طے کر کے ایک ماہ پہلے یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو کابل ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دینی تھی اور پھر کابل ہیڈ کوارٹر

نے یکم فروری ۱۹۱۷ء کو حملے کی تاریخ سے مطلع کرنا تھا ۹ تاریخ کو ترکی کی فوجوں نے افغانستان پہنچنا تھا۔"

یہ مولانا کا محض تخیل اور افسانہ ہے کہ ترکی فوجیں کو افغانستان پہنچنا تھا، حالانکہ ایران سے ان کا گزرنا ناممکن تھا۔

مزید ملاحظہ فرمائیں ص۹۳ پر فرماتے ہیں:

"حبیب اللہ نے کہا کہ ترکی فوجیں سرحدوں سے گزر جائیں لوگ بھی ساتھ مل جائیں حکومت غیر جانب دار رہیگی یہ معاہدہ انقلابی لیڈروں سے لے کر نصر اللہ کے پاس محفوظ کر دیا گیا۔

اس معاہدے کی ساری عبارت بمعہ تاریخ حملہ ۱۹ فروری ریشمی کپڑے میں بُن دی گئی یہی ریشمی رومال ہے۔"

نوٹ: یہ بھی غلط ہے کہ عبارت بن دی گئی افغانستان کے ملک میں ایسا ممکن ہی نہ تھا۔

پھر مولانا ص۱۹۳ پر فرماتے ہیں معاہدے کی پوری عبارت اور تاریخ حملہ کی منظوری کی عبارت بُن دی گئی یہ عبارت عربی زبان میں تھی اور دستخط حبیب اللہ اور اس کے تینوں بیٹوں کے بُننے میں آ گئے پھر چاروں کے دستخط زرد رنگ کی سیاہی سے کر دیے گئے رومال کی لمبائی ایک گز اور عرض بھی ایک گز تھا۔"

مگر مولانا محمد میاں صاف اپنی کتاب تحریک شیخ الہند میں لکھتے ہیں "ریشمی خط کی زبان اردو تھی کمشنر کو رب نواز نے ریشمی زرد کپڑے کے تین ٹکڑے دیے جن پر خوشخط اردو لکھی تھی (بُنی ہوئی نہیں تھی)"

اور تعداد میں اختلاف

مولانا مدنی فرماتے ہیں ریشمی خط ایک تھا جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک گز تھی محمد میاں صاحب فرماتے ہیں یہ تین ٹکڑے تھے مولانا محمد میاں تحریک شیخ الہند ص۱۸۲ پر فرماتے ہیں:

" یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر ہیں - پہلا عبدالرحیم کے نام یہ ٹکڑا ۶" x ۵" دوسرا مولانا کے نام ۱۰" x ۸" تیسرا ۵" x ۱۰ بظاہر پہلے خط کا تسلسل ہے پہلے اور تیسرے خط پر " عبید اللہ " کے دستخط ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبید اللہ نے خود ہی یہ خط لکھے -

مولانا مدنی رنگ آمیزی کرتے ہیں

اپنی کتاب کے صہ ۱۹۴ پر فرماتے ہیں : " پانچ درجن رومال میں لپیٹ کر (یہ ریشمی رومال) خان بہادر حق نواز کو پشاور دیے گئے اس نے یہ ریاست بہاولپور میں خواجہ غلام محمد کو دینے تھے جو اسے پہنچا دیے گئے دوسرے دن یہ رومال شیخ عبدالرحیم کو ملتے ہیں وہ ریشمی رومال کو گدڑی میں سی رہے تھے کہ فوج پہنچ گئی - اور رومال سے لیا اور یہ دیوار پھاند کر نکل گئے " فوج بھی اکیلے آدمی کو پکڑ نہ سکی آج تک پتہ نہیں چلا -

مولانا مدنی کی گھڑ نتل

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پولیس کی بجائے فوج کیوں پہنچی کس نے مخبری کی اور یہ بھی غلط ہے کہ عبدالرحیم کے پاس رومال پہنچے بلکہ وہ تو ان کو ملے ہی نہیں پہلے ہی عبدالحق نے رب نواز کو دیے جس نے گورنر کو دے دیے -

مولانا مدنی کا تضاد

مولانا مدنی نقش حیات صہ ۶۱۵ پر فرماتے ہیں :- مولانا عبید اللہ صاحب جاتے ہوئے اپنی بیٹی مولانا ابوسراج کے پاس چھوڑ گئے تھے انہوں نے کچھ عرصہ بعد انہیں سے نکاح کر لیا ریشمی خط ان کے پاس بھی پہنچا تھا - فوج پہنچی مخلصین نے اطلاع کر دی راتوں رات تمام سامان رائفلیں کارتوس وغیرہ منتشر کر دیا گیا صبح کو افسر انگریز دین پور پہنچا اور تفتیش کی تو کوئی چیز موجود نہ تھی - ریشمی خط کو بھی تلاش کیا وہ ایک ڈبہ میں بچوں کے کھلونوں کے نیچے رکھا ہوا تھا (خط گھر ہی رکھ لیا تھا) انگریز افسر نے وہ ڈبہ اٹھایا مگر اوپر کے کھلونوں کو دیکھ کر رکھ دیا غرضیکہ

کوئی مشتبہ چیز نہ پائی گئی۔

یہ سب خود ساختہ ہے اور مدنی صاحبؒ نے خود تصنیف کیا ہے یہ خط جب لکھے گئے تھے اس وقت مولانا مدنیؒ جزیرہ مالٹا میں تھے یہ خط مولانا تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا نہ پہنچا بلکہ یہ گورنر پنجاب کے حوالے کر دیا گیا مولانا نے اس خط کی شکل بھی نہیں دیکھی مولانا سندھیؒ نے اپنی کتاب "کابل میں سات سال" میں یہ کہانی نہیں بیان کی اس لیے یہ مولانا مدنی کی خود ساختہ کہانی ہے یہ سکیم مولانا مدنی کے دماغ میں طے پائی ہے خارج میں اس کا کہیں وجود نہیں تھا۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو مولانا سندھی اسے خوب بڑھا چڑھا کر ظاہر کرتے۔

مولانا ایسی باتیں گھڑ لیا کرتے تھے

چنانچہ آپ بیتی جلد ۲ ص۹ پر کیپٹن ظفر احسن مولانا مدنی کے متعلق لکھتے ہیں: "مولانا مدنی جو لکھا ہے کہ قبلہ مولانا (عبیداللہؒ) صاحب کو کوسوں پیدل چلنا پڑا یا بہت فاقے کاٹنے پڑے بالکل غلط ہے وہ روس آتے ہوئے جہاں موٹر یا ریل، سڑک نہیں گھوڑے پر سفر کرنا پڑتا ہے، کبھی ایک قدم بھی پیدل چلنے پر مجبور نہیں ہوئے اور نہ روس میں بھوکے رہے وہ روسی گورنمنٹ کے مہمان تھے" ص۱۲ پر فرماتے ہیں:

"ہم باجرے کی سیاہ روٹی خرید کر گھوڑے کے گوشت سے کھا لیتے تھے ہماری خوراک کا خرچ اور ریل کا کرایہ روسی گورنمنٹ کی طرف سے دیا گیا تھا۔"

مولانا سندھی روس کا مال کھاتے رہے اور اسی وجہ سے ان کو ملک بدر کیا گیا اور وہ عمر بھر کمیونزم اور سوشلزم کا پرچار کرتے رہے اور روس گئے تو وہاں کی معاشرت کو انہوں نے بہت پسند کیا اس پسندیدہ معاشرہ کی حالت کیا تھی ان کے شاگرد رشید کیپٹن ظفر احسن اپنی کتاب "آپ بیتی" ص۲۳ پر فرماتے ہیں:

"یہاں رفع حاجت کے کمرے کا نہ پردہ نہ دروازہ، حمام میں بھی سب ننگے نہلاتے تھے۔"

مولانا سندھی خوب مزے لوٹتے رہے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کو مدینہ میں بیٹھے پتہ چل گیا کہ مولانا عبید اللہ کو شدید مشکلات سے گزرنا پڑا بھوک اور فاقے برداشت کرتے رہے اور کوسوں پیدل چلتے رہے۔

اسی طرح مولانا نے ریشمی رومال کے متعلق جو بھی کچھ لکھا ہے یہ محض ان کا تخیل ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں مولانا نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ سب تحریر اور دستخط بھی بن دیے گئے آپ بھی سوچیں کیا یہ افغانستان جیسے پس ماندہ ملک میں ممکن ہے۔

ریشمی خط مرسل الیہ کے پاس پہنچے کہ نہیں

مولانا مدنی لکھتے ہیں عبدالرحیم کے پاس خط پہنچ گئے تھے فوج نے خط پکڑ لیا اور عبدالرحیم بھاگ گیا جیسا کہ اوپر ذکر آگیا ہے۔ ص۷۵

مگر اس کے برخلاف مولانا سندھیؒ خود فرماتے ہیں (کابل میں سات سال) (مولانا عبید اللہ نے) مشن کے کاغذات عبدالحق کو دیے کہ عبدالرحیم سندھی کو پہنچا دے اس اللہ کے بندے نے یہ سب کاغذات رب نواز کو پہنچا دیے جس نے یہ سرمائیکل اڈوائر کو دے دیے جس کے بعد ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔

مولانا عبید اللہ کے شاگرد رشید کیپٹن ظفر احسن اپنی کتاب آپ بیتی ص۱۱۳ پر فرماتے ہیں:

"عبدالحق نے چٹھیاں رب نواز کو دے دیں جس نے یہ خطوط گورنمنٹ کو پہنچا دیے اس پر ہندوستان میں گرفتاریاں ہوئیں عبدالحق کو اس صلے میں پولیس میں نوکری ملی اور خان بہادر رب نواز کو روپے ملے عبدالحق ہمارے،

ساتھ ایک جاسوس کے طور پہ آیا تھا۔"

مولانا سندھی نے یہ خطوط اسی جاسوس کو دیے۔

مگر مولانا مدنی اپنے پاس سے ہی گھڑ گھڑ کر باتیں بنا اور سُنا رہے ہیں کہ عبدالرحیم کو خط پہنچا دیے گئے وہ گدڑی میں اسے سی رہے تھے کہ فوج پہنچ گئی فوج نے خط پکڑ لیا اور عبدالرحیم صاحب کو بھاگ جانے دیا۔

کیا اس طرح گھڑ گھڑ کر افسانے تراشنے سے کسی کی عزت میں اضافہ ہو سکتا ہے ریشمی خط کے مضمون میں اختلاف ہے ریشمی خط کی تعداد میں اختلاف ہے ان کے طول و عرض میں اختلاف ہے زبان اس کی اُردو تھی کہ عربی اس میں اختلاف ہے پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ عبدالرحیم کو ملے یا نہیں ملے۔ یہ خط جو اس قدر خفیہ نجی با اعتماد پیغامبر کے ہاتھ بھیجے گئے تھے اور عبدالرحیم صاحب کو مل گئے تھے تو فوج کو کسی نے مخبری کی اور مولانا مدنی کی یہ بات بقول عبیداللہ سندھی و کیپٹن ظفر احسن غلط ہے تو عبدالحق جیسے جاسوس کو یہ خطوط کیوں دیے گئے کیا اس سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ بھیجنے والے کا منشا بھی ان خطوط کو حکومت تک پہنچانا تھا اور یہی کام وہ تمام عمر کرتے رہے مولانا مدنی یا محمد میاں کے پاس مولانا عبیداللہ سے زائد معلومات نہیں اور نہ ایوب قادری اس سے زائد کچھ جانتے ہیں۔

مگر اس مخبری کو تحریک بنانے والے محض کاغذی گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور اس تحریک کا قائد اور ہیرو مولانا محمود الحسن کو بتا رہے ہیں یہ یہ تحریک ان کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں جن کو پتہ نہیں کہ ریشمی خط کیا ہے انہوں نے تو اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ مولانا نے سوالات و جوابات کے ضمن مولانا مدنی اسیر مالٹا صفحہ پر فرماتے ہیں آپ سے پوچھا گیا ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے مولانا نے فرمایا کہ مجھے کچھ علم نہیں نہ میں نے دیکھا ہے۔

آپ فرمائیں جس کی طرف یہ ریشمی رومال بھیجے گئے تھے ان کو پتہ بھی نہ

ہو اور آپ فرمائیں یہ تحریک انھوں نے چلائی تھی کیا یہ بات عقل و فکر میں آسکتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر آپ تسلیم کریں کہ مولانا نے سہواً ایک جاسوس کو کاغذات دے دیے تھے وہ خود اس میں ملوث نہیں تھے تو ذرا ذیل کا مضمون قرأت فرمائیں (تحریک شیخ الہند ص ۱۸۵)

ان خطوط میں مذکور شیخ عبد الرحیم حیدر آباد سندھ	مولانا عبید اللہ نے ان خطوط میں مولانا محمود الحسن کو روکا کہ وہ ہرگز کابل نہ آئیں،

کے ہیں (یہ نومسلم تھے اور اچاریہ کرپلانی کے بھائی تھے (کابل میں سات سال ص ۵۷) اس خط کو مدینہ پہنچانا ان کی ذمہ داری تھی اس لیے شیخ عبد الرحیم کو ایک تشریحی خط لکھا گیا جو حسب ذیل نکات پر مشتمل تھا۔

اوّل یہ خط مولانا کو مدینہ بھیجنا ہے دوم حضرت مولانا کو زبانی گفتگو میں بھی اور ان کے نام بھی تحریر شدہ خط کے ذریعہ بھی خبردار کر دیا ہے کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں سوم مولانا کو سمجھ لینا چاہیے کہ مولوی منصور اس بار حج کے لیے نہ آسکیں گے چہارم شیخ عبد الرحیم کابل آنے اور مولوی عبید اللہ سے ملاقات کی کوشش کریں وغیرہ وغیرہ۔

نیز لکھا کہ واپسی جواب بذریعہ مولوی احمد علی لاہوری (یہ مولانا عبید اللہ کے بھانجے تھے جنہیں مولوی عبید اللہ نے ہجرت کرنے کے بعد کابل سے واپس بھیج دیا) یا براہِ راست کابل بھیجیں۔

اس کے متعلق یہ نوٹ فرمالیں کہ جو خطوط شیخ عبد الرحیم اور احمد علی کے ذریعہ لے جائے جانے تھے وہ عبید اللہ نے ان کے حوالے کر دیے تھے عبید اللہ نے احمد علی کو کابل کے واقعات بھی مکمل بتا دیے تھے (عبید اللہ کا ذکر حقیقی ریشمی خطوط کے ضمن میں آرہا ہے)

احمد علی کو جو خطوط سپرد کیے گئے تھے وہ پہنچا دیے گئے تھے احمد علی نے لاہور میں خط اور فوٹو مولوی احمد اللہ کے حوالہ کر دیا تھا۔ تحریک شیخ الہند ص۲۹۱)

دوسرا خط بغیر دستخط کے دوسرا خط تحریک شیخ الہند کے ص۳۵۸ پر موجود ہے "اس میں ہندوستان کے حالات لکھے ہیں خصوصاً دیوبند کے متعلق لکھا تھا مالکان مدرسہ (دیوبند) سرکاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں نمائش کے دربار میں شرکت کا فخر بھی نصیب ہونے لگا ہے یہ بھی لکھا کہ اہل مدرسہ مولوی محسن سید نور کے ذریعہ سے حضور کو ہند میں لانے کی سعی میں ہیں ادھر انگریزوں میں پہلی سی عزت بوجہ عدم ضرورت نہیں رہی۔

نیز فرمایا قاضی صاحب حکیم صاحب ڈاکٹر صاحب۔ مولانا رائے والے حضور کی مراجعت ہند کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے ایسی کسی تحریک کو ہرگز ہرگز منظور نہ فرمایا جائے۔ (خط مورخہ ۹ جولائی ۱۹۱۶ء)

ان خطوط میں کوئی بھی بات انگریز کے منشاء کے خلاف نہیں نہ ان میں کسی تحریک کا ذکر موجود ہے کہ جسے تحریک شیخ الہند کہا جائے۔

بلکہ صاف نظر آتا ہے کہ مولانا عبید اللہ صاحب نے یہ خط لکھے تاکہ مولانا نہ تو کابل تشریف لا کر مجاہدین کی مدد کریں نہ ہندوستان میں آ کر آزادی پسند عوام کے ساتھ مل کر استخلاص وطن کی تحریک میں حصہ لیں۔ یہ مولانا محمد میاں صاحب اور سی آئی ڈی کے مصدقہ خطوط ہیں۔

مولانا محمود الحسن صاحب سے جب ریشمی خط کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا نہ انہیں پتہ ہے نہ انہوں نے دیکھا ہے (اسیر مالٹا ص۴۸)

"پھر مولانا سے پوچھا گیا کہ مولوی عبید اللہ لکھتا ہے کہ آپ اس کے ساتھ سیاسی سازش خلافِ برطانیہ میں شریک ہیں اور آپ فوجداری کمانڈار ہیں مولانا نے جواب دیا ہے اگر وہ لکھتا ہے تو لکھنے کا خود ذمہ دار ہے جھل

ہیں اور فوجی کماندار، میری جسمانی حالت ملاحظہ فرمائیں اور عمر کا اندازہ کریں
میں نے مدرسی کی ہے مجھے فنونِ حرب اور فوجی کمان سے کیا تعلق ہے۔ ہم
حیران ہیں کہ ان کے ان تینوں خطوط میں کہیں ذکر نہیں کہ مولوی صاحب فوجی
کمان دار ہیں مولوی عبید اللہ نے کب لکھا اور اس کے لکھے ہوئے کی اطلاع
انگریز کو کیسے پہنچی یہ ایک معمہ ہے تحریک شیخ الہند ص ۱۷۵ پر ایک خفیہ رپورٹ
کے ضمن میں لکھا ہے "عبید اللہ نے لکھا ہے" عبید اللہ نے عہدیداروں کی جو
فہرست دی ہے اس سے معلومات میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔"

اس کتاب میں جن لوگوں کو تحریک ریشمی رومال میں ملوث قرار دیا گیا ہے ان کی
تعداد ص ۳۸۴ پر ۲۲۲ ہے ان کے نام مفصل طور پر کسی طرح ان کو پہنچے
اور کون تھا جو ان کی مخبری کرتا تھا مجھے کہنے کی ضرورت نہیں مولانا خود اپنی
کتاب "کابل میں سات سال" ص ۷۱ پر تحریر فرماتے ہیں :

"سندھی علماء نے قندھاری پیروں کی معرفت شبہ ظاہر کیا کہ عبید اللہ
حکومت کا فرستادہ ہے اس کا مطلب حکومت کے اسرار سے انگریز کو مطلع
کرنا ہے۔

غرض مولانا عبید اللہ صاحب نے بہت ہوشیاری سے یہ کام کیا۔ وہ نہ
مجاہدین کے ساتھ مل کر چلے نہ انہوں نے مولانا محمود الحسن کو کابل آنے دیا نہ
ان کو ہندوستان آنے دیا اور یہی ان کا مشن تھا جسے انہوں نے خوب نبھایا
گر مولانا محمود الحسن صاحب کچھ کرنا بھی چاہتے تھے تو انہیں مولانا عبید اللہ نے
جامد کر دیا اور کچھ نہ کرنے دیا۔

حقیقی ریشمی خط

مصنف تحریک شیخ الہند ص ۳۲۴ پر فرماتے ہیں جرمن
چانسلر کی طرف سے ہندوستانی راجوں کے نام
خطوط راجہ مہندر پرتاپ لایا تھا یہ دو درجن خطوط تھے ان میں مکتوب الیہم
کو بھڑکایا گیا تھا کہ وہ اپنی اور ہندوستان کی مدد کریں اور ملک کو برطانیہ کی

غلامی سے نجات دلائیں۔ جرمنی۔ ہندوستان کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے
ان خطوں میں اسے مشن کا سربراہ قرار دیا گیا تھا۔

پھر ص ۳۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

راجہ نے عبید اللہ سے مدد مانگی اسنے مولوی عبد اللہ اور ایک دوسرے
شخص فتح محمد کو یہ خطوط دیے اور ہندوستان روانہ کیا لیکن پھر وہ واپس
نہ آئے۔

مولانا فضل الٰہی صاحب کی تائید

اس بات کی تائید حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی امیر المجاہدین نے کی ہے جسے
مولانا خالد گھرجاکھی نے ان سے سُن کر لکھا ہے (فضل الٰہی وزیر آبادی
ص ۶۰)

جرمن مشن کے سفارتی خطوط

"مجاہدین باغستان نے اپنے وفد جرمنی روسی، ترکی ہندوستان، چین وغیرہ
میں بھیجے چنانچہ حکومت جرمنی کی طرف سے ہندوستان کے راجوں مہاراجوں
اور نوابوں کی طرف باقاعدہ طور پر چٹھیاں بھیجی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ
اگر ہندوستان پر حملہ کیا جائے تو اس جنگ کو صرف انگریز کے خلاف سمجھا
جائے اور ہندوستان کے نواب یا راجے آڑے نہ آئیں چنانچہ ان کا تعاون
حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ سفارتی طور پر چٹھیاں بھیجی گئیں یہ چٹھیاں
ریشمی کپڑے پر لکھی گئی تھیں۔ یہ چٹھیاں افغانستان بھیجیں اور پھر ہندوستان
بھیجی گئیں۔

انگریزی حکومت میں اس کے برخلاف بغاوت کی چٹھیاں راجوں اور
نوابوں تک پہنچانا بہت مشکل کام تھا جس مجلس میں یہ کاروائی ہو رہی تھی اس
میں مولانا فضل الٰہی صاحب موجود تھے اور صوفی عبد اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم
ماموں کانجن، یہ ذمہ داری اٹھانے کے لیے کہا گیا تو سب خاموش رہے

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب موجود تھے اور صوفی عبداللہ کی طرف دیکھا انہوں نے فرمایا میں حاضر ہوں چنانچہ سات چٹھیاں ان کے حوالے کی گئیں۔

نوٹ: یہ وہی عبداللہؒ ہیں جن کا تذکرہ تحریک شیخ الہندؒ کے ص ۳۲۵ پر مولانا محمد میاں نے کیا ہے۔

راجہ نیپال کو ریشمی خط

"صوفی عبداللہؒ صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں پہلے دہلی میں حافظ اسحٰق صاحب کو ملا وہاں کچھ چیزیں ان کے پاس رکھ کر پہلے راجہ نیپال کے پاس گیا راجہ کو ملنے سے پہلے اس حلقہ کے امیر مولوی لیاقت علی کو ملا وہ پیری قیصر میں رہتے تھے وہاں اور بھی اپنے آدمی رہتے تھے انہوں نے ایک ٹھیکیدار کے پاس بھیجا وہ شاہی مہمان خانے میں سپلائی کا کام کرتا تھا چنانچہ جب ٹھیکیدار کو مولانا لیاقت علی صاحب کا پیغام پہنچا کہ محمد عمر (اصل نام عبداللہؒ) کی ملاقات راجہ سے کروانی ہے (مجاہدین ہر سفر پر اپنا نام تبدیل کرتے تھے اور کوڈ نام پر سفر کرتے تھے) ٹھیکیدار نے وقت مقرر کر کے کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے آنا راستے میں کسی چوب دار نے کوشش کی تو ٹھیکیدار نے روکنے نہ دیا حتیٰ کہ دونوں شاہی دربار میں پہنچے تو صوفی صاحب نے ریشمی خط راجہ کے حوالے کر دیا، راجہ نے خط پڑھا اور انگلی منہ میں ڈال کر حیران رہ گیا اور حکم دیا کہ اس کو شاہی مہمان خانے میں رکھو مگر ٹھیکیدار نے کہا کہ یہ میرا مہمان ہے چنانچہ راجہ نے جواب میں کہا ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ بے فکر رہیں اور دس ہزار روپے نقد اور ایک ہاتھی دیا کہ اگر کسی قسم کا خطرہ یا تکلیف ہو تو دے دلا کر نکل جانا چنانچہ وہ روپیہ اور ہاتھی لیاقت علی امیر علاقہ کو دے دیا جس نے ہاتھی دو ہزار میں بیچ دیا اور رقم مجاہدین کے لیے جمع کرا دی۔

جودھ پور، جے پور اور گوالیار کے راجوں کو ریشمی خط

اسی طرح ایک ریشمی

چھٹی راجہ جودھ پور اور ایک راجہ جے پور اور ایک راجہ گوالیار کو دی۔ وہاں
ایک شخص "نبن جی خدا بخش" ریاست جودھ پور میں راجہ کا نہایت منظور نظر
تھا۔ نبن جی کا دادا راجہ کے جانوروں کے لیے چارہ کا ٹھیکیدار تھا اور
خاندانی طور پر وہ راجہ کا مقرب تھا خود بھی مجاہدین کو چندہ دیتا تھا اور
پانچ راجوں سے بھی خدمت کروا دیتا تھا مجاہدین عام طور پر ہندوستان میں
فقیروں کے بھیس میں پھرتے تھے راجہ فقیروں سے ویسے بھی بہت متاثر
تھا یہاں شہر سے باہر ایک شخص لیاقت علی رہتا تھا راجہ کی فوج کے
اکثر لوگ اس کے مرید تھے **بخت خاں** جس نے دہلی میں بغاوت کے
حق میں فتوے لکھوائے تھے اس کا مرید تھا جودھ پور کے راجہ نے پانچ
ہزار روپے نقد دیے اور خط کے جواب میں کہا کہ ان کے آنے پر ہم ساتھ
مل کر کام کریں گے۔ جے پور کے راجہ کو جب نبن جی کی معرفت خط دیا گیا
تو اس نے مبلغ سات ہزار روپے دیے گوالیار کے راجہ کو بھی خط نبن جی
کی معرفت دیا گیا۔

نواب رامپور اور راجہ اندور کو ریشمی خط

ایک خط راجہ اندور کو حافظ
عبدالغفور صاحب زنلام والوں کی معرفت دیا پھر بمبئی جا کر ایک خط مولانا
محمد علی جوہر کو دیا جو نواب رامپور کو پہنچانا تھا اس نے بھی حمایت کا یقین دلایا۔

نواب بہاولپور کو ریشمی خط

ایک خط نواب بہاولپور کو دیا گیا بہاولپور کو دیا گیا بہاولپور کے نواب ابھی بالکل
نو عمر تھے ان کے ساتھ ہمارے پہلے ہی راہ و رسم کافی تھے ان کا ولی رحیم بخش
تھا اس کی معرفت اس کو خط دیا گیا وہ اپنے مشیر کار عبدالرحمن کی معرفت ہمیں ہر

سال مجاہدین کے لیے دو ہزار روپے دیا کرتا تھا یہ ساتوں ریشمی خط مرسل الیہم کو پہنچا دیے گئے۔"

مولانا محمود الحسنؒ کو ریشمی خط

ایک خط مولوی عبیداللہ سندھی کی معرفت مولانا محمود الحسن کو بھیجا گیا جو عبدالحق کے ہاتھ رب نواز کی معرفت گورنر پنجاب اڈوائر کو پہنچا دیا گیا اور ساری سازش بے نقاب ہوگئی۔

وہ خط جس کا ذکر محمد میاں صاحب نے کیا کہ وہ تین خط تھے ان کے مضمون میں انگریزوں کے لیے کوئی نقصان دہ بات نہ تھی اصل میں یہ ہی خط تھے جنہیں پورے ہندوستان راجوں نوابوں کو اکسایا گیا تھا مگر سازش ظاہر کر دینے کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔

غالب نامہ اور انور نامہ کی حقیقت

مولانا اپنی تصنیف اسیر مالٹا ص۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

"لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بات بھی پہنچائی کہ مولانا نے انور پاشا سے تحریری وثائق اور عہود اور مولوی ہادی حسن کے ذریعے فلاں صندوق میں جس میں فلاں فلاں کپڑے رکھے ہوئے ہیں بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً گارد مولوی ہادی حسن کے مکان پر پہنچی اور مکان کی تلاشی لے کر صندوق کو دیکھا اور پھر تختہ توڑا مگر کچھ نہ نکلا اور نکلنا کیسے جب کوئی شے ہی نہ ہو، تو کہاں سے نکلے کیسے گورنمنٹ کو پتہ چل گیا کہ اکثر باتیں مولانا کے متعلق خلاف واقعہ ہیں۔

پھر مولانا اس کتاب کے ص۲۴ اسیر مالٹا پر فرماتے ہیں:

"غالب پاشا اس سال سیدھا طائف سے عرفات آیا اور حج کے بعد انور پاشا کے والد کی وجہ سے بہت مشغول تھا اس لیے اتنی مہلت

کہاں نہ اس سے ملاقات اور ربط وضبط کی نوبت آئے اور پھر وہ روابط اس درجہ کے قابلِ اعتماد ہوجائیں کہ شاہی عہدنامے اور وثائق کی تنظیم وتطہیر کی نوبت آئے۔"

پھر صـ۲۵ اسیر مالٹا، پر فرماتے ہیں:

"نہ مولوی صاحب کو ترکی زبان سے واقفیت مولانا کے لیے وہاں کوئی ایسا وسیلہ بھی نہ تھا جس کی وجہ سے اسے بڑے حکام کے یہاں رسائی ہوسکے اسی طرح گورنمنٹ کو دوست نما دشمنوں نے بہت سے غلط سلط دھوکے دیے جس کی غلطی واقعات نے آفتاب کی طرح روشن کردی۔"

اب اس کے برخلاف حضرت مولانا مدنی خود ہی اپنی کتاب ریشمی رومال صـ۱۸۸ پر فرماتے ہیں:

"مولانا نے غالب اور انور نامہ مولوی ہادی حسن کے ہاتھ بھیجا اور بمبئی کے کارکن کو کسی طرح اطلاع دے دی اور ہادی حسن کو اس کی شناخت بھی کرادی (ہادی حسن عرب میں کارکن بمبئی میں شناخت بھی کرادی اور شاید وائرلیس سے اطلاع بھی دے دی) اور کہا کہ یہ صندوق مظفر نگر محمد نبی کے پتے پہ ارسال کردیں۔"

محمد میاں بھی اس کی تائید کرتے ہیں

مولانا محمد میاں اپنی کتاب تحریک شیخ الہند صـ۱۱۴ پر فرماتے ہیں:

"غالب نامہ اور دوسرے کاغذات بطریق محفوظ ہندوستان پہنچانے کی تدبیر یہ سوجھی کہ کپڑے رکھنے کے لیے ایک لکڑی کا صندوق بنوایا اس کے تختے اندر سے کھود کر رکھ دیے پھر انہیں اس طرح ملا دیا کہ باہر سے دیکھنے والے کتنا بھی مبصر کیوں نہ ہو پتہ نہ لگا سکے بلکہ شبہ بھی نہ کرسکے۔ صندوق مولانا ہادی حسن رئیس خان جہان اور شاہ بخش سندھی کے حوالے کردیا۔"

مگر ظفر احسن صاحب اپنی کتاب آپ بیتی صـ۱۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں (یہ مولانا سندھی کے شاگرد تھے)

"مولانا نے غالب نامہ لکھوا کر محمد میاں انصاری کو دیا کہ وہ اسے ہندوستان لے جائے یہ خط آئینہ کے ڈھکنے کے پیچھے چھپا کر اپنی بیوی کو دیا جو پردہ پوش تھیں یہ ہندوستان پہنچی وہاں لیڈروں اور سرکردہ لوگوں کو دکھائی اور پھر کابل بھیجی"

کابل میں یہ چٹھی مولانا عبید اللہ کے پاس بھیجی گئی ہو گی کیونکہ وہی مولانا کے نمائندے تھے مگر وہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ "یہ خط جلد جلا دیے گئے تینوں حضرات پر پولیس نے چھاپے مارے مگر ناکام رہے" (ریشمی رومال صـ۱۹۰)

اختلاف مولانا محمد میاں صاحب اور مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صندوق کے تختوں میں بند کر کے بھیجے گئے۔ ظفر احسن صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں شیشے کے ڈھکنے کے پیچھے چھپا کر بھیجے گئے۔

پھر مولانا مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ سرے سے کوئی تحریر حاصل ہی نہیں کی گئی مرسل الیہ مولانا سندھیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ راستے میں ہی جلا دیے گئے ۔ مولانا مدنی فرماتے ہیں کہ صندوق کو توڑا گیا کچھ برآمد نہ ہوا ، کاغذات جلا دیے گئے ۔ اگر کاغذات کابل پہنچتے تو مولانا سندھی کو ضرور پتہ ہوتا۔

ان کے شاگرد رشید لکھتے ہیں کہ کاغذات کابل پہنچے اور وہ شیشے کے ڈھکنے کے پیچھے چھپا کر لائے گئے لیکن جب مرسل الیہ انکاری ہے تو اسے کیسے سچ تسلیم کیا جا سکتا ہے مولانا عبید اللہ نے جب یہ کتاب لکھی تو اس وقت حالات بدل چکے تھے ان کو یہ واقعہ چھپانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔
یہ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

مولانا سندھی کی واپسی

مولانا عبید اللہ سندھی کابل، روس اور حجاز میں مدت ہائے دراز گذارنے کے بعد جب واپس ملک ہند پہنچے تو ان کو مجرم یا باغی نہیں سمجھا گیا۔ نہ باز پرس ہوئی نہ کوئی سزا ملی۔

ہاں اپنے کردار کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے گر گئے اور لوگ ان سے نفرت کرتے تھے مولانا مسعود عالم ندوی کو اپنے پیسرے خط میں لکھتے ہیں:

"کہ جنہیں میں اپنا سمجھتا ہوں وہ کبھی منہ نہیں لگاتے (افکار سندھی پر ایک نظر ص ۳۳)

یہ ہیں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی۔

مولانا سندھی اور مولانا محمود الحسن صاحب کو قومی آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کرنا قابل برداشت ہے لیکن افسوس کہ علمائے دیوبند احساس کہتری میں مبتلا ہیں وہ اس کے ساتھ حقیقی مجاہدین کی تنقیص بھی ضروری سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا سب سے بڑا نشانہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب ہیں۔ چونکہ وہ اہلحدیث کے اسلاف میں سے ہیں اس لیے ان پر کیچڑ اچھالنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کا انداز بھی ایسا اختیار کیا جاتا ہے جو اخلاق سے نہایت گرا ہوا ہے اور اس میں بڑے بڑے اکابر دیوبند جیسے مولانا امداد اللہ مہاجر مکی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ مولانا نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا تھانوی۔ مولوی عبد القادر لدھیانوی شامل ہیں۔

اور ان کے تتبع میں اصاغر دیوبند اسی لائن پر بگٹٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں حالانکہ سید نذیر حسین صاحب نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا ان کے نیک کاموں پر بھی مٹی ڈالی جاتی ہے۔

گل است سعدی و در چشم دشمناں خاراست

صوفی صاحب کیوں واپس نہیں گئے؟

اس سے پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں راجہ مہندر صاحب نے مولانا سندھی سے مدد طلب کی کہ جرمن مشن کے کاغذات ہندوستان بھیجیں جو عبداللہ اور فتح محمد کو دیئے گئے تھے مگر پھر وہ واپس نہیں آئے۔

" صوفی عبداللہ صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آٹھ آدمی بغرض سفارت ہندوستان جا رہے تھے رات ہم پشاور مختلف مساجد میں چلے گئے۔ ہم دو آدمی جس مسجد میں ٹھہرے وہاں کے مولوی صاحب ہم کو کریدنے لگے ہم بہت پریشان ہوئے کہ کیا جواب دیں انگریزوں کی جاسوسی بڑے زوروں پر تھی ہم نے کہا کہ ہم تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا یہاں کوئی مدرسہ نہیں تم دیوبند چلے جاؤ میں نے کہا ہم آٹھ آدمی ہیں اس نے کہا خواہ بیس ہوں ہم خرچہ دیں گے میں نے کہا تم اتنا خرچہ کہاں سے دوگے اس نے کہا ہم کو تنخواہ ملتی ہے ہم طلباء کو بھیجتے ہیں اور ان کے اخراجات کے لیے ہم کو وظیفہ ملتا ہے۔ خیر ہم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان سے روپیہ لے لیں چنانچہ انہوں نے ہمیں پچاس روپے دیے میں نے کہا یہ مال ہمارے لیے جائز نہیں مدرسہ کی رقم ہم کیسے لے سکتے ہیں جب کہ تحصیل علم کے لیے ہم نے جانا ہی نہیں چنانچہ یہ طے پایا چونکہ میرا سفر منتہائے بہار تھا، اس لیے میں ہی جاتے ہوئے یہ روپے دیوبند جمع کرا دوں گا چنانچہ میں دیوبند گیا تو اس وقت انور شاہ صاحب ترمذی شریف پڑھ رہے تھے اور ایک حدیث مسلک اہلحدیث کے مطابق تھی اس کی بڑے زور سے تردید کر رہے تھے مجھ سے رہا نہ گیا میں نے کہہ ہی دیا کہ آپ حدیث پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید کر رہے ہیں انہوں نے پوچھا تم کون ہو میں نے کہا اہلحدیث ہوں میرا یہ کہنا تھا کہ طلبا اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے زدوکوب کرنے کے

لیے دوڑے میں نے کہا کہ میں مجاہدین کا آدمی ہوں اس پر شاہ صاحب نے ان کو روک دیا اور مجھے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ یہ تمہیں ماریں گے اور طلباء کو سختی سے روک دیا کہ اس کو کچھ نہ کہو ورنہ یہ تمہیں بدنام کر دے گا۔ چنانچہ مجھے ایک طالب علم کے سپرد کر دیا جس کے متعلق شاہ صاحب جانتے تھے کہ یہ اہلحدیث ہے جب وہ طالب علم مجھے اسٹیشن پر چھوڑنے آیا تو اس نے بتایا کہ ہم تین سو کے قریب اہلحدیث طلباء یہاں پڑھتے ہیں جو مجبوراً حنفی بن کر پڑھ رہے ہیں" (فضل الہٰی وزیر آبادی ص۱۱۲)

مدرسہ اوڈانوالہ اور مدرسہ احمدیہ لہریا سرائے دربھنگہ کی ابتداء

"چنانچہ صوفی عبداللہ صاحب جیل سے سوار ہو کر صوبہ بہار گئے تو وہاں جا کر جماعت کو ترغیب دی کہ تم کوئی تعلیمی ادارہ کھولو ورنہ حدیث کا نام و نشان مٹ جائے گا چنانچہ انہوں نے مدرسہ احمدیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں قائم کیا جو اب تک بحمد اللہ قائم ہے علاوہ ازیں صوفی صاحب نے خود مدرسہ بنانے کا فیصلہ کیا اور مدرسہ کے لیے ایسی جگہ منتخب کی جو ذرائع رسل و رسائل سے الگ تھلگ واقع تھی تاکہ مدرسہ بھی چلتا رہے مجاہدین بھی بنتے رہیں روپیہ بھی اکٹھا کر کے بھیجا جا سکے اور کسی کو خبر بھی نہ ہو سکے چنانچہ حسین خاں والا المعروف اوڈانوالہ جو ماموں کانجن سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر تھا وہاں مدرسہ بنایا جو اب تک چل رہا ہے اور سینکڑوں طلباء ہر سال تعلیم سے فارغ ہو کر دنیا کو فیض یاب کر رہے ہیں یہ مجاہدین کا مدرسہ ہے اور صوفی عبداللہ صاحب کے بعد اس کے مہتمم مولانا سلیمان صاحب بنے جو مولانا فضل الہٰی کے لڑکے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ صوفی صاحب پھر مستقل طور پر مجاہدین کو وقت نہ دے سکے لیکن ان کا تعلق مجاہدین سے تا زیست قائم رہا۔

یا خدا وہ جو ہستیاں ہیں کس دیس جا کے وہ بستیاں ہیں
کہ دیکھنے کو جنہیں یہ میری آنکھیں ہمیشہ ترستیاں ہیں

احساس کمتری

جب اہلحدیث کو وہابی کہہ کر عوام الناس میں مغضوب و مقہور بنایا جا رہا تھا اور حکومت برطانیہ ان کی شدید مخالف تھی صرف وہابی کے نام پر پھانسی یا کالے پانی کی سزا دے دی جاتی تھی حالانکہ سید احمد شہیدؒ یا سید اسماعیل شہیدؒ کی محمد بن عبدالوہاب سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔

بلکہ عبدالوہاب نجدیؒ ۱۷۹۲ء میں فوت ہو گئے اور شاہ شہیدؒ ۱۸۲۱ء کو حج کرنے کے لیے گئے (وہابیت ص۱۵) جن کے مدارس کو تباہ کیا گیا اور بقول مولانا مدنی مدرسہ رحیمیہ کو توپ سے اڑانا ضروری سمجھا گیا مسجد جہانگیری کو نیست و نابود کر دیا گیا کٹڑہ پنجابیاں کو مٹا کر اس جگہ ریلوے سٹیشن تعمیر کیا گیا سید نذیر حسینؒ کا مکان بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا۔

اس وقت علمائے دیوبند مدرسے بنا رہے تھے اور اپنے مدرسوں کو بچانے کے لیے غیر جانب داری کا اظہار کر رہے تھے اور بزعم خویش دین کی خدمت کر رہے تھے اس کے نتیجہ میں ان کی تعداد کافی بڑھی اس کے برخلاف اہلحدیث نہایت شدائد اور مصائب میں مبتلا تھے آج اس تعلیم و تعلم کا فائدہ آپ کو ملا آپ کے مدرسے بچ گئے غیر جانب داری کی وجہ سے انگریز کا عتاب نہ نازل ہوا۔

اور وہ لوگ جو اس زمانے میں اپنی جان و مال، اولاد، جائداد منقولہ غیر منقولہ سب کچھ اللہ کی راہ میں نثار کر گئے ان کو ان کا مقصود مل گیا اللہ تعالیٰ نے کہ شہادت کی موت نصیب فرمائی انہوں نے اپنے گھر بار آل اولاد، جائداد، وطن

کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔

ان وہابیوں نے جو کچھ کیا اس میں نمود و ریا یا کسی سے تقابل کا جذبہ نہ تھا نہ انہوں نے یہ دیکھا کہ کون کون اپنے آپ کو بچا رہا ہے اور اپنے گھر میں سکون سے بیٹھا ہے ان میں سے کسی نے بھی آپ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا اور ۱۸۲۶ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک انگریزوں کے خلاف آگ جلائے رکھی اور کسی کی ملامت کی کچھ پرواہ نہیں کی آپ نے بھی چٹخارے لے کر ان پر وہابیت کی پھبتی کسی ان کو بارہا پیشکش کی گئی کہ واپس آجاؤ مگر انہوں نے اسے درخور اعتناء نہ سمجھا، درختوں کے پتے کھا کھا کر ایک ایسی حکومت سے ٹکر لی جس کے حیطۂ اقتدار میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ان کی دنیا آپ کے خیال میں برباد ہو گئی لیکن وہ حیات جاوید حاصل کر گئے۔

آپ ایک طرف تو ان میں شامل ہونے کی کوشش فرماتے اور دوسری طرف ان کو وہابی کہہ کر تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور یہ احساس کمتری آپ کے ہر مصنف میں موجود ہے آپ ان شہیدان راہ خدا کو معاف نہیں کرتے ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں آپ ملاحظہ فرمائیں مولانا مسعود عالم ندوی فرماتے ہیں مولانا سندھیؒ نے یہ ظلم بھی کیا کہ سید احمد شہیدؒ کو شاہ محمد اسحاقؒ کے ماتحت ظاہر کیا گیا۔

"شاہ عبدالعزیز کے بعد شاہ محمد اسحٰق کو حزب کا امام اور سید احمد شہیدؒ کو ان کا ماتحت اور امیر بنا کر پیش کرنا حق و صداقت سے ٹکر لینا ہے تاریخ جب آپ کے منشاء کے مطابق نہیں بنی تو اب تاریخی حقیقتوں کو توڑ موڑ کر اپنے خیالات کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا بے سود ہے (افکار سندھی پر ایک نظر ص ۴۴)

نہ تو شاہ عبدالعزیز نے مقرر کیا نہ شاہ محمد اسحٰق امیر بنے تو ان کا نقطہ نظر کبھی دہلی کی حکومت کی کمزوری دور کرنا تھا (مختصر افکار سندھی پر ایک نظر ص۴۶)

بلکہ سید احمد شہیدؒ اور سید اسماعیلؒ کا مرتبہ شاہ اسحٰق سے نہایت بلند ہے روپے پیسے کے معاملے میں شاہ اسحٰق صاحب کا تعاون ان کو حاصل تھا جب تک شاہ اسحٰق صاحب ہندوستان میں رہے۔

مولانا نورالحق صاحب جو مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد تھے اور ان کو ہی مولانا نے اپنے افکار تحریر کرلئے تشریح فرماتے ہیں کہ سید شہید کو شاہ عبدالعزیز نے امارت جہاد کے لیے موزوں قرار دیا مگر اس خیال سے کہ وہ حزب مذکور کی راہ سے ہٹ نہ جائیں دو وزیر اپنے مکمل تربیت یافتہ ان کے ساتھ لگا دیے مگر اپنا صحیح جانشین سید اسحٰق کو ہی بنایا۔ (شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص۱۴۳)

پہلا جھوٹ سید احمد شہیدؒ حزب ولی اللہ کے رنگ میں پوری طرح رنگے نہ جاسکے۔ اس لیے جب ان کو موقعہ ملا انہوں نے امارت کا اعلان کر دیا اور تحریک ناکام ہوئی جان کی بازی لگانے والے اپنی جان صرف اللہ کی رضا کے لیے قربان کر گئے اور آپ نے ان کو حزب ولی اللہ کا باغی سرکش اور خودسر قرار دے دیا۔

اگر اعلان امارت بغاوت تھا تو سید اسماعیل اور مولانا عبدالحئی نے کیوں نہ روکا اور شاہ اسحٰق کیوں امداد کرتے رہے یہ مولانا سندھی کا سفید جھوٹ ہے شاہ اسحٰق بحیثیت خادم سید شہیدؒ کے ماتحت کام کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ سید احمد صاحبؒ نے اپنے مکتوب میں شاہ اسحٰق صاحب کو صاحبزادہ الاتبار لکھا ہے (افکار سندھی ص۵۲)

دوسرا الزام مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے یہ لگایا کہ سید احمد شہیدؒ کی امارت بصورت خلیفہ ہیں ان کو امام مہدی کے درجہ کے قریب لانے

کی کوشش کی گئی ہمارے خیال میں اس تمام ترتغیر میں کمپنی بہادر کی ڈپلومیٹک چال کو بڑا دخل ہے (افکار سندھی ص۵۲)

یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سید احمد شہید کا تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی سے تھا۔

مولانا مسعود عالم ندوی فرماتے ہیں یہ الزامات محض اس لیے تراشے گئے کہ وہ حنفی نہ تھے عامل بالحدیث تھے رفع الیدین اور آمین بالجہر کرتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں :۔

مدرسوں اور حجروں کا کام تو ہر کوئی کرلیتا ہے لیکن میدانِ کارزار میں اُترنا ہر کسی کا کام نہیں (تذکرہ)

تیسرا جھوٹ

پھر سید اسحٰق صاحب نے اپنا جانشین سید نذیر حسین صاحب کو مقرر فرمایا جو نصف صدی سے زائد مسند ولی اللہ کے مسند نشین رہے مگر مولانا سندھیؒ نے سید اسحٰق صاحب کا جانشین دہلی کے انگریزی کالج میں انگریز کے نوکر مولانا مملوک علی کو بنا دیا یہ سب تعصب اور تنگ نظری کا شاخسانہ ہے۔

چوتھا جھوٹ

سید اسماعیل شہیدؒ کو حنفی بنانے کی کوشش کی گئی" مولانا سندھی فرماتے ہیں سید شہید نے رفع یدین چھوڑ دی مگر مولانا مسعود عالم ندوی فرماتے ہیں ہمیں اس شاذ روایت کے قبول کرنے میں تامل ہے (افکار سندھی ص۴۷)

پانچواں الزام

مولانا ولایت علی صاحب جو مولانا عبدالحق صاحب کے شاگرد تھے ان کے متعلق فرماتے ہیں (افکار سندھی ص۵)

"مگر وہ لوگ جو یمنی اور نجدی علماء کے شاگرد تھے باز نہ آئے اور انہی لوگوں کے بے جا اصرار نے مشکلات پیدا کر دیں امیر شہید نے ان کے

رہنما کو جو محمد اسماعیل اور شوکانی کا شاگرد تھا اور زیدی شیعہ تھا جماعت سے نکلوا دیا۔

یعنی ان حضرات کا عمل بالحدیث مولانا سندھی کے لیے ناقابل برداشت ہے وہ ان شہیدانِ راہِ خدا کو زیدی شیعہ بنانے پر تُل گئے حالانکہ نہ شوکانی شیعہ تھے نہ مولانا عبدالحق شیعہ تھے (تفصیلات کے لیے دیکھیے افکار سندھی پر ایک نظر)

چھٹا الزام | مولانا سندھی فرماتے ہیں مولانا ولایت علی بہاری نے مولانا اسحاق کے خلاف دوسری جماعت تیار کی وہ مولانا اسحٰق اور حزب دہلوی کو اس میدان سے دُور ہٹانا چاہتے تھے (افکار سندھی ص۸۴)

مولانا مسعود عالم ص۸۵ پر فرماتے ہیں: "حالانکہ سید احمد اور سید اسماعیل کی شہادت کے بعد بڑے بڑوں پر مایوسی چھا گئی ایسے نازک وقت میں مولانا ولایت علی صادق پوری نے گرتے ہوئے علم کو تھام لیا اور مرتے دم تک سید شہید کی مہم چلاتے رہے ان کے بعد ان کے عزیزوں رشتہ داروں بھائیوں، بیٹوں اور عام ماننے والوں نے جہاد فی سبیل اللہ کی مہم جاری رکھی اور اس کی ان کے خاندان والوں نے اتنی گراں قیمت ادا کی اور ایسی قربانیاں دیں جس کا نمونہ ہندوستان کی کوئی اسلامی یا غیر اسلامی تاریخ پیش نہیں کرسکتی جنھوں نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا منتشر جماعت کو منظم کیا راہِ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کیا۔

اس شخص پر انشقاق جماعت کا الزام استغفر اللہ اس کی وجہ صرف یہ کہ وہ اہلحدیث تھے اور مولانا سندھی دیوبندی تھے۔

ساتواں الزام | مولانا سندھی فرماتے ہیں دہلوی یا دیوبندی پارٹی اپنے

نجدی وہمنی مخالفوں کو چھوٹا رافضی کہہ کر پکارتی تھی (افکار سندھی ص۱۰۴)
مولانا مسعود عالم ندوی فرماتے ہیں یہ ایک صریح بہتان ہے۔
(ص۱۰۴)

یہ اس خاندان پر الزام لگایا ہے جس نے علم جہاد کو شاہ شہید کی شہادت ۱۸۳۱ء سے اٹھایا اور ۱۹۱۵ء تک اسی خاندان کے آخری امیر المجاہدین عبدالکریم کی زندگی تک بلند رکھا آج ان کی قربانیاں عالم آشکارا ہیں پچھتر اسی سال تک گھر بار چھوڑ کر راہِ خدا میں قربانی پیش کرنے والوں کے متعلق یہ بدزبانی الامان الحفیظ دیوبندیت کے دعوے دار کا یہ تمغہ کذب و بہتان حشر تک پوری جماعت کو شرمندہ اور سرنگوں رکھے گا اور قصوران کا صرف یہ تھا کہ وہ اہلحدیث تھے (تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں افکار سندھی پر ایک نظر)

یہ تو ہیں وہ لوگ جو میدانِ جہاد میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اللہ نے ان کی قربانیوں کو قبول کیا جس نے بھی چاند پر تھوکا وہ تھوک اس کے منہ پر پڑا جس جس نے بھی ان کے خلاف بدزبانی کی وہ خود ہی ذلیل ہوگیا موجودہ دیوبندی اب ان اعتراضات کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے تمام الزامات کو خونِ شہادت سے دھو دیا ہے کوئی شخص بھی ان کی چادر عصمت کو داغدار نہیں کر سکتا۔

سید نذیر حسین صاحبؒ لیکن اب پورے کا پورا زور مسند ولی اللہ کے صحیح جانشین اور سید اسحٰق صاحب کے خلف الصدق اور استاذ الکل فی الکل حافظ الحدیث والتفسیر مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے خلاف صرف کر دیا گیا ہے پہلوں سے تو صرف زبانی اختلاف رکھا گیا ان سے ٹکراؤ نہیں ہوا کیونکہ وہ ہم عصر نہ تھے اور ابھی دیوبندیت تو پیدا بھی نہیں ہوئی تھی مگر شیخ الکل فی الکل سے

سے علمی میدان میں سیاست کے میدان میں۔ زہد و اتقاء اور عمل کے میدان میں تقابل ہوا جس میں ان کی گرد کو بھی کوئی نہ پہنچ سکا انتہائی مخالفت کے باوجود انہوں نے اپنا اخلاقی معیار اس قدر بلند رکھا کہ ان کے مقابلے میں بڑے بڑے قد آور اور بلند مرتبہ اساطین علم بونے نظر آتے ہیں اور ہر ناقص کم ظرف کی تنقید نے انہیں مزید بلند و بالا کر دیا۔

اذا اتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل

سوانح سید نذیر حسین صاحبؒ

آپ مونگیر کے رہنے والے تھے حصول تعلیم کی غرض سے دہلی تشریف لائے پھر واپس نہ جا سکے۔ استاد نے اس ہونہار شاگرد کو اپنی مسند پر بٹھا دیا۔ ظاہر ہے شاہ ولی اللہ کے خانوادہ سے علمی برابری کا کسی کو دعویٰ نہیں اور ان کے مسند نشین سید اسحٰق کا بھی اپنے زمانے میں کوئی شریک و سہیم نہ تھا اور ان کی نظر جس گوہر نایاب پر پڑی اور جسے انہوں نے اپنی مسند پر بیٹھنے کے قابل سمجھا وہ سید نذیر حسین صاحب تھے ان کی نظر میں ان سے بہتر اس مسند کا حق دار ان کے اپنے خاندان میں بھی نہیں تھا باہر تو کیا ہوتا استاذ کی نظر انتخاب کی شاگرد نے تصویب و تصدیق کر دی اور زمانے نے شہادت دی کہ مسند ولی اللہ کا جانشین ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا جس نے زندگی کا ہر لمحہ خدمت دین اور رضائے الٰہی کے لیے وقف کر دیا۔

ان کا مکان مسمار کر دیا گیا ان کی مسجد پیوند زمین ہو گئی، مدرسہ رحیمیہ توپ سے اڑا دیا گیا میدان جہاد کی وابستگی کی وجہ سے جیل جانا پڑا مگر نہ مدرسہ بچانے کی فکر نہ گھر کی فکر نہ مسجد کی فکر نہ کوئی معافی نامہ نہ کوئی معذرت نامہ بس راضی برضا نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ

کارساز ما بفکر کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا کبھی کسی طرح کا فکر دامن گیر نہ ہوا بڑی سے بڑی مصیبت کو راضی برضا ہو کر برداشت کر گئے۔

مجاہدین سے تعلق

مولانا کا تعلق ابتدا ہی سے مجاہدین سے ہو گیا تھا جو تا زیست قائم رہا۔

پروفیسر قیام الدین پی ایچ ڈی ہندوستان میں تحریک وہابیت کے صفحہ ۱۴۹ پر یہ فرماتے ہیں :

"کہ سید احمد شہیدؒ پٹنہ کے قریب درگاہ پھلواری شریف میں تشریف لائے اس کا تذکرہ اس خانقاہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اس دن مولانا عبد الحق استاد مولانا ولایت علی بھی شریک تھے اور سید نذیر حسین بھی موجود تھے یہ حج پر جانے سے پہلے کا واقعہ ہے یہ قافلہ مدرسہ گھاٹ پر اُترا اور گول گھر میں ٹھہرا۔"

پھر اس کتاب کے صفحہ ۳۱۵ پر فرماتے ہیں :

"نذیر حسین تفسیر اور فقہ اسلامی کے مشہور استاد شروع میں سورج گڑھ ضلع مونگیر کے متوطن تھے بعد میں دہلی جا بسے شروع میں سید احمد سے ان ملاقاتوں نے ان کو متاثر کیا اور اس کو تحریک کا ہمدرد بنا دیا جس کا بظاہر ثبوت نہیں ملتا۔ مگر امید علی کے بیان نے نذیر حسین کو یہ کہہ کر ملوث کر دیا کہ فیروز شاہ کے قاصد آئے تھے تو وہ بھی موجود تھے۔"

مصنف رود کوثر رقمطراز ہیں

شاہ اسحٰق صاحبؒ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تو سید نذیر حسین صاحبؒ نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں حدیث و تفسیر کا درس شروع کیا اور کوئی پچاس برس اسی خدمت عظیم میں گزار دیے شمالی ہندوستان کے اکثر علمائے اہلحدیث کا سلسلہ استناد آپ تک پہنچتا ہے اور اس لیے آپ کو شیخ الکل بھی کہتے ہیں ۱۲۸۰-۸۱ھ سنہ میں جب انبالہ کا مشہور مقدمہ شروع ہوا جس میں علمائے صادق پور

و دیگر اعیان و انصار اہلحدیث گرفتار ہوئے تو اس کی لپیٹ میں مولانا بھی آ گئے اور تقریباً ایک سال تک راولپنڈی جیل میں قید رہے (رود کوثر ص۶۹)

مولانا کے گھر کی تلاشی

"نذیر حسین کے گھر کی تلاشی سے بہت سے مشتبہ قسم کے خطوط نکلے ان میں سے بعض معروف وہابیوں جیسے جعفر تھانیسری اور مبارک علی عظیم آبادی کے خطوط بھی نذیر حسین کے نام تھے ایک خط نذیر حسین کا لکھا ہوا وہاں سردار عبداللہ (امیر المجاہدین) کے نام بھی تھا دہلی نے ضابطہ ۳ فوجداری کے تحت ان کی گرفتاری کی سفارش کی لیکن وہ مشہور و معروف عالم دین تھے ان کے خلاف کسی اطمینان بخش شہادت کے بغیر حکومت اسی انتہائی اقدام سے متامل تھی حکومت نے اس معاملہ کی رپورٹ حکومت پنجاب کو کی۔ حکومت پنجاب نے ان کو احتیاطی طور پر چھ مہینے کے لیے قید کر دینے کا حکم دے دیا۔"

سید نذیر حسین بعد میں نمایاں نظر آئے

دسمبر ۱۸۶۵ء میں عبداللہ نے جو بیان راولپنڈی میں دیا اس کے مطابق نذیر حسین دہلی میں وہابیوں کے صدر تھے راج محل (ایک اور گواہ نے بھی شہادت دی کہ نذیر حسین نے اس کو سرحد جانے پر آمادہ کیا دہلی نے سفارش کی کہ نذیر حسین کے معاملے کی دوبارہ جانچ پڑتال کی جائے بعد کی تحقیقات میں وہ نمایاں طور پر نظر آئے۔" (تحریک وہابیت ص۳۱۵)

سید نذیر حسین کا مدار المہام

"پھر ص۳۳۴ پر فرماتے ہیں:
"دوسرے کارکن عبداللہ کی گذری پٹنہ بستی میں پھلوں کی دوکان ہے مگر یہ محض نمائشی ہے وہ قیمتی موتی فروخت کرنے کے بہانے مختلف ایسی ریاستوں کے چکر لگاتا پھرتا ہے مگر اس کا اصل مقصد ریاستوں سے چندے جمع کرنا ہے۔ پٹنہ کے مرکز سے بہت ملتا جلتا ہے سورج گڑھ کا مرکز ہے جو نذیر حسین کی جائے پیدائش ہے یہ اب بھی ہندوستان کے وہابیوں کا ایک ممتاز قائد سمجھا جاتا ہے اور

مدارالمہام کہلاتا ہے۔

تیس ہزار وہابیوں کے اجلاس میں سید نذیر حسین صاحبؒ کی شرکت

ان کے بعد پروفیسر صاحب ہندوستان میں وہابی تحریک ص۳۳۴ پر پولیس کی ایک رپورٹ نقل کرتے ہیں:

"کلکتہ پولیس کی رپورٹوں سے ۱۸۸۰-۸۱ء میں ابراہیم کی جدوجہد کا حال معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک رپورٹ یہ ہے ۱۸۸۰ء میں ڈھاکہ کے ایک شخص بدیع الزماں نے مختلف وہابیوں کا ایک جلسہ کرانے کی کوشش کی تھی جس میں نذیر حسین دہلوی بھی شامل تھے چونکہ وہ پولیس کی نگرانی میں تھے نذیر حسین کے جلسہ کرنے سے اختلاف کیا اس مقصد کے لیے انہوں نے دُور دراز کا اندرونی علاقہ منتخب کرنے کی رائے دی ابراہیم نے مشورہ دیا کہ جلسہ مظفرپور کے قریب ایک گاؤں تاج پور میں منعقد کیا جائے جلسے میں کوئی تیس ہزار وہابی مولوی جمع ہوئے جلسے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بغاوت پھیلانے کے لیے حکمت عملی تیار کی جائے یہ بھی طے پایا کہ مختلف فرقہ وارانہ اغراض کے لیے چندے فراہم کیے جائیں۔ دہلی، پٹنہ اور آگرہ میں مدرسے کھولے جائیں جن میں وہابی عقائد کی تعلیم دی جائے تقسیم کے لیے رسالے اور کتابیں شائع کی جائیں چندے کے لیے مطبوعہ اپیلیں جلسہ میں تقسیم کی گئیں اور دوسری جگہوں سے انہیں چھپوایا گیا رپورٹ کے مطابق اپیل کی پذیرائی بہت حوصلہ افزا ہوئی غریب طبقے نے بھی اُسے درزیوں۔ دھوبیوں، سقوں نے بھی مستعدی سے چندے دیے کئی مولویوں کو جو حاضر تھے رسالے دیے گئے ان کے لیے تبلیغی دوروں کے لیے نکلنے کے لیے کہا گیا ابراہیم نے کلکتہ دہلی، لکھنؤ، غازی پور۔ بنارس وغیرہ کے دورے کیے اور ان جگہوں

میں تقریریں بھی کیں۔"

ص ۳۲۴ پر ایک رپورٹ درج ہے جس کا عنوان ہے "وہابیوں کے

وہابیوں کے خفیہ اجلاس پہ چھاپہ

خفیہ اجلاس پر چھاپہ" کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ سراج گنج میں منعقد ہوا جہاں نذیر حسین بھی اپنی بھانجی کی شادی میں شرکت کے بہانے گئے ہوئے تھے اس تقریب نے وہابیوں کے اجتماع کے لیے ایک آسان بہانہ مہیا کر دیا سربر آوردہ حاضرین میں نذیر حسینؒ

محمد حسین بٹالوی اور ابراہیم آروی تھے جلسے کے بانی ابراہیم صاحب تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے اس ملک کے دار الحرب ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ سرحد پر وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت نسبتًا کمزور ہو گیا ہے اس لیے مزید رضا کار اور امداد کی ترسیل ہونی چاہیے خفیہ اجلاس کی رپورٹ ملی اور مجسٹریٹ مولویوں کو اچانک جا لینے کے لیے چھپٹے مگر وہ پکڑے نہ جا سکے اور نہ کوئی تحریر ہی برآمد ہوئی۔"

اس کتاب کے ص ۳۲۵ پر ایک رپورٹ مذکور ہے کہ "ابراہیم نے احتجاج شورش، مقدمہ بازی۔ فراہمی چندہ سرکاری ملازمین کو استعفی کی ترغیب و اغوا اس طور پر کہ فوجی سپاہیوں پر اثر انداز ہوں ابراہیم ایک پیسہ فی روپیہ کے حساب سے آمدنی ٹیکس وصول کرتا تھا اور بیگم بھوپال اس فنڈ میں چندہ دہندگان میں نمایاں حصہ لیتی تھیں یہ چندہ آگرہ میں پھنسے ہوئے وہابیوں کے نام پر وصول کیا جاتا ہے مگر دراصل ستھانہ کے مذہبی دیوانوں کے لیے مقصود ہے۔"

سید نذیر حسین صاحب کی یہ سرگرمیاں زیر زمین تھیں اس جدوجہد کی داستان پون صدی پر محیط تھی ہر وقت وہ چھپ چھپا کر کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے مگر کبھی کبھی کوئی کارروائی سی۔ آئی۔ ڈی کے علم میں بھی آجاتی

تھی جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا انجام انہیں خوب معلوم تھا مگر یہ اللہ والے کب ڈرتے ہیں۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ بخت خاں دلی پہنچا اور اس نے جامع مسجد میں علماء کو جمع کیا اور درج ذیل فتوے دریافت کیا۔

استفتاء

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ایوب قادری ص

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پہ چڑھ آئے اور اہل اسلام کے جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور وہ لوگ جو بستیوں اور شہروں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد کرنا چاہیے یا نہیں بیان کرو اللہ تمہیں اجر دے گا۔

الجواب

در صورت مرقوم جہاد فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی ترغیب کے واسطے چنانچہ اس شہر والوں کی طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و حوالی کے لوگوں میں جو دور ہیں باوجود فرض فرض کفایہ ہے ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پہ بھی فرض عین ہو جائے گا اور اس طرح تمام اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہو جائے گا اور جو عدد اور بستیوں پہ ہجوم اور غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پہ بھی فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے۔

دستخط

المجیب مصیب احقر العباد نور جمال عفی عنہ۔ العبد محمد عبد الکریم۔ فقیر سکندر علی۔ سید محمد نذیر حسین۔ رحمت اللہ۔ مفتی صدر الدین۔ مفتی اکرام الدین۔ معروف سید رحمت علی۔ محمد ضیاء الدین۔ عبد القادر۔ فقیر احمد سعید۔ محمد منیر خان۔ مولوی عبد الغنی۔ خادم العلماء مولوی محمد علی۔ فرید الدین محمد سرفراز علی۔ سید محبوب علی جعفری۔ ابو احمد محمد جامی الدین العبد سید احمد علی۔ الٰہی بخش۔ محمد کریم اللہ۔ مولوی سعید الدین۔ محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی۔ محمد انصار علی۔ حفیظ اللہ خاں۔ محمد نور الحق محمد ہاشم۔ محمد حیدر علی۔ العبد سیف الرحمٰن۔ سید محمد۔ محمد امداد علی عفی عنہ سید عبد الحمید عفی عنہ، ضیاء الفقہاء سراج العلماء مفتی عدالت عالیہ محمد رحمت علی خاں، خادم شرع شریعت رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین۔"
(۳۴ علمائے کے دستخط)

اس فتویٰ میں اگر کوئی نام سب سے زیادہ مشہور ہے تو وہ سید نذیر حسین کا ہے اس زمانے کے علمائے دیوبند کے اکابرین میں سے کسی کا نام موجود نہیں اب اس میں سید نذیر حسین کا کیا قصور ہے؟

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مصنف ایوب قادری نے سب سے پہلے تین ناموں کو اکابرین دیوبند ثابت کرنے کی کوشش کی ان میں پہلا نام رحمت اللہ ہے جسے رحمت اللہ کیرانوی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

رحمت اللہ کیرانوی میں پہلے بتا آیا ہوں کہ ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ نگار عبد اللطیف نے بتایا ہے کہ مولانا کیرانوی ۳۰ جون کو پچھلے پہر دن ڈھلے اپنے دو سو ساتھیوں کو ساتھ لے کر دہلی سے کیرانہ چلے گئے جو مظفر پور میں شاملی کے قریب ایک قصبہ ہے اس زمانے میں ۲ جولائی کو

ان کا واپس دہلی کی جامع مسجد میں پہنچنا ناممکنات سے ہے اس لیے یہ دستخط رحمت اللہ کیرانوی کے نہیں۔

عبدالقادر دوسرا نام عبدالقادر جسے عبدالقادر لدھیانوی بنانے کی کوشش کی اپنی اس کتاب کے ص۱۳۱ پر ان کو دستخط کنندگان میں شامل کر دیا لیکن دروغ گو را حافظہ نہ باشد اپنی اس کتاب کے ص۱۴۱ پر خود ہی فرماتے ہیں " یہ حفیظ اللہ خاں سید نذیر حسین کے سمدھی تھے مولوی عبدالقادر کے خاندان کی مستورات کو برار لے گئے پھر لکھتے ہیں حفیظ اللہ خان۔ مولوی نذیر حسین اور مولوی عبدالقادر اہلحدیث تھے اگر عبدالقادر اہلحدیث تھے تو یہ عبدالقادر لدھیانوی کیسے بن گئے۔ یہ عبدالقادر صاحب تو میاں نذیر حسین صاحبؒ کے سالے تھے اور ڈپٹی نذیر احمد کے سسر تھے جو دونوں پکے اہلحدیث تھے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ مولانا عبدالقادر صاحب کے صاحبزادوں نے فتوے نصرت الابرار لکھا اور اس پر ایک سو اسی (۱۸۰) علماء کے دستخط کرائے جس میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انگریز کے خلاف جہاد حرام ہے باپ بیٹوں کا رویہ ہی انگریز کے حق میں اور مجاہدین کے خلاف تھا تو وہ اس فتوے پر دستخط کیسے کر سکتے تھے۔

سیف الرحمٰن تیسرا نام علمائے دیوبند کا سیف الرحمٰن ثابت کرنے کے لیے سیف الرحمٰن کو مولانا عبدالقادر کا صاحبزادہ بنا دیا اور یہ بھی لکھ مارا کہ یہ چاروں بھائی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے جس کی وجہ سے لدھیانہ تحریک کا مرکز بن گیا لیکن فتویٰ نصرت الابرار جسے مولوی عبدالعزیز بن عبدالقادر نے لکھا مولوی محمد بن عبدالقادر نے چھپوایا اس کے ص۳ پر لکھا ہے کہ مولانا عبدالقادر کے تین صاحبزادے تھے۔ محمد۔ عبداللہ۔ عبدالعزیز یہ پتہ نہیں ایوب صاحب نے چوتھا

بیٹا کہاں سے نکال لیا۔

مولانا سیف الرحمٰن قندھاری پٹھان تھے

مولانا مدنیؒ نقش حیات صـ۵۸۸ پر رقمطراز ہیں:

"مولانا سیف الرحمٰن قندھاری پٹھان ہیں ان کے آباؤ اجداد پشاور کے پاس رہتے تھے انہوں نے گنگوہی صاحبؒ سے حدیث پڑھی۔"

پھر صـ۵۸۹ پر فرماتے ہیں:

"مولانا سیف الرحمٰن کو جلال آباد میں برٹش افغانوں نے اپنی معیت میں لے لیا اور ہندوستانی معاملات سے علیحدگی کا وعدہ کرالیا۔"

مولانا عبید اللہ کی عبارت نقش حیات صـ۵۹۴ پر یوں لکھی ہے:

"جب امیر حبیب اللہ خاں جلال آباد میں قتل ہوئے اس وقت ہم مستوفی الممالک کے گھر نظر بند تھے اور مولانا سیف الرحمٰن کی زیر نگرانی رہتے تھے مولانا نہیں چاہتے تھے کہ ہمیں دافغانت کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوں۔"

کتاب نقش حیات صـ۶۰۸ پر رقمطراز ہیں: "مستوفی الممالک کو جو کام انگریزوں کی تائید کے لیے دیا جاتا اس میں اس کی امداد کرتے۔"

ہاں سیف الرحمٰن کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی اپنی کتاب "کابل میں سات سال" صـ۷۷ پر لکھتے ہیں:

"مستوفی الممالک نے دیوبند کا ایک طالب علم ڈھونڈ نکالا جسے دیوبند بھیجا کہ شیخ الہندؒ کے خطوط حاصل کرے اس کا پتہ بھی مولوی سیف الرحمٰن نے بتایا یہ دیوبندی سیف الرحمٰن تو انگریز کا پٹھو تھا جسے مجاہدین کی صف میں داخل فرمایا جارہا ہے۔

سید نذیر حسین صاحب نے مجبوراً دستخط کیے

اس کے بعد قادری صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ سید نذیر حسین صاحب نے مجبوراً دستخط کیے تھے وہ سرکار انگریزی کے وفادار تھے

انہوں نے انگریزوں کو چھپایا۔ جاسوسی کے فرائض انجام دیے اور تحریک آزادی کی ممانعت کی جب انگریز کامیاب ہو گئے اور دہلی کو دوبارہ فتح کر لیا۔ تو علماء کے متعلق افتخار عالم مارہروی نے لکھا:

"آفت تو یہ پڑی کہ دوران بغاوت بخت خاں نے مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر دستخط اور مہریں کرالیں۔"

میاں صاحب کے سوانح نگار نے تو ان دستخطوں سے انکار کر دیا شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

"جن علماء نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے مولوی نذیر حسین جو وہابیوں کے پیشوا اور مقتدا تھے ان کے گھر میں تو ایک میم چھپی بیٹھی تھی ص۱۴۲

مولوی نذیر حسین کو اس سلسلہ میں ایک ہزار تین صد روپے انعام ملا۔ (ص۱۴۲) "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی" از ایوب قادری)

ان حوالہ جات سے مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ سید نذیر حسین اور دیگر مولویوں نے مجبوراً دستخط کیے۔

۲۔ ایک انگریز عورت کی جان مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگردوں نے بچائی۔

۳۔ مولوی نذیر حسین صاحب کو اس پر ایک ہزار تین صد روپے انعام ملا۔

۴۔ مولانا نذیر حسین صاحب نے جاسوسی کے فرائض انجام دیے۔

کیا سید نذیر حسین صاحبؒ نے مجبوراً دستخط کیے

جب دہلی دوبارہ انگریزوں نے فتح کر لی اور اس کی حکومت قائم ہو گئی تو سر سید خاں، مولانا جعفر تھانیسری۔ شمس العلماء ضیاء الدین صاحب و ڈپٹی نذیر احمد صاحب۔ شمس العلماء ذکاء اللہ صاحب نے ۱۸۵۷ء کے واقعات پر جو بھی لکھا اس میں

انہوں نے سید نذیر حسین صاحب کو بچانے کی کوشش کی۔ بعض نے لکھا کہ سید نذیر حسین صاحب نے مجبوراً دستخط کیے تھے مولانا جعفر تھانیسری نے تو یہاں تک اقدام کیا کہ جس جس تحریر میں انگریزوں کی مخالفت کا ذکر تھا وہاں انگریزوں کا لفظ کاٹ کر سکھ لکھ دیا اور یہ ظاہر کیا کہ مسلمانوں کی جدوجہد سکھوں کے خلاف تھی انگریزوں کے خلاف نہ تھی حالانکہ وہ خود انگریزوں کے خلاف سازش میں شریک تھے پکڑے گئے اور پھانسی کی سزا ہوئی جو بعد میں حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) جزائر انڈیمان میں عمر قید میں تبدیل ہوگئی ظاہر ہے انگریز کی عملداری میں اس کے خلاف لکھنا محال تھا ان کی اپنی سزا اس بات کی بہت بڑی زبردست ناقابل تردید دلیل ہے کہ وہ خود انگریز کے مخالف تھے۔

انہوں نے مصلحتاً تاریخ کا رخ انگریزوں سے سکھوں کی طرف موڑنے کی کوشش کی تاکہ زندہ لوگ انگریز کی سزا سے بچ جائیں اور ہر صاحب عقل اور ذی شعور بآسانی سمجھ سکتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ان تحریروں کا

مطلب بالکل برعکس نہ لیا جائے اور نہ سمجھا جائے کہ جن لوگوں نے انگریزوں کی مخالفت کی تھی ان کو بچانے کے لیے انگریز کا وفادار ثابت کیا جائے اور ان مسلمان مورخین نے ایسا ہی کیا۔

لیکن دیوبندی مورخین کو سید نذیر حسین صاحب خار کی طرح کھٹکتے ہیں ؎ گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است۔ وہ تو ان کو ہر صورت وفادار ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور وہ مصلحتاً لکھی گئی تحریروں سے بھی کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ایسا سوچنا بھی اخلاقاً شرعاً درست نہیں۔

اس کی تائید میں مولانا محمد میاں صاحب نے علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم ص ۱۷۳ پر تحریر فرمایا ہے۔

"سرسید اور شمس العلماء دونوں کے بیان اس پر متفق ہیں کہ فتوے پہ کچھ دستخط اور مہریں فرضی تھیں اور کچھ نے مجبوراً اپنی رائے کے خلاف زبردستی سے دستخط کئے مگر یہ نہیں فرمایا کہ ایسے بے کس اور مجبور کون لوگ تھے جنہوں نے رعب میں آکر ایسے خطرناک فتوے پہ دستخط کر دیے۔

جب کہ مولانا محبوب علی اور خواجہ ضیاء الدین مرعوب نہیں ہوئے انہوں نے کھلے بندوں مخالفت کی اور کوئی ان کا بال بیکا نہ کر سکا تو دوسروں کے مجبور ہونے کی کیا وجہ تھی۔

پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۷۷ پر لکھتے ہیں:

"بہرحال دستخط کرتے وقت نہ مرعوبیت تھی نہ جبر و قہر بلکہ سوچ سمجھ کر بحث و تمحیص کے بعد دستخط کیے گئے ہاں ناکامی کے بعد جب دار و گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو ممکن ہے بعض نے جبر کا عذر پیش کیا ہو۔"

اس وقت ہندوستان کے سب سے بڑے مفتی اور صدر نشین مسند ولی اللہ سید نذیر حسین ہی تھے اس میں کچھ شک نہیں کہ مورخین نے انہیں ملت کا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہوئے بچانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اپنی زبان یا قلم سے ایک لفظ انگریز کے حق میں نہیں لکھا۔

انگریز عورت کی جان بچائی

دوسری وفاداری کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک انگریز عورت کی جان بچائی۔

مصنف "الحدیث اور سیاست" اپنی تصنیف کے ص ۲۷۵ پر رقمطراز ہیں:

"بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مولوی غلام رسولؒ قلعہ میاں سنگھ والے اور مولانا عبد اللہ غزنویؒ نے اس عورت کی جان بچائی۔ بعض نے لکھا کہ مولوی عبد القادر صاحب نے جو میاں صاحب کے سالے تھے اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے

ششسر تھے اس میم کو اٹھا کر گھر لائے تھے بعض نے لکھا ڈپٹی نذیر احمد صاحب اسی کو اٹھوا کر لائے تھے اور میاں صاحب کے گھر پہنچا دیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ اس زمانے میں میاں نذیر حسین صاحب اور ان کے سالے مولانا عبد القادر صاحب دونوں پنجابی کٹڑے میں رہتے تھے ان کے مکان اورنگ آبادی مسجد سے بالکل متصل تھے اس مسجد میں مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ والے اور مولوی عبداللہ غزنوی مقیم تھے اور میاں صاحب سے حدیث پڑھتے تھے قرین قیاس یہ ہے کہ سب حضرات نماز عصر پڑھ کر سیر کو نکلے۔ راستہ میں اتفاق سے یہ عورت زخمی پڑی ملی اسے اٹھا کر لانے میں سب شریک تھے واقعہ ایک ہی ہے کیونکہ اس میم کا نام حیات بعد الممات میں وہی مذکور ہے جو راشد الخیری نے عبد القادر کے واقعہ میں لکھا ہے اور وہی نام ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے واقعہ میں بتایا گیا ہے۔

مولوی عبد القادر صاحب جب اس عورت کو لے کر گھر پہنچے تو چند ہی گھنٹوں کے بعد انقلابیوں نے ان کے گھر پر دھاوا بول دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب اس میم کو لانے میں شریک نہیں تھے چنانچہ مصور غم علامہ راشد الخیری لکھتے ہیں:

"رات کے ابتدائی حصے میں جب دنیائے اسلام کا سر خدائے عزوجل کے حضور جھکا ہوا تھا تو مولوی عبد القادر صاحب ایک انگریز عورت کو کندھے پر لیے گھر میں داخل ہوئے زخمی عورت سسک رہی تھی آنکھیں بند تھیں اور جسم کے اکثر حصوں سے خون نکل رہا تھا گھر کی عورتیں اپنے بدنصیب مہمان کی تیمارداری میں مصروف ہوگئیں زخموں کو دھویا بدن صاف کیا پانی اور شربت منہ میں ٹپکا رہے تھے کہ رات دو بجے دروازے پر "دین دین" کی آوازیں بلند ہوئیں غریب عورتوں کی جان نکل گئی بھولے بھالے بچوں

کے ہوش جاتے رہے مگر مولوی صاحب نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ باغیوں نے دروازے پر آفت مچادی اور "دین" "دین" کی آواز سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ سوچتے سوچتے مولوی صاحب کی سمجھ میں ایک تدبیر آئی اور وہ یہ کہ مہمان کو اوپلوں کی کوٹھڑی میں لٹا کر اوپر سے اوپلے چن کر دروازہ کھول دیا رات کے تین بجے تھے اور چودہویں کا چاند آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ پندرہ بیس آدمی مولوی صاحب کے گھر کی تلاشی لے رہے تھے تلواریں اور بلم صاحب خانہ کے سر پر چمک رہے تھے۔ اور دشمن عورتوں کے سامنے نا شائستہ الفاظ کہہ رہے ہیں۔ مولانا خاموش ہیں عورتیں اللہ اللہ کر رہی تھیں بچے رو رہے ہیں لڑکے حیرت سے باغیوں کا منہ تک رہے ہیں آخر وہ وقت بھی آگیا کہ اوپلوں کی کوٹھڑی کھلی اور وہ جفا کار اس میں داخل ہوئے آج کا مسلمان اس کو اتفاق محض کہیں گے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حاکم حقیقی ہر کام میں اپنے بندوں پر رحمت کے پھول برسا کر دنیا کو دکھا دیتا ہے کہ کس طرح اس کا کرم شامل حال ہوتا ہے خدا کا فضل ایک نہیں پندرہ بیس آنکھوں پر پردہ بن کر پڑا اور چاروں طرف دیکھ بھال کر باغی چیختے پیٹتے واپس ہوئے (دل کی آخری بہار صـ۴۴)

میم کا تعارف

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے سوانح نگار سید افتخار بلگرامی لکھتے ہیں:

"میم نوجوان لڑکی تھی کوئی ۲۰، ۲۲ برس عمر ہوگی مولانا ڈپٹی نذیر احمد بالان کے ہم عمر لڑکوں کو اس کے پاس جانے نہیں دیتے تھے راز داری کا حکم تھا حکیم عبد القادر صاحب پٹی کرتے تھے۔ بلم گھسیڑ دی تھی یا گولی لگی تھی حکیم عبد القادر پٹی کرتے تھے اور وہ اپنے مستقبل سے بڑی مایوس تھی خود روتی اور دوسروں کو رلاتی" (اہلحدیث اور سیاست صـ۲۷۸)

میم ساڑھے تین ماہ تک میاں صاحب کے گھر رہی اس کے بعد اس کا راز افشاء ہو گیا جس کا تذکرہ روزنامچہ عبداللطیف صفحہ ۱۷۰ پر موجود ہے۔

۱۲ محرم ۱۸۵۷ء

"معز الملک رضی الدولہ بہادر محمد قدرت اللہ بیگ خاں غمزدہ ہو کر آئے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ مولوی سید نذیر حسین آلِ رسول سے ہیں پارسا اور پرہیزگار ہیں میرے ماموں کی جگہ درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھتے ہیں آج ظالموں نے ایک عیسائی عورت کو پناہ دینے کا شبہ کیا ہے اور ان سے بدظن ہو گئے ہیں ان کے مکان پر بے ہودہ شورش اور غیر سنجیدہ حرکتیں کیں ان کو آزار پہنچایا ان کا وقت ضائع کیا بے اندازہ جور و ستم اور بدعتیں روا رکھیں جس کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں کا دل غمگین اور المناک ہوا بادشاہ ان کی کجروی پر غصے ہوئے اور شہزادوں سے فرمایا کہ مولوی سید نذیر حسین کو جونا لائقوں کی سختی سے پریشان حال ہیں نجات دلائیں اور ان کے ناجائز بے جا قبضے کو ختم کرائیں مولوی صاحب سے ہمارے لیے دُعا کی استدعا کریں ہمارے آباؤ اجداد بھی بے کسی کے وقت اربابِ زہد و تقوےٰ سے دُعا کے طالب ہوتے۔"

موافقین اور مخالفین

دونوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا موافقین مولانا عبدالقادر، ڈپٹی نذیر حسین، مولانا غلام رسول مولانا عبداللہ غزنوی وغیرہ نے انگریزوں کی فتح کے بعد یہ واقعہ پورے کا پورا میاں صاحب کے ذمہ لگا دیا تاکہ وہ عتاب سے بچ جائیں۔

معاندین نے ان سب کے مشترکہ کام کو صرف میاں صاحب کے نام اس لیے لگایا تاکہ میاں نذیر حسینؒ کو بدنام کیا جا سکے اور اس سلسلہ میں احناف نے

بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جسے وفاداری پر محمول کیا جائے بلکہ یہ انسانی ہمدردی اور ترس کھانے کی ایک اعلیٰ مثال ہے حدیث شریف میں آیا کہ ایک بدکار عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا اس پر اس کی بخشش ہوگئی اور آپ نے فرمایا کسی زندہ جاندار پر ترس کھانے سے اجر ملتا ہے آپ کے شاگردوں نے ترس کھایا اسے اٹھا کر لے آئے ظاہر ہے شاگردوں کی موجودگی میں استاد نے نہیں اٹھایا ہوگا پھر عبدالقادر نے اسے چھپایا بڑی مشکل سے ان کی جان بچی اور میاں صاحب نے اسے پناہ دی تو محض انسانی ہمدردی تھی نہ ستائش کی تمنا تھی نہ صلے کی ضرورت تھی اور ہر مسلمان کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا بہادر شاہ ظفر بھی ان حرکات سے کبیدہ خاطر تھے چنانچہ روزنامچہ عبداللطیف ص۱۲۷ پر مرقوم ہے۔

بہادر شاہ ظفر نے انگریز عورتوں کو بچانے کا حکم دیا۔

"۲۸ رمضان مطابق ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء "درد بھری اور نصیحت آمیز باتیں بادشاہ کی زبان پر جاری ہوئیں خصوصاً مرزا مغل مرزا عبداللہ مرزا خضر سلطان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ متواتر معتبر خادموں کی زبانی سُن کر ہماری طبیعت پریشان ہوگئی۔ ہم حیران ہیں اس کا علاج ہمارے پاس نہیں اس لیے کہ نہ کوئی ہماری بات سنتا ہے نہ کوئی ہماری بات کا اثر قبول کرتا ہے تمہیں چاہیے کہ اس وقت کسی مہدی کی تلاش نہ کرو خود سو ڈ نہیں بیکار نہ بیٹھو بہادروں کی طرح اُٹھو

اگر ہماری نصیحت کا اثر لوگے تو یقیناً پسندیدہ خدا بنوگے اور موروثی خزانہ پا دُگے مردانگی اور فرزانگی کے ساتھ انگریزوں کی عورتوں اور بچوں کو ان ظالموں کے پنجوں سے رہائی دلانے کا عزم کرو ان سفاکوں کا کام آزار دینا ہے اور ہماری نیت ان کی حفاظت اور خدا کی رضا جوئی ہے ایسا

کرو کہ کوئی عورت لڑکا یا کمزور اور معذور آدمی ہلاک نہ ہو ان سب کی نگہداشت کرو ان کے کھانے پینے کا انتظام کرو وہ بھوک پیاس سے نہ مریں ان کا قتل کریم النفسی کے خلاف ہے اور شریعت کی بنیاد گرانے کے مترادف ہے۔ حضورؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا اور حکم ہماری طرف سے نہیں شریعت کی جانب سے ہے ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ان مظلوموں پر جور و ستم دفتر قضا و قدر میں ہمارے نام نہ لکھا جائے کلام دلگیر تھا اس لیے شہزادوں پر اثر کر گیا انہوں نے قدم بڑھائے اور کامیاب ہوئے مظلوموں کو خود لاکر کوتوالی کو سونپ دیا کوتوالی کے گھروں کو جائے پناہ بنایا۔ بعض کو قلعہ میں پناہ دی کہ کچھ مدت وہاں گزار لیں۔"..

انگریز عورتوں کے بچانے کے باوجود شہزادوں کے سر قلم کیے گئے

لیکن بہادر شاہ ظفر اور اس کے شہزادوں کے اس فعل کو انگریزوں نے وفاداری پر محمول کیا ہرگز نہیں ان کے سر قلم کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے گئے اور خود اس کو رنگون میں نظر بند کیا۔

بادشاہ نے بھی یہ فعل از راہِ انسانی ہمدردی کیا کسی صلے کی تمنا کے لیے نہ کیا تھا اور یہ کچھ خدا خوفی کی وجہ سے کیا۔

مولانا محمد میاں بھی اس کی تائید کرتے ہیں

اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی ص۱۷۱ پر فرماتے ہیں کہ یہ

"قرآنی حکم ہے اگر مشرک تم سے پناہ مانگیں تو ان کو پناہ دے دو وہ تمہارے پاس رہے اور پھر اس کو اس جگہ پہنچا دو جہاں اس کے لیے امن ہو۔"

حضرت میاں صاحب پر یہ الزام لگانا محض بے ہودگی سفلہ پن اور

کیمنگی ہے کہ انہوں نے میم کو اس لیے پناہ دی کہ وہ حکومت کے وفادار تھے۔

ڈیڑھ پہر رات کے وقت مولانا اور ان کے اہل وعیال کا گھر چھوڑ کر بھاگنا اور محلہ کا مسمار ہونا

اسی طرح میاں صاحب کو کیا بلا، افتخار بلگرامی کی زبانی سنیئے (حیات النذیر ص ۴۴-۴۵)

(الحدیث اور سیاست ص ۲۹۳)

" کوئی ڈیڑھ پہر رات گئی ہوگی کہ ایک گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سڑک پر سنائی دی اور ایک سوار کو چلاتے سُنا کہ مولویوں کا مکان کونسا ہے؟ مولویوں میں سے کسی نے کواڑ کے پاس جاکر پوچھا کہ تمہارا کیا مطلب ہے اس نے کہا کہ جنرل صاحب نے حکم دیا ہے کہ صبح سے پہلے اس محلے پہ دھاوا ہوگا۔"

غرض بڑی بدحواسی سے مولوی مع بال بچوں اور عورتوں کے کوٹھوں کوٹھوں دکن کی طرف بھاگے ان میں ہمارے مولانا (ڈپٹی نذیر احمد) بھی شریک تھے اس وقت کی پریشانی بیان نہیں کی جاسکتی جتنے منہ اتنی باتیں، بعض کی تو یہ رائے تھی کہ کہیں مت جاؤ یہیں گھروں میں بیٹھے رہو اور بعض کا یہ خیال تھا کہ جرنیلی حکم سے نکل جانا چاہیے غرض یہی رائے غالب رہی، عورتوں نے اپنا زیور نکال نکال کر صحن میں پھینک دیا (تاکہ جان اور عصمت تو محفوظ رہے) اور ململ تن زیب دوپٹوں کی جگہ فرش کی چاندنیاں پھاڑ پھاڑ کر اوڑھیں صبح ہوتے ہی مولوی لوگ باغ میں پہنچے اب انگریزی زد میں اور ان لوگوں میں صرف ایک سڑک حائل تھی چاہتے تو باغ میں ٹھہرتے مگر ڈر کے مارے سوئی والوں کے محلے میں پچھے عورتیں تھیں پردے اور سواری کا کچھ انتظام نہ تھا عورتوں بیچاریوں کو پیدل چلنے کی عادت نہ تھی۔

ایک ایک پاؤں چھلنی ہوگیا بہرحال یہ لوگ عرب سرائے پہنچے وہاں بادشاہ بھی ٹھہرے ہوئے تھے ایک دو دن تو امن سے گزرے پھر سنا کہ بادشاہ اور ان کے ملازموں کی داروگیر شروع ہے تو یہ مولویوں کا خاندان سلطان نظام الدین بھاگ گیا شہر کی خلقت وہاں بھی بھری پڑی تھی وہاں سے پاؤں اکھڑے تو وہاں سے مولویوں نے وزیر آباد کا ارادہ کیا راستے میں گوروں کا گارد آتے ہوئے ملا۔

مردوں کی گرفتاری

اس نے مولویوں کے گروہ سے مردوں کو گرفتار کرلیا اور عورتوں کو چھوڑ دیا اس وقت کی پریشانی اور واویلا کیا پوچھنا صرف ایک کمسن لڑکا حافظ واجد مولوی عبدالقادر کے بڑے صاحبزادے تھے جو عورتوں کے ساتھ تھے باقی کل مرد منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اس گرفتاری میں مولوی نذیر حسینؒ مولوی عبدالقادر صاحب اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب اور دو ایک آدمی تھے گوروں نے ان لوگوں کو شہر کی کوتوالی میں لاکر بند کر دیا اس طرح بہت سے لوگ پکڑے گئے سب قطار قطار بٹھائے گئے اور سب کو سلسلہ وار پھانسی دی جاتی تھی وہاں ایک بخشی صاحب ساتھ تھے وہ نشان دہی کرتے جاتے تھے کہ یہ فلاں ہیں یہ فلاں ہیں جب ان مولویوں کی باری آئی اس کے دل میں کیا رحم آیا اس نے کہا کہ یہ لوگ بیچارے بساطی لوگ ہیں اگر کہیں اس کے منہ سے نکل جاتا کہ مولوی ہیں تو پھر یہ سب پھانسی پاتے لیکن زندگی تھی بچ گئی۔

میاں صاحب کی گرفتاری پھانسی والوں میں بٹھائے گئے

اس افراتفری بھاگ دوڑ اور پریشانی میں میاں صاحب بھی گرفتار ہوئے حوالات میں بند

کیے گئے اور وہاں لاکر بٹھائے گئے جہاں سلسلہ وار لوگوں کو پھانسیاں دی جا رہی تھیں مگر وہ اللہ کے فضل سے بچ گئے عجب اندھیر نگری تھی بے گناہ جھوٹی مخبری پر پھانسی پا جاتے تھے۔

پھانسی کے پھندے میٹکاف کی جیب میں

میکاف صاحب کے اشارے پر بیسیوں بندگانِ خدا دنیا سے رخصت ہوجاتے پھانسی کے پھندے میٹکاف کی جیب میں ہوتے تھے وہ اپنے سامنے درخت میں بندھواتے تھے دو دو مجرم ایک ایک درخت کے نیچے پشت کی طرف مشکیں باندھ کر بٹھادئے جاتے تھے اور صاحب کے حکم سے پھانسی ہوجاتی تھی۔"

(دلی کی آخری بہار ص ۴۸-۴۹)

مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے برادر نسبتی مولانا عبد القادر کو پھانسی کا حکم

"اسی طرح مولوی عبد القادر صاحبؒ کے خلاف مخبری ہوئی کہ انہوں نے فلاں انگریز کو قتل کیا ہے چونسٹھ چشم دید گواہ بھگتے اور دو میمیں بھی گواہی دے گئیں کہ ہمارے خاوند اس نے مارے ہیں۔ مولوی صاحب کو پھانسی کا حکم ہوگیا اور مولوی صاحب موصوف کے پوتے راشد الخیری کا بیان فرماتے ہیں:

"آج مولوی عبد القادر صاحب کی پھانسی کا دن ہے صبح کے آٹھ بجے ہیں گورہ فوج کا معمولی دستہ کھڑا ہے مدرسہ اور مسجد کے متعلقین خاموش کھڑے ہیں کہ دو آدمی گھوڑے پر سوار دلی دروازے سے نکلے اب یہ خدا ہی جانے کہ تقدیر یا اتفاق کہ دونوں مجمع دیکھ کر ادھر چلے آئے ان میں ایک میم تھی اور ایک انگریز مسز لیسن اور مسٹر لیسن۔ پھر مسز لیسن

گھوڑا بڑھا کر قریب آئی اور مولوی عبدالقادر کو مشکیں بندھے دیکھا جیب سے پنسل نکالی اپنی ٹوپی پر لکھا کہ انتظار کرو ٹوپی درخت پر لٹکا دی پہرہ دار کو حکم دیا کہ صاحب کو دکھا دینا اور گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

میٹکاف صاحب آ گئے کئی آدمیوں کو پھانسی ہوئی مولوی صاحب کے درخت پر ٹوپی دیکھ کر میٹکاف صاحب ادھر ادھر ٹہلنے لگے ایک رتھ اور اس کے ساتھ گھوڑے پر میم صاحب آتی دکھائی دیں رتھ میں میری دادی صاحبہ یعنی مولوی صاحب کی بیوی تشریف رکھتی تھیں ان کے ساتھ ان کی لڑکیاں اور بچے بھی تھے جنہوں نے صبح سے رو رو کر خون کر رکھا تھا۔ میٹکاف صاحب نے میم صاحب کی صورت دیکھ کر ٹوپی اتاری ہاتھ ملایا اور پوری داستان سننے کے بعد اپنے ہاتھ سے مولوی صاحب کی مشکیں کھولیں (دلی کی آخری بہار ص ۴۹-۵۰)

کیا وفاداروں سے بھی سلوک کیا جاتا ہے

خدارا سوچیے کیا وفاداروں کے مکانوں پر رات پچھلے پہر حملے کیے جاتے ہیں کہ گھر سے کوئی چیز اٹھا نہ سکیں۔ کوٹھوں کوٹھوں سے بھاگیں عورتوں کے پاس ستر کا کپڑا تک نہ ہو۔ وفاداروں کو عورتوں سے علیحدہ کر کے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔ پھانسی پانے والوں کے ساتھ قطار میں بٹھایا جاتا ہے ان کی مشکیں کسی جاتی ہیں اور وفادار مارے خوف کے چھپتے پھرتے ہیں کچھ خدا کا خوف ہونا چاہیے اتنا تو جھوٹ نہیں بولنا چاہیے کیا وفاداروں کے مکانات اسی طرح زمین بوس کیے جاتے ہیں ان کے مدرسے توپ سے اڑائے جاتے ہیں ان کی مسجد اورنگ آباد کو زمین بوس کر دیا جاتا ہے جہاں شاہ عبدالقادر نے بیٹھ کر قرآن کا ترجمہ لکھا تھا اور سید نذیر حسین صاحب پڑھاتے تھے کیا وفاداری کی سزا پھانسی کا پھندا ہوتا ہے؟

مالکم کیف تحکمون۔
ان کا تو کچھ نہیں بگڑتا اللہ کے نزدیک ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔
ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا۔ اللہ ان کی مدافعت فرماتا ہے اور میرے جیسا آدمی جسے چند منٹ کی فرصت نہیں راتوں جاگ جاگ کر لٹریچر اکٹھا کرتا ہے مطالعہ کرتا ہے اور ان اللہ والوں کی مدافعت کرتا ہے یہ صرف اللہ کی توفیق اور مدد ہے جس نے میرے دل کو لگن لگا دی ہے ورنہ میری کوئی ان سے رشتہ داری تو نہیں اور تمہاری باپ بیٹے کی عادت ہے کہ تم مردوں کے خلاف لکھتے ہو زندہ لوگوں کے خلاف نہیں لکھتے یہ بزدلی اور کمینگی ہے۔ اور خسیس لوگ ہی ایسی حرکات کرتے ہیں۔

سید نذیر حسین صاحب کو چار صدر وپے انعام

حیات بعد از ممات بریلوی

دقوعہ ۱۸۵۷ء کے ۲۲ سال بعد کا سرٹیفکیٹ انگریزی میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ چار صد روپے مولوی صاحب کو انعام دیا گیا کہ انہوں نے ایک انگریز عورت کی جان بچائی اور سات سو روپے مکان گرانے کا معاوضہ دیا گیا ایوب قادری صاحب ایم اے پاس تھے اندھے تو نہ تھے مگر جان بوجھ کر جھوٹ بولا کہ مولانا صاحب کو ایک ہزار تین صد روپے انعام ملا اس کو عیب جوئی کے سوا کوئی کام نہیں۔ دلی ریلوے اسٹیشن کی جگہ پہ مکان بمعہ سامان کیا سات سو روپے کا ہو سکتا ہے اور انعام کیا چار سو روپے مناسب ہے۔
ذرا اپنی کتاب ۱۸۵۷ء کا ص ۵۲۲ کھول کر دیکھ لیا ہوتا۔
"کہ سید رضا سلیم برادر سید کرامت علی سکنہ محلہ ذخیرہ بریلی نے ایک میم اور اس کی سات سالہ بچی کی جان بچائی اس پہ اس کو دیہات اور خلعت عطا ہوا اور اس کی مصدقہ نقل خواجہ صاحب سے ملی۔"

ادھر اس وفاداری اور جان بچانے کے صلے میں ہندوستان کے سب سے بڑے عالم جماعت اہلحدیث کے سربراہ کو دہلی جیسے شہر میں اہم ترین عورت کی جان بچانے کا انعام چار سو روپے اور ادھر غیر اہم آدمی کا ایک غیر اہم ناقابل ذکر عورت کو بچانے کا صلہ گاؤں اور خلعت۔ یہ اتنا پیمانے میں فرق کیوں تھا اگر کھوپڑی میں مغز ہوتا تو فوراً سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ شاہ کا انعام انعام نہیں دل کی کدورت اور ناراضگی کا اظہار ہے انعام میں ان سے مذاق کیا گیا ہے نہ ان کی وفاداری پر اعتبار تھا نہ ان کی دلداری کی ضرورت تھی۔

میاں صاحبؒ کی خانہ تلاشی اور مشکوک خطوط کی برآمدگی۔

حضرت کیا وفاداروں کی خانہ تلاشی لی جاتی ہے یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ میاں صاحب کی خانہ تلاشی ہوئی مختلف مجاہدین سے خط و کتابت ثابت ہوئی۔ امیر المجاہدین عبداللہ بن ولایت علی کے نام خط برآمد ہوا جس نے انگریزوں کو جنگِ امبیلہ میں وہ ناک چنے چبوائے کہ رہتی دنیا تک وہ اسے بھول نہ سکیں ایسے ہی مشکوک خطوط کی بنا پر میاں صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔

اہلحدیث علماء پر مختلف مقدمات چلائے گئے جن میں اکثر کو پھانسی یا حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ملی ان کمیشنوں کی تفتیش کے سلسلہ میں میاں صاحب کو دھر لیا گیا ہندوستان میں وہابی تحریک ص۱۳۵ پر مرقوم ہے:

”نذیر حسین دہلوی وہابی کارکنوں کے صدر تھے ریلی نے سفارش کی کہ نذیر حسین کی دوبارہ جانچ کی جائے اور گواہوں سے مقابلہ کرایا جائے مگر ایسا نہ ہو سکا (کیونکہ شاہ صاحب کے مرید مر سکتے تھے کٹ سکتے تھے مگر اپنے مقتدا کے خلاف شہادت دینے کے لیے تیار نہ تھے) اس لیے ان کو چھوڑ دیا گیا مگر بعد کی تحقیقات میں وہ نمایاں نظر آئے۔“

مولانا غلام رسول مہر صاحب فرماتے ہیں (ان مقدمات میں) شیخ الکل (میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی بھی ہدف ابتلا بنے میاں صاحب مرحوم اہلحدیث کے سرتاج تھے اہلحدیث اور وہابی کو مترادف سمجھا جاتا تھا مخبروں نے میاں صاحب کے خلاف شکایتیں حکومت کے پاس پہنچائیں ان کے مکان کی تلاشی ہوئی اور بہت سے خط پائے گئے"

چیمبرلین افسر تفتیش کی موت

"میاں صاحب کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ لارڈ چیمبرلین تحقیقات پر مقرر ہوئے پہلے چند آدمی دہلی آئے اور میاں صاحبؒ سے مجاہدین اور ان کے معاونین کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں پھر چیمبرلین کے حکم سے ان کو پشاور لے جایا گیا چیمبرلین راولپنڈی آگیا اس لیے میاں صاحب کو پشاور سے راولپنڈی لایا گیا دورانِ تفتیش چیمبرلین انبالہ گیا جہاں وہ مرگیا (سرگذشت مجاہدین ص ۴۰۲، ۴۰۳)

ان مقدمات کے ایک خاص مجرم جناب محمد جعفر تھانیسری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "راولپنڈی جیل میں میاں صاحب پر جبر کیا جاتا تھا کہ کل اہلحدیث ممبران کے نام بتائیں جو اس تحریک میں شریک ہیں" (کالا پانی ص ۸۱)

اور مصنف حیات بعد از ممات کا مصنف ص ۱۳۶ پر لکھتا ہے :

" میاں صاحب کو روز پھانسی کی دھمکی دی جاتی تھی ۔"

ایوب قادری خود ضمیمہ کالا پانی میں لکھتا ہے کہ "میاں صاحب کے گھر سے مختلف خطوط نکلے جن کے متعلق سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا تھا تین خط مبارک علی پٹنہ دو خط عطاء اللہ میرٹھ تین خط عثمان کانپوری امین الدین کلکتہ محمد حسین بٹالوی ۔ محمد سوداگر الموڑہ نیز بہادر شاہ ظفر کے نام اور امیر عبداللہ کے نام خطوط کی نقول بھی دستیاب ہوئیں"

میاں صاحبؒ کا مرکزی کردار

بقول آپ کے میاں صاحبؒ نے

۱۸۵۷ء میں انگریز عورت کی جان بچائی اور وفادار بن گئے تھے تو ۱۸۶۳ء کے مقدمات میں ان کو کیوں ملوث کیا گیا۔ ان کی خانہ تلاشی کیوں ہوئی اور ان کو قید کیوں کیا، میاں صاحب بہار کے رہنے والے تھے رہائش دہلی میں تھی سرحد سے تعلق تھا کیونکہ آپ کی زندگی میں سب امرائے مجاہدین بہار کے ولایت علی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے میاں صاحب پورے ہندوستان اور مجاہدین کے مابین سنگم کی حیثیت رکھتے تھے میاں صاحب ان کے شاگردوں اور منوسلین کی وساطت سے ایک جال پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا جس کے ذریعہ مجاہدین اور روپیہ مسلسل صوبہ سرحد پہنچتا رہا۔

گورنر دین محمد

پاکستان بننے سے پہلے ایک مجاہد اٹک کے پل پر پکڑا گیا مگر وہ نیچے دریا کے قریب اتر گیا تمام رقعے دھو ڈالے جب اسے پکڑا گیا تو وہ باقی رقعے کھا گیا سابق گورنر دین محمد صاحب نے اس کا کیس مفت لڑا اسے بری کرایا جس کی برکت سے وہ ایک وکیل کی سطح سے اتنا بلند ہوا کہ پہلے وہ باؤنڈری کمیشن کا ممبر بنا بعد میں گورنر بنا۔ ایمان افروز تھیں ان مجاہدین کی زندگیاں جو کوئی پاس بیٹھ گیا اس کی زندگی بدل گئی مولانا یحییٰ علی جب جیل میں تھے تو ان کے پہرے دار ڈیوٹی ختم ہونے کے باوجود گھر نہیں جاتے تھے خدا کے خوف سے ڈرتے اور لرزتے رہتے تھے۔

اور کچھ آپ جیسے لوگ بھی ہیں جن کو ان کشتگان راہِ خدا سے خواہ مخواہ کی دشمنی ہے آپ صرف ان کے عیب اور نقائص تلاش کرتے ہیں۔

چوتھا الزام

ایوب قادری صاحب نے یہ لگایا کہ وہ جاسوسی کرتے تھے لعنۃ اللہ علی الکاذبین، تم سے تو وہ ہندو بہتر تھا جس نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف جھوٹی گواہی دینے سے انکار کر دیا نوکری ختم کر لی مگر جھوٹ نہیں بولا اور کہہ دیا کہ مجھے جھوٹی گواہی دینے کا حکم ملا تھا مگر میں جھوٹ بولنا نہیں چاہتا۔

یہی حالات ان لوگوں کے تھے جو پکڑے جاتے خود مار کھا کھا کر مر جاتے
مگر مجاہدین کے خلاف شہادت نہیں دیتے تھے میاں صاحب کے متعلق
یہی مشکل تھی ان کے خلاف کوئی شخص شہادت دینے کے لیے تیار نہ ہوتا
تھا مگر ایوب صاحب تعصب میں اس قدر اندھے ہو چکے تھے کہ ان کو یہ
جھوٹ بولتے وقت ذرا جھجک محسوس نہیں ہوئی اور اس کی وہ کوئی مثال بھی
نہ دے سکے اور دیتے کیسے اور کہاں سے لاتے

دیوبندی جاسوسوں سے تعارف

آئیے آج میں آپ کو آپ کے گھر کے مسلمہ جاسوسوں سے تعارف
کرا دوں، کتاب کا نام ہے ریشمی رومال مصنفہ حسین احمد مدنی ؒ ص ۲۳۹ پہ
فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہند ؒ کی حسن اعتمادی اور قوم کی بے سمجھی نے تحریک کو ناکام
بنا دیا سب کاروائیوں کی خبر انگریز کو بھیجتے تھے بعض تو انگریز کے باقاعدہ
تنخواہ دار ملازم تھے۔

ص ۲۳۷ پہ فرماتے ہیں:

شیخ الہند ؒ نے بعض ایسے افراد کو اپنا مشیر بنایا ہوا تھا جو کہ اندرونی
طور پر انگریز کے جاسوس تھے اور ظاہری طور پر حضرت شیخ الہند ؒ کے معتقد
تھے اور فدائی بنے ہوئے تھے۔

ص ۲۴۱ پہ فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الہند ؒ کے زیادہ تر رفقاء کار علماء تھے" اور آج سب سے
زیادہ بکنے والی قوم بھی ہے اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

"میں ان لوگوں کے نام نہ کبھی ظاہر کروں تاریخ اس کو ضرور آشکارا
کرے گی بایں ہمہ سندھی صاحب نے جن کے نام لیے ہیں میں ان کے نام
لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

صـ۲۴۴ پر فرماتے ہیں:

انہوں نے بتایا دیوبند سے وابستہ بہت سے مولوی یہی کام کرتے تھے ایک مولوی جس کے ذریعے اسی کام میں لگا تھا وہ عیدگاہ دیوبند کے خطیب تھے یہ صاحب کا کاخیلی مخبر تھے حج اور مالٹا میں ساتھ رہے۔

صفحہ ۲۴۳ پر فرماتے ہیں:

" مالٹا کی قید کی باتیں بمبئی کا ایک سی آئی ڈی کا آدمی بتاتا ہے جو یقیناً مولوی عزیز گل کی بتائی ہوں گی۔"

صفحہ ۲۴۳ پر فرماتے ہیں: " امیر احمد خاں تین سال تک جاسوسی کرتا رہا۔

صفحہ ۲۴۵ پر فرماتے ہیں:

مولوی صاحب مذکور انبالہ چھاؤنی کی جامع مسجد کے خطیب تھے وہ اپنی رپورٹ علیحدہ پیش کرتے اور امیر احمد خاں علیحدہ۔

پھر صفحہ ۲۴۶ پر فرماتے ہیں:

چکوال کے مولوی صاحب بھی جاسوس تھے۔ اور مولوی احمد اللہ کو انہوں نے پکڑوایا ان کی صاحبزادی، احمد علی لاہوری کے گھر ان کے عقد میں تھی۔

صفحہ ۲۴۷ پر فرماتے ہیں:

ایک مولوی صاحب قندہاری بھی جاسوس تھے ریشمی رومال کے متعلق سب گرفتار ہوئے مگر یہ نہ ہوئے۔

صفحہ ۲۴۸ پر فرماتے ہیں:

مولانا چاند پوری صاحب کا بھی لوگ نام لیتے ہیں سندھی صاحب کی رائے ہے کہ ان کے پہنچنے کے بعد سب لوگوں پر چھاپے پڑے اتنی بڑی شخصیت کے متعلق فیصلہ کرنے کی جرأت نہیں۔

صفحہ ۲۴۹ پر فرماتے ہیں:

میاں عبد اللہ صاحب بھی جو کہ آج کل ایم ایل اے ہیں ایسے ہی تھے۔

صفحہ ۲۵۰ پر فرماتے ہیں:

قاضی مسعود شیخ الہندؒ کے داماد نے تمام راز فاش کر دیے۔

شیخ عبدالحق جو کہ مولانا سندھیؒ کا معتمد آدمی تھا۔ ریشمی خط حق نواز کو دے دیا جس نے یہ خط انگریز گورنر ایڈوائر کو دیے تھے۔

مصنف آپ بیتی کیپٹن ظفر احسن اپنی کتاب کے ص۱۱۳ پر فرماتے ہیں:

"شاہ نواز جو انگریزی قونصل خانے سے مل گیا تھا چنانچہ جب وہ ایک سال بعد یاغستان کے راستے ہندوستان واپس ہوا تو انگریزوں نے نہ اسے نظر بند کیا نہ سزا دی۔

صفحہ ۱۵۲ آپ بیتی ملاحظہ فرمائیں:

"ملا شور بازار کا چھوٹا بھائی جسے جہاد کا شوق پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا شکم پروری کے علاوہ کچھ نہ کیا عموماً ایمان فروشوں نے ٹرکی سے بے تعلقی اور برطانیہ سے ہر قسم کی ہمدردی کا اظہار کیا (اسیر مالٹا ص۱۴)

چمرکنڈی اپنی کتاب کے ص۳۴ پر فرماتے ہیں:

پیر مانکی شریف ملاؤں کے خلاف انگریزوں کے ساتھ تھے اور سنت رسول کے شدید مخالف تھے۔

پھر اس کتاب کے ص۱۴ پر فرماتے ہیں:

ڈپٹی برکت اللہ کو فرضی مفرور بنا کر مجاہدین کے لشکر میں بھیجا گیا۔

مولانا سندھی کابل میں سات سال کے ص۳۷ پر رقمطراز ہیں:

عبدالباری سر محمد شفیع کا رشتہ دار نکلا اس نے حکومت کو جنود اللہ اور جماعت مجاہدین کے مفصل حالات لکھ کر دیے۔

پھر ص۷۷ پر لکھتے ہیں:

مستوفی الممالک نے دیوبند کے طالب علم کو ڈھونڈ نکالا اسے دیوبند بھیجا گیا کہ شیخ الہندؒ کے خطوط حاصل کرے اس کا پتہ بھی مولوی سیف الرحمٰن

نے بتایا۔

مولانا محمد علی مشاہدات کابل و یاغستان صفحہ ۲۷ پر فرماتے ہیں:

مولانا کے ساتھ ایک جاسوس بھیج دیا گیا جو ایک طرف مولانا کے منصوبوں کو ناکام بناتا رہا دوسری طرف انگریزوں کو مخبری کرتا رہا اور مولوی صاحب کو مکہ میں گرفتار کرا دیا۔

مولانا محمد میاں تحریک شیخ الہند کے صفحہ ۱۷۶ پر رقمطراز ہیں:

مولانا محمد اکبر فضل ربی فضل محمود کو پشاور بھیجا گیا کہ گاؤں گاؤں قبیلہ قبیلہ پھر کر زمین ہموار کریں۔

مگر مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی اپنی سوانح جلد ۲ پر فرماتے ہیں:

"محمد اکبر کو گرفتار کرا دیا گیا باقی دونوں جاسوس تھے"

امیر احمد خاں نامی ایک صاحب تھے جو اٹک کے رہنے والے تھے دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے انگریزوں نے ان کو خرید کر تین سال ہندوستان میں جاسوسی کا کام لیا (تحریک ریشمی رومال ص ۲۴۳)

شیخ الہندؒ کے ساتھ حکیم نصرت حسین صاحب تھے جن کے بہنوئی ضلع فتح پور ہسوہ کے کلکٹر تھے مسٹر برن جب مالٹا گئے تو صرف ان سے آنے کا انہوں نے مقصد بیان کیا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی بعض نام بتائے (۱) مسٹر سن (۲) مسٹر تصدق حسین (۳) مظفر علی تھانوی۔

چمرکنڈی صاحب ص ۱۴ پر فرماتے ہیں:

"معمولی معاوضے پر ایک عظیم گروہ انگریز کے ہاتھ لگ گیا جس نے برطانیہ کے اندازے سے بھی زیادہ کام کیا اور حنفی وہابی کا سوال یہاں تک چمکا کہ ایک ملا جس کے پاؤں پر خدا کے راستے کی دھول بھی نہ پڑی تھی ممبر رسول پر کھڑا ہو کر بے محابہ کہہ اٹھتا: اگر مسلمانوں کی مسجد میں کتا داخل ہو

جائے تو فرش پاک ہو سکتا ہے مگر بے ادب وہابی (ایک مجاہد سے مراد) اگر مسجد میں آجائے تو فرش دھونے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ فرش اکھاڑ پھینکنا چاہیے۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے پیش خدمت ہے ورنہ یہاں سینکڑوں غلام غوث ہزاروی اور مولوی دین پوری احترام الحق موجود ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو مفتی محمود صاحب بھی ۳۰۳ علماء کے خلاف بھٹو کے حق میں فتوے بڑی بے تکلفی سے دے سکتے ہیں میری نصیحت ہے کہ

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر نہ ماریئے کہیں آپ کا گھر جوابی حملہ میں چکنا چور نہ ہو جائے۔

پانچواں الزام میاں صاحب نے انگریز عورت کی جان بچا کر اسناد حاصل کیں

میاں صاحب اور ان کے شاگردوں نے زخمی اور خون آلود نیم جان عورت کو اٹھایا اور چھپا کر اپنے گھر لے گئے اس کا علاج کیا کھانے پینے اور پہننے کو دیا اس کا علاج کیا اس کی جان عزت و آبرو کی حفاظت کی اس نے یہ بھی دیکھا کہ رات دو بجے عبدالقادر کے مکان کو انقلابیوں نے گھیرا انہوں نے اسے اپلوں میں چھپا کر اپنی اور اس کی جان بچائی پھر اپنے بچوں میں چھپا کر اس کو کیمپ میں پہنچا یا کیا کوئی انسان ان احسانات کو بھول سکتا ہے وہ ایک خوبصورت نوعمر جوان عورت تھی اس کی عصمت کی حفاظت کی گئی جس کا اس کو احساس تھا کیمپ میں پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔

"میں آپ کے احسانات کا بدلہ اور آپ کی خواتین و مستورات کا شکریہ الفاظ میں نہیں ادا کر سکتی مجھ کو یاد رکھیے گا۔ میں اطمینان ہوتے ہی حاضر ہوں گی "(دلی کی آخری بہار ص۴۸)

اس کا باپ مہتمم خزانہ تھا مسٹر لیسن قلعہ پر پٹ پڑول تھے۔

ظاہر ہے جب وہ اپنے گھر پہنچی ہوگی اس نے اپنے تمام واقعات ان کو سُنائے ہوں گے اور بحیثیت انسان اس کا دل چاہتا ہوگا کہ میں جا کر ان کا شکریہ ادا کروں اور جس طرح بھی ہو سکے ان کے احسان کا بدلہ دوں میاں صاحب کو کیا علم کہ وہ کیمپ سے کہاں گئی لیکن وہ تو نہیں بھول سکتی تھی نہ بھولی نہ میاں صاحب انعام لینے کے لیے گئے نہ ان کو ضرورت تھی وہ سپاس گزاری میں خود ہی یہ کام کرتی رہی۔

میاں صاحب کو سرٹیفکیٹ دیے گئے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہاں انہوں نے خود اعتراف کیا ورنہ کسی نے وہ سرٹیفکیٹ دیکھے نہیں میاں صاحب نے ان کو سنبھالا نہیں مولانا شریف حسین بن نذیر حسین فرماتے ہیں وہ جل گئے تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ محفوظ نہیں کہ میاں صاحب کے گھر آگ لگی تھی ہو سکتا ہے میاں صاحب نے ان کو خود ہی جلا دیا ہو کیونکہ ان کا انکشاف ۱۸۷۷ء میں یعنی وقوعہ کے بائیس سال بعد ہوا جب کہ میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا۔

انہیں اپنے ہم عصر علماء احناف کے اخلاقِ حسنہ کا علم تھا انہیں یقین تھا کہ یہ مجھے دورانِ حج ضرور تنگ کریں گے اس لیے انہوں نے کوشش کر کے چٹھی حاصل کی جو ڈبلیو جی وار فیلڈ نے لکھی تھی اس میں ذکر تھا کہ انہوں نے ہماری ایک عورت کی جان بچائی تھی اس کے متعلق ان کو چار سو روپے انعام ملا تھا اور سات سو روپے مکان کے ملبے کا ملا تھا اور آخر میں لکھا تھا یہ لوگ ہماری قوم کے حسن سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔

چٹھی کی ضرورت کیوں پڑی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مدرسہ کے شیخ محمد اسحٰق صاحب جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ گئے تو اپنی جگہ پر اپنے شاگرد رشید جناب میاں نذیر حسین صاحب

کو جانشین کر گئے میاں صاحب نے بھی جانشینی کا حق ادا کر دیا یہ وہ درگاہ تھی جس کی سہیم ہندوستان کی کوئی بھی درسگاہ نہ تھی اور دیوبند کی تو ابھی بنیاد بھی نہیں رکھی گئی تھی اور پورے ہندوستان میں میاں صاحب کا علمی میدان میں کوئی ثانی نہ تھا اور علمی میدان میں کوئی بھی شخص اس مسند ولی اللہی کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا انہوں نے بھی شاہ ولی اللہ کی طرح تقلید کے بخیے ادھیڑ دیے۔

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

بس ان کی قابلیت ان کا تقویٰ ان کی شہرت ان کی وسعت نظر ولی اللہی خانوادے کی جانشینی اور ان کے علمی تفوق نے ان کے خلاف علمائے دیوبند کے دل میں ان کی رقابت پیدا کر دی آپ ۱۸۴۳ء سے اس مسند پر بیٹھے تھے اور دیوبند کی بنیاد ۱۸۶۷ء میں رکھی گئی ربع صدی پیشتر ان کی علمی دھاک بیٹھ چکی تھی کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی اور ہندوستان میں ان سے ٹکر نہیں لی جاسکتی تھی جب آپ نے حج کا ارادہ فرمایا تو مقلدین اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے پوری تیاری کے ساتھ مخالفت پر کمربند ہوئے۔

مولانا محمد حسین صاحبؒ بٹالوی فرماتے ہیں مولوی رحمت اللہ کیرانوی مکہ مکرمہ میں اہلحدیث کے ساتھ بڑی دشمنی رکھتے تھے اور ان کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔ (اہلحدیث اور سیاست ص۳۳۵)

"خصوصاً مولانا نذیر حسین صاحبؒ کی تکلیف دہی کی فکر میں رہنا ایک مدت سے مشہور ہے تھوڑا عرصہ ہوا کہ مکہ میں بعض لوگ بہ ارادہ حج پہنچے تو اس کی زبان سے یہ بات سن آئے ہیں کہ اگر مولوی سید نذیر حسین ایک دفعہ یہاں مکہ میں آجائے تو پھر جان سلامت نہ لے جائے یہ بات مجھے ایسے شخص سے پہنچی جس کو میں ولی مادرزاد کہہ سکتا ہوں اور میں خود بھی جب مکہ میں تھا مولوی رحمت اللہ کی زبان سے مولانا ممدوح کے حق

مغلظ دشنام سُن چکا ہوں اس دن سے میں نے مکہ سے کوچ کرنے کا قصد کیا۔ ورنہ میں حج کے بعد سال بھر کا ارادہ قیام رکھتا تھا (اشاعۃ السنہ جلد ۲۲، بحوالہ اہلحدیث اور سیاست ص۳۳۵)

علمائے دیوبند کا نظریہ جماعت اہلحدیث کے متعلق اور ان کا اخلاقی معیار

"عقائد اس جماعت کے جب خلاف جمہور رہیں بدعتی ہونا ظاہر اور مثل تجسیم اور تہلیل چار سے زیادہ ازدواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر، تواب نکاح، نماز اور ذبیحہ میں ان کے احتیاط لازم ہے جیسے روافض کے ساتھ احتیاط چاہیے۔

محمد یعقوب نانوتوی۔ رشید احمد گنگوہیؒ عفی عنہ۔ محمد محمود دیوبندی عفی عنہ محمود حسن عفی عنہ۔ ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ (جامع الشواہد ص۱۱ ماخوذ اہلحدیث اور سیاست ص۳۲۵)

مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں

"ہندوستان میں چونکہ تقلید اور عدم تقلید کا فتنہ زوروں پر تھا اور مولانا نذیر حسین صاحبؒ غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے اس لیے فوراً مکے میں اطلاع دی گئی کہ وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آرہا ہے اگر یہاں کوئی کارروائی نہ کی گئی تو اس بات کو وہابی حجاز میں اپنی فتح سے تعبیر کریں گے اور عوام کو اس سے بہت فتنہ ہوگا" (آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ص۱۰۳)

حجاز میں شاہ شہید کے ساتھیوں پر مظالم

"علاوہ ازیں حکومت ہند بھی وہابیوں سے بہت برافروختہ تھی کیونکہ سید اسماعیل شہید کے بعد مولانا ولایت علی، عنایت علی اور ان کی اولاد میں سے ان کے جانشینوں نے انگریزوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا

اس لیے اس نے وہابیوں کو بے پناہ پریشان کیا اور ان پر از حد مظالم ڈھائے جس کی وجہ سے بہت سے وہابی ہجرت کر کے مکہ چلے گئے ادھر خلافت عثمانیہ عربوں سے ناراض تھی، عبدالوہاب نجدی کے پیروں کاروں کا وہاں جانا بہت مشکل تھا ان کو مکہ میں باغی سمجھا جاتا تھا سید شہید حج کے وقت اپنے پیچھے بہت اچھے اثرات چھوڑ آئے تھے لیکن مقیمین علمائے مکہ نے یہ فتنہ اٹھایا مولانا ابوالکلام فرماتے ہیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس میں سب سے زیادہ حصہ والد مرحوم کا تھا ان کے قسطنطنیہ میں ترکوں اور عرب میں شریف مکہ کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے انہوں نے ترکوں اور شریف مکہ کو باور کرایا کہ یہ اہلحدیث عقائد میں عبدالوہاب نجدی جیسے ہیں ثبوت میں تقویۃ الایمان اور بعض دوسری کتابوں کے حسب حال مطالب عربی میں ترجمہ کر کے شائع کیے اور شریف مکہ کو ان لوگوں کے برخلاف برانگیختہ کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ چند دنوں بعد اس جماعت کے اکتیس آدمی گرفتار کیے گئے مولانا فرماتے ہیں افسوس ہے اس موقعہ پر بجز تین شخصوں کے باقی سب نے تقیہ کیا مولوی محمد انصار۔ مولوی محمد لطیف اور قاضی محمد مراد نے بڑی جرأت اور دلیری سے اپنے صحیح عقائد پیش کر دیے اور کہا کہ اگر قرآن و سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے اجتناب کرنا جرم ہے تو ہم مجرم ہیں اور ہر طرح کی سزا کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں ان کو توبہ کرنے کے لیے کہا گیا مگر وہ نہ مانے اس لیے تینوں کو انتالیس انتالیس کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔

ان کے بعض احباب جدہ آ گئے اور برٹش کونسل کو خبر دی کہ برٹش رعایا پر ظلم ہو رہا ہے تو نصل نے گورنر مکہ کو مراسلت بھیجی کہ بجز جرم فوجداری ان کو گرفتار کرنا ناجائز اگر ان کو چوبیس گھنٹے کے اندر نہ چھوڑا گیا تو گورنمنٹ اس کو باب عالی کے روبرو پیش کرے گی چنانچہ یہ کوڑے مارنے کی کاروائی روک دی گئی اور مجبوراً ان کو چھوڑ دیا گیا۔" (اہلحدیث اور سیاست صفحہ ۳۰۹)

سید نذیر حسین کی پیش بینی

سید نذیر حسین صاحب کو ان حالات کا علم تھا اس لیے انہوں نے دہلی سے برٹش قونصل جدہ کے لیے چٹھی حاصل کی، قرین قیاس یہ ہے کہ میاں صاحب ضعیف العمر تھے اور اُن کے شاگرد بڑے باحیثیت آدمی تھے ان کو کہیں خود جاکر اس کی جد وجہد کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ ان کے شاگرد ڈپٹی نذیر احمد اور شمس العلماء جیسے لوگوں نے خود ہی یہ کام کر لیا ہوگا اور بوڑھے استاد کو نوجوان باہمت اور ذی مرتبہ شاگردوں کی موجودگی میں اس چھٹی کے لیے خود کوشش کرنی پڑی ہو یہ ممکن ہی نہیں نیز وہ خود حکام رس نہ تھے نہ کسی کے پاس جاتے وہ تو تمام عمر کسی سرکاری افسر کے پاس نہیں گئے۔

یہ چھٹی جو ۱۸۷۷ء میں حاصل کی گئی تھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ٹھیک بیس سال بعد حاصل کی گئی تھی ۱۸۵۷ء کی لکھی ہوئی چھٹی سنبھالی ہوئی نہ تھی یا خود ہی جلا دی گئی تھی اور دوبارہ حاصل کرنے کی ان بیس سال میں دوبارہ کوشش نہیں کی گئی اور نہ اس کے حصول کی خواہش تھی۔

بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ مولانا کی پیش بندی درست تھی وہ بہت زیرک دور اندیش اور سمجھدار تھے اور وہ خطرات جو انہیں نظر آرہے تھے پیش آکر رہے۔

مولانا ممدوح جب دہلی سے روانہ ہوئے تو آپ کے حریف نے بھی چند اشخاص کو مختلف مواضع پنجاب۔ دیوبند۔ دہلی بدایوں وغیرہ سے گلابی چورقہ رسالہ کے ساتھ روانہ کیا (جامع الشواہد) جو دوبارہ مزید فتوؤں کے ساتھ بیس ورق پر چھپا) یہ لوگ راستہ بھر تنگ کرتے گئے مگر مولانا طرح دے کر نکل جاتے اور باوجود کوشش کے نہ اُلجھے مگر پہنچ کر ریشہ دوانیاں اور بڑھ گئیں۔

مولانا کے خلاف کمیٹی کی تشکیل

ان حضرات نے ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ

مولانا کو یہاں قید کرایا جائے یا شہید کرایا جائے جس کے صدر مولوی رحمت اللہ کیرانوی تھے اور مخبروں میں حاجی امداد اللہ۔ مولوی عبد القادر بدایونی۔ مولوی خیر دین اور چند اشخاص دیوبند انہوں نے ایک مقدمہ تیار کیا جس کے لیے ساڑھے تین سو گواہ بنائے گئے دورانِ حج تو زیادہ مشغولیت کی وجہ سے مقدمہ کی سماعت نہ ہوسکی۔

میاں صاحب دورانِ حج رسوماتِ بد اور بدعات سے منع کرنے کا وعظ کرتے رہے اس لیے معاندین کی آگ اور بھڑک اُٹھی مولوی تلطف حسین صاحب نے میاں صاحب سے گزارش کی کہ آپ وعظ بند کر دیں مجھے آپ کی جان کی خیر نظر نہیں آتی مدینہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں واپس وطن چلے جائیں۔

میاں صاحبؒ کا جواب مکہ میں شہادت کی آرزو

در مکہ و منیٰ متضمن احیاء سنت و اہانت بدعت روزانہ چیزے گفتم حالانکہ نرغہ دشمنان دین بود از خدا می خواستم کہ مثل امام نسائی جان در اینجا دہم چہ کنم کہ خاک ہندوستان و آب و ہوائے دہلی مرا نگذاشت۔

میں مکہ اور منیٰ میں احیاء سنت اور ردِّ بدعت کے بارے میں روزانہ وعظ کہتا تھا حالانکہ دشمنانِ دین کے نرغہ میں تھا خدا سے چاہتا تھا کہ امام نسائی کی طرح میں بھی جان اسی جگہ دے دوں لیکن کیا کروں کہ ہندوستان کی خاک اور دہلی کی آب و ہوا نے مجھ کو نہ چھوڑا۔

فتویٰ جامع الشواہد

مولانا آزاد اپنی سوانح آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی کے صفحہ ۱۰۴ پر فرماتے ہیں:

"اس زمانے میں ایک فتوے جامع الشواہد تیار ہوا تھا جس میں چند

عقائد تو واقعی اس جماعت کے تھے بڑا حصہ منسوبات کا تھا یا الزامی طور پر ان کے عقائد کا استخراج کیا گیا تھا۔ مثلاً خنزیر کی چربی کی حلت۔ بول طفل صغیر کی طہارت۔ مادہ انسان کا پاک اور قابل اکل ہونا۔ خالہ سے مناکحت کا جواز اور جواز کذب باری تعالیٰ وغیرہ بعض دیگر مختلف فیہ مسائل میں محدثین کی توثیق وغیرہ کو بہت رنگ آمیزی کے ساتھ ترجمہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اس سے امام صاحب کی تحقیر ہوئی ہے۔

میاں صاحبؒ کی گرفتاری

چنانچہ انہی الزامات کی بنا پر مولانا سید نذیر حسین صاحب مولانا تلطف حسین صاحب اور ایک اور ساتھی کو پکڑ کر نہایت تنگ و تاریک ایک جگہ میں قید کر دیا گیا دوسرے دن شریف مکہ کے سامنے پیش ہوئے انہوں نے مختصراً ان الزامات کی تردید کی مگر مولانا آزاد صاحب کے والد بہت پیچھے پڑے ہوئے تھے چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

"یہ بیان علمائے حجاز کے لیے ایک حد تک تشفی کا باعث ہو جاتا لیکن والد مرحوم اس قسم کے جواب کو وہابیوں کی مکاری تصور کرتے تھے انہوں نے ان گول جوابات کو نہ چلنے دیا۔"

میاں صاحبؒ کی بار بار پیشی ہوتی رہی چنانچہ برٹش قونصل نے مداخلت کی مگر پاشا نے جواب دیا کہ ہم نے ان کی حفاظت کے لیے اور مصلحتاً اپنے پاس رکھا ہوا ہے اگر ہم ان کو بلا تحقیقات چھوڑ دیں تو کشت و خون ہو جانے کا اندیشہ ہے ان کے صدہا دشمن ہیں جو ان کو زندہ نہ چھوڑیں گے نائب قونصل نے میاں صاحب سے کہا کہ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے اور اس کی رپورٹ برٹش کونسل جدہ کو دی چنانچہ ان کی مداخلت سے نو دن بعد میاں صاحب رہا کر دیے گئے۔

عزیمت

مولانا آزادؒ فرماتے ہیں کہ "مولانا نے اپنے اصول کے خلاف

کوئی بات نہیں کی نہ تقلید شخصی کے وجوب کو مانا نہ کتب حدیث پر کتب فقہ پہ
ترجیح کو مگر مخالفین نے مکہ میں مشہور کر دیا کہ میاں صاحب نے توبہ کر کے معافی
مانگ لی جو کہ بالکل غلط ہے" (آزادی کی کہانی صہ ۳۰۱)

کمیٹی کی رسوائی

اس کمیٹی کے ممبر مولانا رحمت اللہ کیرانوی - حاجی
امداد اللہ مہاجر مکی - مولوی عبد القادر بدایونی اور
مولانا ابو الکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین صاحب تھے۔ سب کے سب
متشدد حنفی تھے اور مولانا کے والد وہابی دشمنی میں سب سے بڑھے ہوئے
تھے انہوں نے سید نذیر حسین صاحب کو بہت تنگ کیا مگر وہ اپنے عزم و
استقلال - عقل مندی - تدبر اور خدا کے فضل سے بچ نکلے اور حج کے بعد
وطن واپس ہوئے ہر شخص کو اپنی نیت کا پھل مل گیا میاں صاحب تو صاف
اور بے داغ ہو کر نکلے اور موخر الذکر کمیٹی کے ممبران اپنی رسوائی اور
ذلت کا داغ اوراق تاریخ پہ رقم کرنے کے بعد چل بسے جسے پڑھ کر اپنے اور
بیگانے سب ہی شرمندہ ہوتے رہیں گے، کہ یہ لوگ مکہ اور بیت الحرام
بیٹھ کر کیا کرتوت کرتے رہے اور ان کی ذہنی پستی کا معیار کیا تھا - اللہ ان کی
غلطیاں معاف کرے اور یہی وہ فتویٰ ہے جس پر شرمندہ ہونے کی بجائے
مولانا عبد الحق صاحب اسے علمائے دیوبند کا قابل فخر کارنامہ قرار دے رہے
ہیں ببیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا۔

شمس العلماء کا خطاب

مولانا سید نذیر حسین صاحب کو شمس العلماء
کا خطاب دیا گیا جسے انہوں نے مدت العمر
کبھی اپنے نام کے ساتھ نہیں لکھا خطاب ہمیشہ وفاداری کی وجہ سے نہیں
ملتے بلکہ اکثر بیشتر ذاتی لیاقت اور کارکردگی کی وجہ سے ملتے ہیں حکیم اجمل خاں
صاحب کو حاذق الملک کا خطاب ملا حالانکہ وہ کبھی انگریزی حکومت کے
حامی نہیں تھے بہت سے لوگوں کو علمی کام کرنے کی وجہ سے خطاب ملتا

ہے جیسے مولانا شبلی نعمانی کو مختلف تحقیقاتی کتب لکھنے پر شمس العلماء کا خطاب ملا ان لوگوں نے تو اپنے خطابات کو اعزاز سمجھ کر اپنے نام کے ساتھ خود بھی لکھا اور انگریزوں کے وفاداروں میں کرسی نشین ہوئے

اگر میاں صاحب کا معاملہ برعکس ہے انہوں نے کبھی بھی اپنے خطاب کو نام سے نتھی نہیں کیا بعض لوگوں کو خطاب دینے سے حکومت کو خود قدرشناسی کا اعزاز ملتا ہے جس طرح آج کل بھی مختلف ممالک کے بڑے لوگ جب دوسرے ملک میں جاتے ہیں تو ان کی اعزازی ڈگریاں اور اعزازی خطابات دیے جاتے یہ کوئی ان کی وفاداری کی نشانی نہیں ہوتی اور نہ ان کی ذاتی حیثیت میں یہ خطاب کچھ اضافہ کرتا ہے بلکہ یہ حکومت کے لیے اعزاز ہوتا ہے میاں صاحب کا خطاب بھی ایسا ہی تھا۔

میاں صاحبؒ کی خطاب سے بے نیازی

''جب کوئی شخص میاں صاحب کے سامنے ان کے خطاب شمس العلماء کا تذکرہ کرتا تو آپ نہایت ہی سادگی سے فرماتے کہ میاں خطاب سے کیا ہوتا ہے ہمارے لیے تو خطاب قرآن مجید میں حنیفا مسلما کا خطاب موجود ہے دنیاوی خطاب سلاطین سے ملا کرتا ہے مجھے تو کوئی نذیر کہے تو کیا اور شمس العلماء کہے تو کیا میں نہایت خوش ہوں کہ ایک میاں صاحب مجھے کہتا ہے بھائی سادات کے لیے پیارا لفظ اس سے بڑھ کر نہیں ہے اس لفظ کی برکات سے میری درویشانہ طرز میں فرق نہ آئے بس خدا کا یہی فضل ہے'' (حیات بعد الممات ص۱۰۳)

میاں صاحبؒ کا استغنا سمجھنے کے لیے ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں جو حیات بعد الممات کے ص۱۳۱ پہ مرقوم ہے۔

''نواب سکندر بیگم مرحومہ والیہ بھوپال اپنے مدار المہام منشی جمال دین کے ساتھ دہلی آئیں اور میاں صاحب سے عہدہ قضائے ریاست قبول کرنے کی استدعا کی مگر آپ نے ملازمت سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا

کہ میں تو وہاں کا قاضی القضاۃ ہو کر امیرانہ ٹھاٹھ سے مسند لگائے حاکم بنا ہوا بیٹھا رہوں گا ۔ یہ غریب طلباء چٹائی پر بیٹھنے والے مجھ کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

ایک دفعہ منشی جمال دین مرحوم نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ رئیسہ بھوپال کی خدمت میں درخواست کریں کہ وہ مدرسہ کی مالی امداد کرے میاں صاحبؒ نے جواب دیا جو مکاتیب نذیریہ کے ص۱۷۱ پر مرقوم ہے۔

"آپ نے میرے مدرسے کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے کہ سرکار عالیہ والیہ ریاست کو لکھنا چاہیے تاکہ معاملہ درست ہو جائے مجھے ایسی لغو تحریکات سے ہمیشہ پرہیز رہا ہے اللہ تعالیٰ کے دروازے پر بیٹھ کر پڑھاتا ہوں، وہی اپنے خزانہ غیب سے مدرسہ اور طالب علموں کی مدد کرے گا مجھے اللہ تعالیٰ نے امیروں کے دروازے پر جانے سے کراہت بخشی ہے بندہ فقیر اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہتا جو یہاں لایا ہے وہی مجھ کو اور میرے طالب علموں کو پوری روزی بہم پہنچاتا ہے ایسی صورت میں صبر و قناعت کی پونجی کو فروخت کر دینا نادانوں کا کام ہے۔"

اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؏

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

میاں صاحب نے تو اپنی ہستی کو مٹا دیا تھا ۔ مولانا بٹالوی فرماتے ہیں:

کہ جب میں دہلی پڑھتا تھا تو میاں صاحب اکثر میری فرودگاہ ہی پر تشریف لاتے اور صف نعال کے پاس چٹائی پر بیٹھ جاتے میں باصرار عرض کرتا کہ حضور ادھر فرش پر بیٹھیں تو فرماتے:

"بر بساط اغنیاء ہرگز نیاید اہل فقر - زانکہ نقش بوریا ایں قوم را زنجیر پاست"

"مولانا عبداللہ غزنوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں دہلی پڑھنے کے لیے میاں صاحب کے پاس آنا چاہتا تھا خط و کتابت کے ذریعہ اجازت حاصل کر کے دہلی پہنچا تو دریافت کرنے پر کہ میں میاں صاحب کے مدرسے میں

جانا چاہتا ہوں ایک شخص نے کہا چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں میں ساتھ ہولیا مدرسے میں سامان رکھ کر دہ آدمی چلا گیا تو میں نے طلباء سے پوچھا کہ میاں صاحب کہاں ہیں انہوں نے جواب دیا: میاں صاحب تو وہی تھے جو تمہارا سامان اُٹھا کر لائے ہیں اس پر میں بہت شرمندہ ہوا۔"

اس قدر متواضع بے نفس اور مستغنی و بے نیاز آدمی کے متعلق یہ تخیل کہ اُسے اپنے خطاب شمس العلماء کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی یا اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا کوئی کم عقل اور احمق آدمی ہی ایسا گمان کر سکتا ہے مولانا کو نہ تو اس کی خواہش تھی نہ اس کے لیے کوئی تگ و دو ہی کی گئی اور نہ کوئی ایسا قابل ذکر کارنامہ ہی تاریخ کے اوراق میں موجود ہے جس کے لیے یہ خطاب دیا گیا۔ بلکہ مصنف حیات بعد الممات صـ ۱۰۳ پر فرماتے ہیں:

" معلوم ہوا ہے کہ جس وقت کمشنر دہلی نے بحکم لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی طرف سے اس خطاب کی خبر آپ کو دی اس سے ایک منٹ آگے میاں صاحب کے وہم و گمان میں بھی یہ بات موجود نہ تھی کہ میں اس لقب سے ملقب ہونگا"

اس کی مزید تصدیق اس صفحہ پر درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے۔

" جب لوگ خلعت و خطاب کے ساتھ میاں صاحب سے ملے اور آپ کو اس سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم غریب آدمی خلعت و خطاب لے کر کیا کریں گے، خلعت و خطاب تو بڑے آدمیوں کو ملنا چاہیے ہم کو دینا لاحاصل ہے بعد از گفتگو کے اس قدر فرمایا اچھا صاحب آپ حاکم ہو جو چاہو کہو۔"

اس خطاب پر نہ تو کسی شکریے کا اظہار کیا اور نہ احسان مندی کا اور نہ کبھی اپنے نام کے ساتھ آپ نے کبھی یہ خطاب لکھنا پسند کیا جب دربار لگا تو وہاں بھی آپ کا نام بطور شمس العلماء نہیں ملتا لیکن اس کے باوجود اسے وفاداری کی علامت قرار دینا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس الزام سے پیشتر ذرا **دیکھ ظالم اپنی نظروں کا ذرا شہتیر بھی**

اپنے گھر پر بھی نظر ڈال لی ہوتی تو شاید کچھ شرم آجاتی ذرا اپنے خطاب یافتہ حضرات ملاحظہ فرمائیں :

مولانا شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مولانا محمود الحسن صاحب کی رہائی کے لیے جو درخواست دی گئی تھی وہ انہی شمس العلماء محمد احمد کی معرفت دی گئی تھی جو کہ بہت زیادہ حکام رس تھے جس کی نقل الرشید سے پیش کی جا چکی ہے نیز تحریک شیخ الہند کے ص۱۴۰ پر ان کے کام کے ساتھ وفادار کا لفظ بھی استعمال کیا گیا اور یہ واقعی سرکار انگلشیہ کے بڑے وفادار پرنسپل تھے۔ یہ حضرت شیخ الہند کے بیٹے اور پروردہ تھے

مولانا امیر احمد سہسوانی

کو بھی شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔ (احسن نانوتوی ص۵۱)

خان بہادر محمد سلیمان صاحب

"آمنہ کی پہلی شادی مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے ہوئی ان کی وفات کے بعد گنگوہ کے قدوسی خاندان کے فرد محمد عثمان سے ہوئی۔ ان کے دو صاحبزادے تھے محمد نعمان نوجوانی میں گھوڑے سے گر کر فوت ہو گئے دوسرے خان بہادر محمد سلیمان صاحب ہیں جو بی۔ ایس۔ سی انجینئر ہیں" (احسن نانوتوی ص۱۵۴)

یہ خطاب واقعی وفاداری کی وجہ سے ملا۔

مولانا خان بہادر عبد الاحد صاحب

"مولانا عبد الاحد صاحب ربیب مولوی محمد احسن نے حکومت کی بے مثال خدمت کی وار فنڈ دیا تین لاکھ روپے قرضہ جنگ کے لیے دیا سٹی ریکروٹنگ کمیٹی اور پبلسٹی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے بہت خدمات انجام دیں اس پر انہیں خان بہادر کا خطاب ملا جب لوگ فوجی بھرتی بائیکاٹ کا نعرہ لگاتے تھے۔ اس وقت یہ فوجی بھرتی کراتے تھے

اور انہوں نے لاکھوں روپے مفت چندہ دیا تین لاکھ روپے قرضہ بھی دیا، تاکہ ہندوستان پر انگریز کا سایہ قائم و دائم رہے۔

شمس العلماء سید احمد بخاری صاحب

"مولانا عبدالاحد کی لڑکی کی شادی شمس العلماء سید احمد بخاری امام مسجد دہلی سے ہوئی رجن کے بھائی کو ممبر مسجد کے سامنے لہولہان کر دیا گیا) مگر مولوی صاحب نے خطاب واپس نہ کیا لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی" (احسن نانوتوی ص ۱۷۳)

مولانا مملوک علی صاحب

"تمام انگریز پرنسپلوں کے معتمد تھے ہر سالانہ رپورٹ میں ان کی تعریف کی جاتی گورنر جنرل بہادر نے مولانا مملوک علی کو انعام سے بھی نوازا صورت یہ ہوئی کہ ۱۵ / ۱۶ نومبر ۱۸۵۸ء کو گورنر جنرل بہادر نے دہلی میں دربار کیا جس میں ان کو خلعت سہ پارچہ مرحمت ہوا" (احسن نانوتوی ص ۱۷۲)

مولانا مملوک علی کے صدر مدرس ہونے کی وجہ سے بھی دہلی کالج کی تعلیمی سرگرمیاں یقینی طور پر آگے بڑھیں اور مسلمانوں کی ایسی کھیپ تیار ہوئی کہ جس نے نئے نظامِ تعلیم میں منسلک ہو کر خاطر خواہ خدمت (سرکار) انجام دی مولانا مظہر (مدرس آگرہ کالج)، مولانا محمد منیر (مدرس دہلی کالج) مولانا محمد احسن (مدرس بنارس کالج و بریلی کالج) مولانا ذوالفقار علی (والد شیخ الہندؒ مدرس بریلی کالج و ڈپٹی انسپکٹر مدارس) مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی (ڈپٹی انسپکٹر والد مولانا شبیر احمد عثمانی) تو خاص ان کے اعزہ و احباب تھے اس کے علاوہ شمس العلماء ڈپٹی شیخ ضیاء الدین ایل ایل ڈی، شمس العلماء ذکاء اللہ، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد۔ شمس العلماء محمد حسین آزاد وغیرہ" (احسن نانوتوی ص ۱۷۷) ماشاء اللہ آپ کے پاس تو شمس العلماء کی ٹکسال موجود تھی جس نے ایک بہت بڑی کھیپ شمس العلماء اور وفاداران سرکار کی

پیدا کر دی انہوں نے وفاداری کی اور خوب مزے لوٹے اور اب آپ ان کا تذکرہ کر کے لطف اُٹھائیے اور ہم ایسے غریبوں کو نہ سنایا کیجیے۔

خان بہادر عبدالحمید صاحب

مولانا عبدالاحد صاحب کے لڑکوں میں سے ہی دوسرے لڑکے عبدالمتین کی بیگم ایک فرنچ خاتون ہیں (احسن نانوتوی ص۱۶۸)

مولوی سمیع اللہ ایم بی

"مولوی سمیع اللہ جو منشی عزیز اللہ ۱۸۳۲ء دہلی میں پیدا ہوئے مولوی سید محمد اور مولوی مملوک علی سے ان کے گھر پر تعلیم حاصل کی مفتی صدرالدین آزردہ سے بھی پڑھا نومبر ۱۸۵۶ء میں منصفی اور وکالت کی اور خانپور میں منصف مقرر ہوئے ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۴ء تک آگرے کے صدر دیوانی صدر نظامت اور ہائی کورٹ میں وکالت کی۔ ۱۸۷۳ء میں صدر الصدور مقرر ہوئے۔ علی گڑھ۔ الہ آباد۔ مراد آباد۔ فتح گڑھ میں کار فرما رہے۔ ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ملکہ معظمہ کی سالگرہ کا دن تھا ایک جلسہ میں بصدارت مولوی محمد دین ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ کی افتتاح کی رسم ادا کی۔ مولوی صاحب نے نیو سنٹرل کالج الہ آباد کے مسلم طلباء کے لیے الہ آباد میں ایک بورڈنگ ہاؤس بنوایا جس کا افتتاح سر آکلینڈ صاحب لفٹیننٹ گورنر یوپی کے ہاتھ سے ۱۱ مارچ ۱۸۹۲ء کو ہوا۔ ۱۶ ستمبر کو مولوی سمیع اللہ صاحب مصر میں انگریزوں کے استعمار کو مضبوط کرنے کے لیے پولیٹیکل مشن پر مصر گئے اور انہوں نے وہاں جمال الدین افغانی کی تحریک کو نقصان پہنچایا۔ (احسن نانوتوی ص۱۸۲)

ان خدمات کی وجہ سے ان کو سی ایم بی کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۸ء میں مرے۔

واہ واہ سبحان اللہ کیا کہنے آپ کے علمائے دیوبند کی وفاداری تو ہمیشہ غیر مشکوک رہی ہے خطابات تو آپ کا طرہ امتیاز تھا نہ صرف آپ نے ملک وملت سے غداری کی بلکہ بیرون ملک بھی مسلمان تحریکات کو نقصان

انگریز کے اشارے پر پہنچاتے رہے۔

ان خطاب یافتگان کی وجہ سے ہمیشہ حکومت کی نظر عنایت آپ پر رہی اور آپ صرف ذاتی مفاد کے لیے "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" کی مثال بنے رہے۔

پدم بھوشن مولانا حسین احمد مدنی

پاکستان بن جانے کے بعد حضرت مولانا مدنی کو پدم بھوشن کا خطاب اپنی بہترین کارکردگی کی وجہ سے ملا اور ان کے فرزند ارجمند نے اندرا گاندھی کو ایک مذہبی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ جشن میں بطور میر مجلس اور مہمانِ خصوصی بلا کر رہی سہی کمی پوری کر دی اور انہی تعلقات کی بنا پر قاری طیب صاحب سے دنگل ہوا۔ دارالعلوم پر قبضے کے لیے دنگا اور پھر تالہ بندی تک نوبت پہنچی اور یہ سب سرکاری تعلقات کا نتیجہ تھا۔

علمائے دیوبند کا موجودہ کردار

مشہور سیاسی مبصر شیو پرشاد سنہا بیرسٹر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے اخبار سیاست کانپور ۸ر جون ۱۹۶۲ء کو ایک بیان دیا جس کا اقتباس درج ذیل ہے:

"اس ملک کے مسلمان لیڈروں میں نہ احساس ہے نہ جذبہ نہ ہمت انہوں نے اپنے گرد ایک حصار کھینچ لیا ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اس حصار کے خط کو کانگریس نے نہیں کھینچا بلکہ خود ان کی احساسِ کمتری۔ خوشامد اور کانگریس کی خوشنودی کے جذبے نے کھینچا ہے یہ بات خاص کر بھوپال، جبل پور ساگر وغیرہ کے بعد ظاہر ہوئی ہندوستانی سفارت خانے کے سامنے پاکستانی طلبا نے احتجاج کیا مظاہرہ کے وقت قدم جادۂ اعتدال سے آگے بڑھا دیا۔ غلط کیا بہت برا کیا ان بزرگان دین وقوم نے اس مظاہرہ کے خلاف تو نعرہ احتجاج ضرور بلند کیا لیکن پارلیمنٹ میں جبل پور وغیرہ کے واقعات

کی مذمت نہیں کی جس کی وجہ سے یہ مظاہرہ ہوا۔"

علاوہ ازیں وحید احمد مسعود جو سابقہ پارلیمانی سیکرٹری تھے نے "برہان" میں ایک مضمون اپریل ۱۹۶۲ء کو دیا جس میں یہ بتایا کہ

"مولانا مدنی نے ترکی یا شام کو ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تو ایک منسٹر صاحب نے انہیں ان کی مسلمانوں کی ملک کی بہتری کی خاطر اس سے باز رکھا پھر اس کے بعد بجائے سیاسی تقریروں کے وہ وعظ اور مولود خوانی پر اتر آئے تھے۔"

اس قدر غیرت دلانے کے بعد مولانا نے حکومت کو ایک خط لکھا:

"مگر جمعیت کے خدام نے اس خط کو روک لیا اور اس کی جگہ دوسری تحریر حضرت مولانا کی طرف سے اشاعت کے لیے اخبارات کو دے دی۔"

(ندائے ملت ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء)

یہی مضمون "تذکرہ" ماہنامہ دیوبند میں جسے مولانا مدنی کے صاحبزادے چلا رہے ہیں موجود ہے۔

اور اس کے بعد مولانا اسعد مدنی کا کردار تو کسی سے مخفی نہیں کہ انہوں نے وہی کام کر دکھایا جو اکابر دیوبند نے لارڈ پامر کو مدرسہ میں بلا کر کیا اپنی وفاداری کا سرٹیفکیٹ آج اندرا سے مولانا اسعد مدنی نے حاصل کیا اور ثابت کر دیا کہ مدرسہ دیوبند کا کردار شروع سے لے کہ آج تک وہی ہے جس پر اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

گرداب بلا اِک اور میں علمائے دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینے میں لکھ کر ابھی فارغ ہوا تھا اور مسودہ کتابت کے لیے کاتب کے پاس بھیجا تھا کہ ایک اور کتابچہ بعنوان انگریز اور اہلحدیث کسی دوست نے بھیجا جو نقیر والی سے ابوحنیفہ اکیڈیمی نے چھپوایا اور مصنف مولوی محمد بشیر صاحب قادری ہیں کتاب میں حقائق کو مسخ کیا گیا

ہے اور انہی گھسے پٹے اعتراضات کو دہرایا گیا ہے جس کے جواب اس کتاب میں آچکے ہیں۔

افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ یہ سب کام ابوحنیفہ اکیڈیمی کے نام پر کیا جا رہا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ دنیا کے ان پاکباز ترین لوگوں میں سے ہیں جن کا نام قیامت تک زندہ رہے گا ان کی پاکبازی، نیکی اور شرافت پر پوری امت کا اجماع ہے انہوں نے ساری عمر جھوٹ نہیں بولا نہ کسی کو گالی دی بلکہ فقہ اکبر میں صاف لکھا ہے کہ یزید کو بھی گالی نہ دو۔

برعکس نام زنگی نہند کافور اس پاکیزہ انسان کے نام پر اکیڈیمی بنائی گئی ہے اور جو زبان مسلمان اکابرین کے متعلق استعمال کی گئی ہے اتنی فحش اور گندی ہے کہ سن کر برداشت نہیں ہوسکتی اور بقول رسول اللہ وہ مسلمان نہیں جو مسلمان کو ایذا یا گالی دے۔

اکیڈیمی کا مقصد صرف ایک ہے کہ قرآن و حدیث کے ماننے والوں پر کیچڑ اچھالا جائے۔ اگر امام ابوحنیفہؒ خود زندہ ہوتے تو اس اکیڈیمی کو آگ لگا دیتے جس کا مقصد رسول اللہؐ کے مقابل غیر معصوم امتیوں کے نام پر مذہب گھڑنا اور قرآن و حدیث کے حاملین کو گالیاں دینا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ خود مجتہد تھے کسی کے مقلد نہ تھے اُنہوں نے خود فرمایا اذا صح الحدیث فھو مذھبی صحیح حدیث میرا مذہب ہے اور فرمایا کہ جب تم کو حدیثِ رسول مل جائے تو میرے قول دیوار سے مار دو لیکن ان لوگوں نے ان کے نام پر حنفی مذہب گھڑ لیا ہے۔

مکلف پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ مذہب ہے کہ ہر انسان مکلف ہے کہ وہ اسلام لائے اور جو خدا و رسول

کو نہ مانے اور مر جائے تو وہ کافر اور جہنمی ہے اور اس کا عذر جہالت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مقلد | مگر وہ سوچ سمجھ کر مسلمان ہو جائے تو اب اسے سوچنے کی اجازت نہیں اسے ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے۔

مضحکہ خیز | اور اس سے بھی مضحکہ خیز بات یہ کہ عالم لوگ جنہوں نے قرآن وسنت پر عبور حاصل کیا اور کئی سال تک تعلیم حاصل کی وہ بھی اپنے آپ کو مقلد کہتے ہیں گویا جان بوجھ کر اندھے بنتے ہیں اپنے علم کی بنا پر اجتہاد کرنے کی بجائے تقلید کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے عالم کو جو جان بوجھ کر جاہل بنتا ہے کون سمجھا سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رح کی پیدائش | سے پہلے خیر القرون کے جو لوگ گذرے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ کا نام کبھی نہیں سُنا اور جو صرف فرمانِ خدا قرآن مجید کو مانتے تھے اور حدیث رسول پاک پر ایمان لاتے اور عمل کرتے تھے اور کسی شخص معین کی تقلید نہیں کرتے تھے جن کو حضور اکرم نے خود اہلحدیث کہا ہے، خطیب بغدادی نے شرف اصحاب الحدیث میں اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین قرآن و حدیث پر عمل کرتے تھے اور اہلحدیث تھے اور تمام محدثین جنہوں نے حدیث کی کتابیں لکھیں اور ان کی تعلیم دی وہ سب اہلحدیث تھے۔

اہلحدیث ایک نوخیز فرقہ ہے | مولوی بشیر صاحب فرماتے ہیں کہ اہلحدیث ایک نوخیز فرقہ ہے صفحہ ۱۷ کتاب اہلحدیث اور انگریز، مولانا اہلحدیث کی نسبت تو حدیث رسول کی طرف ہے جب سے حدیث رسول موجود ہے اسی وقت سے اہلحدیث موجود ہیں اللہ نے قرآن کو بھی حدیث کہا ہے (اللہ نزل احسن الحدیث) اس طرح قرآن و حدیث کو ماننے والے حضور کے زمانے سے موجود ہیں

حدیث شریف کو ماننے والوں کو جدید کہنا حقائق اور بدیہیات کا انکار ہے۔

ہاں مگر دیوبندی

۱۸۵۷ء سے پہلے یقیناً موجود نہ تھے کیونکہ مدرسہ دیوبند ۱۸۶۷ء میں سرکار انگریزی کے ملازمین ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز کی نگرانی میں بنا یہ فرقہ واقعتاً جدید ہے جس کی نسبت نہ خدا کی طرف نہ رسول کی طرف نہ قرآن کی طرف نہ حدیث کی طرف بلکہ ہندوستان کے ایک گاؤں کی طرف ہے جس میں ایک مندر ہے اس میں ایک دیوہیکل بُت موجود ہے جس کی نسبت سے اس مندر کے نام پر گاؤں کا نام دیوبند اور اس گاؤں میں دارالعلوم دیوبند ہے اور اس کی طرف نسبت سے آپکے فرقہ کا نام دیوبندی ہے جب ۱۸۵۷ء میں دیوبند ہی موجود نہ تھا تو دیوبندی کہاں سے آگئے؟ ۱۸۵۷ء کی لڑائی میں علمائے دیوبند کی شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ مدرسہ دیوبند دس سال بعد بنا جس سے فرقہ دیوبند پیدا ہوا تو کیا یہ فرقہ اپنی پیدائش سے دس سال پیشتر ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں جا دھمکا تھا۔

احناف کی شمولیت

اور احناف کی شمولیت آپ ایوب قادری کی ۱۸۵۷ء جنگ آزادی پڑھ لیتے تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ بریلی حنفی، بدایوں والے حنفی، مولوی فضل رسول صاحب لاہور والے حنفی، مرکزی حزب الاحناف والے اور کلکتہ کی محمڈن سوسائٹی والے حنفی اور لدھیانہ والے حنفی (فتوے نصرت الابرار) والے سب کے سب انگریز کے ساتھ تھے اسی طرح علماء فرنگی محل بھی۔

اگر آپ مولانا محمد میاں کی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ چہارم پڑھ لیتے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تاریخ میں علمائے دیوبند سہارن پور کے متعلق ایک سطر بھی موجود نہیں۔

مولانا آپ کا یہ فرمان ۱۸۵۷ء کے مجاہدین سب کے سب حنفی تھے

اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ گوز شتر سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔

وہابی مقدمات

(VAHBI TRIAL S) کی جنگِ آزادی کے بعد کل مقدمات جو چلے ان کا نام ہی وہابی مقدمات جن کی مثلیں آج بھی انڈیا آفس لائبریری میں رکھی ہیں اور جن کو سزائیں ملیں ان میں ایک بھی دیوبندی نہیں۔

اگر اس تحریک میں سب کے سب حنفی تھے تو اس تحریک کا نام وہابیت کیوں مشہور ہوا اور صرف وہابی کیوں مورد عتاب ہوئے کسی حنفی کو کیوں سزا نہ ملی۔ آپ نے اپنی کتاب کے ص۴۹ پر لکھا ہے کہ صرف حنفی اس جنگ میں شریک تھے کیا آپ کے اکابرین سے بھی کوئی شریک ہوا؟ شاید آپ مولوی رحمت اللہ کیرانوی کا نام لیں مگر وہ تو کہتے تھے یہ جہاد نہیں فساد ہے جیسا کہ روزنامچہ ۱۸۵۷ء کے مصنف عبداللطیف نے لکھا ہے کہ وہ پچھلے پہر دہلی پہنچے اور سرِ شام دو سو آدمیوں کو لے کر واپس کیرانہ چلے آئے۔

وہابی نام کی تبدیلی کی درخواست

مولانا ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۸۶۸ء تک وہابیوں پر جو مظالم ہوئے ہیں اس کتاب میں ذکر کر چکا ہوں تیس سال تک ظلم ڈھانے کے بعد اس کی صدائے بازگشت انگلستان کی پارلیمنٹ میں سُنی گئی اور برق نے جب وہابیوں پر مظالم کا تذکرہ پارلیمنٹ میں ہوا تو ممبران چیخیں مارتے ہوئے اور دھاڑتے روتے چلاتے باہر بھاگے اور انگلستان سے ان سزاؤں کے خلاف آواز اٹھی، قاتل اور ظالم بالآخر تھم گئے۔

خون پھر خون ہے گرتا ہے تو جم جاتا ہے
اور ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو تھم جاتا ہے

جن پر اس قدر مظالم ڈھائے گئے ـــ لاکھوں پھانسی چڑھائے گئے اور لاکھوں کالے پانی گئے پھر بھی ان کو معاف نہ کرتے تو کیا کرتے اور معافی کی درخواست وہابیوں نے دی کہ ہم کو وہابی نہ کہا جائے بہت ظلم ہو چکا اب جانے دیجیے

انگریز نے معاف کر دیا مگر آپ کے نزدیک ہم اب بھی وہابی ہیں اگر اس تحریک میں حنفی ہونے تو وہ درخواست کرتے مگر وہ تو جان بچاؤ اور مال کھاؤ پر عمل کرتے رہے۔

اقتضاء النص یا دلالت التزامی

وہ عبارتیں جو آپ نے نقل کی ہیں کوئی فاتر العقل ہی ان سے انگریز کی وفاداری مراد لے سکتا ہے مثلاً مولانا جعفر تھانیسری جہاں جہاں انگریز کی مخالفت کا ذکر تھا وہاں سکھوں کا نام لکھ دیا مگر کیا اس سے حقیقت بدل گئی۔ مولانا جعفر صاحب کو سزا تو انگریز نے دی پہلے پھانسی پھر عمر قید کیا ان کو وفادار سمجھ کر سزا دی تھی واپس آکر اپنے حالات پر کتاب لکھی انگریز کی حکومت تھی اس کی وفاداری کا اعلان کیا اور حالات سپرد قرطاس کر دیے۔ اب کیا اس کالے پانی سے وفاداری کی بو آتی ہے۔ اب تو شرم آنی چاہیے۔ انگریز جج سزا دیتے وقت لکھتا ہے کہ مجھے خوشی ہو گی جب تمہاری لاش نصف گھنٹہ تک لٹکتی رہے گی کیا وفاداروں کو پھانسی دی جاتی ہے اس ولی اللہ نے کہا موت اللہ کے ہاتھ میں ہے شاید تمہاری موت پہلے ہو وہ جج اسی ہفتے ہی مر گیا۔

نواب صدیق حسن صاحبؒ

کے متعلق تو آپ کی قلم سے بھی سچی بات نکل گئی۔ شومئی قسمت نواب صدیق حسن نے بہت پاپڑ بیلے مگر نوابی نہ بچ سکی (ص۲۶)

تم ہی بتاؤ اگر وہ وفادار ہوتے ...... تو ان سے نوابی چھن سکتی تھی اس سے بڑی شہادت انگریز کی مخالفت میں اور کیا پیش کی جا سکتی ہے۔

مصنف رود کوثر شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ

فرماتے ہیں تسید اولاد حسین والد بزرگوار نواب صدیق حسنؒ نے شاہ عبد العزیزؒ اور شاہ عبد القادرؒ سے مذہب اہلسنت اختیار کیا اور بالآخر مولانا سید احمد بریلوی کے مرید اور خلیفہ ہوئے

نواب صدیق حسن صاحبؒ کو نواب والاجاہ امیر الملک کا خطاب؛ ور معتمد المہام کا عہدہ عطا ہوا، چودہ سال کی نوابی کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور ۱۸۸۵ء میں بعض سیاسی، انتظامی اور شخصی شکایات کی بناء پر (جن میں ترغیب جہاد) اور مذہب وہابیت کی ترغیب شامل تھے آپ کے خطابات اور اختیارات سلب کر لیے گئے اور سر دربار یہ حکم سنایا گیا اور سیاست میں آپ کو دخل دینے کی ممانعت کر دی گئی۔ آٹھ ماہ تک اپنی بیگم سے بھی جُدا رہنا پڑا (اُردو کوثر ص۶۶)

احسان فراموشی

مولانا نواب صدیق الحسن صاحبؒ کے متعلق آپ کا یہ رویہ بہت ہی نامناسب ہے وہ ریاست جو آپ کے اکابرین کی خدمت کرتی رہی اس کے نواب کو دشنام طرازی کتنی بڑی احسان فراموشی ہے۔

مولانا مدنی صاحبؒ نقش حیات ص۸۱ پر فرماتے ہیں "مدینے میں رہائشی لوگوں کے لیے ریاست بھوپال اور حیدرآباد سے بھی وظیفے وہاں جاری تھے بالخصوص رئیس بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ کے جانے کے بعد بھوپال سے یہ خیرات بہ نسبت سابق زیادہ ہو گئی تھی، مکہ معظمہ میں تو اس کا سلسلہ نواب سکندر جہاں بیگم مرحومہ والدہ شاہجہاں بیگم مرحومہ والیہ ریاست بھوپال کے زمانہ سے جاری تھا مگر مدینہ منورہ میں بہت تھوڑی تعداد پر نواب شاہ جہاں بیگم نے جاری کیا تھا ——— ہندوستانی مہاجرین اور مقیمین حرمین شریفین کی ان وسائل سے عموماً پرورش ہوتی تھی۔"

پھر نقش حیات ص۸۳ پر رقمطراز ہیں:۔

"خلاصہ کلام یہ کہ ۱۳۲۰ھ میں بعض کرم فرماؤں کی عنایت و توجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم کے لیے پندرہ بیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ دعا گوئی بھوپال کے مقرر ہو گیا جس سے بڑی ڈھارس پیدا ہو گئی، نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ کی آمد پر لوگوں نے ان کو ختم بنانے کی ترغیب دی چنانچہ انہوں نے دس بارہ آدمیوں کو بخاری شریف روزانہ پڑھنے اور دعا کرنے کے لیے مقرر کیا، ان میں کچھ لوگ اہل مدینہ

تھے اور کچھ ہندوستانی۔ ہندوستانیوں میں بڑے بھائی صاحب کا اور میرا نام بھی تھا اور کچھ عرصہ بعد بھائی سید احمد کا نام بھی آگیا ہر شخص کو دس دس روپے ماہوار مقرر کیا گیا تھا۔"

پھر فرماتے ہیں شیخ جواد کی درخواست پہ مجھے خط وکتابت کے لیے رکھ لیا گیا اور پوری تنخواہ للعہ ۲۴ ماہوار مقرر کر دی گئی۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"نواب بہاولپور مرحوم بھی بسلسلہ زیارت حرمین و حج تشریف لے گئے تو مولانا رحیم بخش صاحب جو مولانا گنگوہیؒ صاحب کے متوسلین میں سے تھے اور ریاست کے کاموں میں بہت دخیل تھے کی معرفت دس روپے ماہوار وظیفہ میرا مقرر ہو گیا۔"

مولانا بٹالوی صاحبؒ

کا بھی یہی حال ہے انہوں نے کہیں نہیں لکھا کہ جہاد حرام ہے ہاں انہوں نے شرائط جہاد پر رسالہ لکھا انگریز کو دھوکا دیا بچ بھی گئے اور تحریک کے ساتھ بھی رہے جیسے آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔

منکرین حدیث

آپ نے یہ بھی طعنہ دیا ہے کہ منکرین حدیث بھی اس نامراد گروہ کی شاخ ہے پتہ نہیں لکھتے وقت آپ باپ بیٹوں کو خوفِ خدا کیوں محسوس نہیں ہوتا جو اہلحدیث کہلاتا ہے وہ منکر حدیث کیسے بن سکتا ہے منکرِ حدیث تو کہتے ہی اس کو ہیں جو حدیث کا انکار کرے۔

آپ اہلحدیث کہلانا پسند نہیں کرتے حدیث کی طرف نسبت جو خدا کے کلام اور فرمانِ مصطفےٰ کا نام ہے آپ کو مرغوب نہیں اس لیے آپ حنفی کہلاتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کتنے بھی بلند مرتبہ ہوں وہ حضورؐ کے اُمتی تھے اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ مقام نبوت اور نبی مرسل کے مقام سے نیچے نہیں گرا سکتے آپ کو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نسبت سے نفرت اور اُمتی کی طرف نسبت بہت پسند ہے جس طرح شیعہ رسول کا کبھی نام نہیں

لیتے اور آلِ رسول کا نام حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں اور آلِ رسول کی طرف منسوبات پر ان کا ایمان ہے انہوں نے کبھی بھی فرمانِ رسول تلاش کرنے کی زحمت نہیں کی۔

اسی طرح آپ بھی کتاب و سنت کا نام نہیں لیتے اور فقہ کی مالا جپتے رہتے ہیں جو اول و آخر ایک غیر معصوم اُمتی کا کلام ہے۔ آپ دوسروں کو طعنے دینے سے پہلے اپنا مقام ملاحظہ فرمائیں کہیں قیامت کے دن آپ کو یہ کہنا نہ پڑے یا " لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا کاش میں رسول کے ساتھ اس کی بنائی ہوئی راہ پر چلتا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آپ نے خدا اور رسول کے فرامین سے انکار کے لیے جو طریقے نکال رکھے ہیں منکرین حدیث کے فلک کو بھی اس کی خبر نہیں وہ تو صرف حدیث کے خلاف تھے آپ نے تو قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر دیا آپ کے علامہ کرخی فرماتے ہیں:

" الاصل ان کل آیتہ تخالف اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل من جھتہ التوفیق"

" اصول یہ ہے کہ جو آیت ہمارے اصحاب (ائمہ احناف) کے قول کے خلاف ہوگی اس کو منسوخ سمجھا جائے گا یا اس میں ترجیح دی جائے گی۔"

(تاسیس النظر اصول کرخی ص۲۶)

یعنی ائمہ کرام کے مقابلے میں قرآن کی آیت کو منسوخ سمجھا جائے گا یا اس کی تاویل کی جائے گی مگر ائمہ کے قول کو رد نہیں کیا جائے گا۔ کیا یہ انکار قرآن نہیں اور کسی کو جرأت نہیں کہ اس گندے اصول سے انکار کر دے اس طرح حدیث سے انکار کی راہ بھی کھول دی گئی فرماتے ہیں:

" الاصل ان کل خبر یجئی خلاف قول اصحابنا یحمل علی النسخ او علی انہ معارض بمثلہ ثم صار الی دلیل آخر او ترجیح

" اصول یہ ہے کہ جو حدیث ہمارے اصحاب کے خلاف ملے گی اس کو منسوخ سمجھا جائے گا یا اس کو معارض سمجھا جائے گا یا ایسی دلیل تلاش کی جائے گی جس سے

فيه بما يحتج به اصحابنا	ہمارے بزرگ دلیل پکڑتے ہیں اور
من وجوه الترجيح ؟	اس کو ترجیح دی جائے گی۔

(اصول کرخی ص۲۶) (تاسیس النظر)

آپ ہی انصاف فرمائیں کیا یہ انکارِ حدیث نہیں کہ ائمہ کرام کے مقابلے میں حدیث کو منسوخ سمجھا جائے گا یا اُسے معارض سمجھا جائے گا اور حدیث کی تاویل کر کے اپنے ائمہ کے اقوال کو ترجیح دی جائے گی۔

صحابہ کرام کی بے حرمتی اور استخفاف

خدا اور رسول کے فرامین سے انکار کی راہ ہموار کرنے کے بعد ان صحابہ کرام کی حیثیت خراب کر دی گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں جنہوں نے مجلس رسول اختیار کی ان کے فرامین اور اعمال پر خود عمل کیا اور لوگوں تک پہنچایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو ہمہ وقت حضور کے پاس حاضر رہتے تھے اور ان کی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی ذات پر حملہ کر دیا گیا تا کہ ان کی بیان کردہ احادیث سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے۔ نور الانوار کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"وان عرف بالعدالة والضبط	"اگر کوئی راوی جو عدالت اور حفظ و ضبط
ان الفقه كانس و ابوهريره	حدیث میں تو مشہور و معروف ہو
وان وافق حديثه بالقياس	مگر فقہ حدیث میں اس قدر مشہور نہیں
عمل به وان خالفه لم يترك	جیسے انس اور ابی ہریرہ تو ایسے
الا بالضرورة وهى انه لو عمل	راویوں (صحابیوں) کی بیان کردہ
بالحديث لا ينفيد باب الرای	حدیث کے عمل کرنے یا نہ کرنے کے
من كل وجه فيكون مخالفا	متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر ایسے راوی
لقوله تعالى فاعتبروا يا اولى	کی بیان کردہ حدیث قیاس مجتہد کے
الابصار والراوی فرض انه	موافق ہو تو یقیناً وہ حدیث قابل عمل

غیر فقیہ والنقل بالمعنی کان فیھم فلعل الراوی نقل الحدیث بالمعنی علیٰ حسب فہمہ واخطاء ولم یدرک مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلھذا کان مخالفاً فلقیاس وھذا لیس انہ وراء بابی ھریرۃ واستخفاف بہ معاذ الدیل بیاناً لنکتۃ فی فی ھذا المقام فتبنہ ؛ (نورالانوار ص۱۷۷)

ہوئی اور اگر ایسے راوی (صحابی) کی بیان کردہ حدیث خلاف قیاس ہو پھر بھی اسے ضرور ترک چھوڑا جائے گا اور ضرورت یہ ہے کہ اگر اس طرح ہر حدیث پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ہر طرح سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور خدا کے اس فرمان کے خلاف ہوگا۔ اے بصیرت والو عبرت حاصل کرو۔ اور یہاں فرض کرو کہ راوی سمجھدار نہیں اور اس نے اپنے سمجھ کے مطابق روایت بالمعنی نقل کی ہے اور غلطی کھائی ہو اور نبی صلعم کی بات نہ سمجھ سکا ہو اور اس طرح اس کی حدیث قیاس کے خلاف ہو اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کی توہین اور استخفاف مقصد نہیں بلکہ یہ ایک نکتے کی بات ہے" (نورالانوار ص۱۷۷)

حضرت ابوہریرہؓ جو کثیر الروایات صحابی رسول تھے ان کی احادیث سے جان بچانے کے لیے ان کی توہین تک سے دریغ نہیں انہیں کم فہم بے سمجھ کہہ دیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور کسی کو رتی بھر شرم نہیں آئی کہ اصحاب رسول کے متعلق یہ کیا بکواس ہے۔ آپ نے فرمایا: اتقوا اللہ فی اصحابی۔ میرے صحابہ کی توہین سے بچتے رہنا اور خدا سے ڈرنا۔

مگر تم تو اس سے بے پرواہ ہو۔

ملا جیون حنفی نے مزید فرمایا:

جہالت کی چند اقسام ہیں ان میں سے ایک جہالت وہ ہے جس کا قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ اس قسم کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ۔ امام

شافعیؒ اور امام داؤد ظاہری جیسے محدث کو شمار کیا یہ ایسے مجرم ہیں جن کا قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ اور یہ ہمارے اسلاف نے کہا ہے جس کی ہم جرأت نہیں پاتے (نور الانوار ص۲۹۸ عربی)

علمائے دیوبند ان اصولوں پہ کاربند ہیں

یہ اصول بیان ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ یہ کہیں کہ یہ فقہ کے غیر مفتیٰ بہا اصول ہیں میں آپ کو آپ کے اکابرین کی مجلس میں لیے چلتا ہوں حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی فرماتے ہیں:

"فالحاصل ان مسئلۃ الخیار من البیع من المسائل خالف ابو حنیفۃ الجمہور وکثیرا من الناس من المتقدمین والمتاخرین صنفوا الرسائل وتردید من ھبہ فی ھذا المسائل ورجح مولانا شاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی قدس سرہ فی رسائل مذہب شافعی من جہۃ الاحادیث والنصوص وکذالک شیخنا مدظلہ ترجیح مذھبہ وقال الحق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی ھذا المسئلۃ ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا

حاصل کلام یہ ہے کہ مسئلہ بیع خیار بڑے اہم مسائل میں سے ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے اس میں جمہور اور اکثر متقدمین اور متاخرین کی مخالفت کی ہے انہوں نے امام صاحبؒ کے مذہب کے ان مسائل کے خلاف رسالے لکھے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رسالوں میں امام شافعی کے مذہب کو احادیث اور نصوص کے لحاظ سے ترجیح دی ہے اسی طرح ہمارے شیخ نے بھی ان کے مذہب کو ترجیح دی اور کہا ہے کہ حق و انصاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے مذہب کو اس مسئلہ میں ترجیح حاصل ہے لیکن ہم مقلد ہیں اس لیے ہم پر اپنے

ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ" امام کی تقلید واجب ہے۔
فرمائیے کیا قرآن وحدیث پر ایمان کا یہی مفہوم ہے جو آپ کے اکابرین نے سمجھا ہے ایک طرف نص قطعی موجود ہو اس کا انکار اور تاویل بھی ممکن نہ ہو اس کو دُرست سمجھتے ہوئے آپ کے اکابرین اس لیے انکار کر دیں کہ ہمارے امام کا مذہب ان سے متصادم ہے کیا اُمتی کی رسول پر ترجیح نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص

صحابی رسول سے عراقیوں کی ایک جماعت نے کسی حدیث کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا:

" ان من اھل العراق قوما یکذبون ولیسخرون ۔" (طبقات ابن سعد ج ۱۳ / ۹)

عراقیوں کی ایک قوم جھوٹ بولتی ہے اور حدیث رسول کا مذاق اڑاتی ہے۔

" قال طاؤس اذا حدثك العراقی مائۃ حدیث فاطرح تسعۃ و تسعین ۔"

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں اگر کوئی عراقی سو حدیث بیان کرے تو ننانوے پھینک دو (تدریب ص۸۵)

قال ھشام بن عروۃ اذا حدثك العراقی بالف حدیث فالق تسعمائۃ وتسعین وکن من الباقی فی شك ۔" (تدریب ص۸۵)

ہشام بن عروہ بیان فرماتے ہیں اگر کوئی عراقی ایک ہزار حدیث بیان کرے تو سو ننانوے کو مسترد کر دے اور باقی بھی مشکوک سمجھ۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں:

لا یعتمد علی الاحادیث المنقولۃ فیھا اعتماداً کلیا ولا یجزم بورودھا

کتب فقہ میں مذکور احادیث پر اعتماد اور یقین نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ

ثبوتها فظلها بمجرد وقوعها فيها فكم من احاديث ذكرت في الكتب المعتبرة وهي موضوعة ـ"	فقہاء نے اپنی کتب میں ان کا تذکرہ کیا ہے کتنی ہی حدیثیں فقہ کی معتبر کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں مگر وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہیں۔

(عمدۃ الرعایہ ص ۱۳)

فقہا اپنی کتابوں میں احادیث کی سند کبھی ذکر نہیں کرتے تاکہ پتہ نہ چل جائے کہ یہ سچی ہے یا جھوٹی۔

آپ کے ابو جان تو ماشاء اللہ کیا کہنے جتنے سب فقہاء نے داؤ پیچ مارے ہیں وہ سب ان کو حفظ ہیں اور اس فن میں وہ غیر مقلد بلکہ مجتہد مطلق ہیں کسی بھی حدیث پر خامہ فرسائی کرنے لگیں تو ستیاناس کر دیں۔

ان کو تو ایسے ایسے گر یاد ہیں کہ جس حدیث کا چاہیں انکار کر دیں اس کے لیے دلائل مہیا کر سکتے ہیں اور کتنی بھی جھوٹی اور بے سر و پا حدیث ہو اس کو سچا کرنے کے لیے دلائل مہیا کر سکتے ہیں۔

اور اگر چاہیں تو ایک ہی حدیث کو وہ سچا ثابت کریں اور ضرورت ہو تو اسی کو جھوٹا ثابت کر دیں۔

یہ الزام تراشی نہیں امر واقع ہے

ملاحظہ فرمائیں :۔

پہلا تضاد مولانا سرفراز صاحب فرماتے ہیں حضورؐ کے قبر میں دفن ہونے کے بعد جب کوئی انسان درود پڑھتا ہے تو وہ حضور کے سامنے پیش کیا جاتا ہے (قبر میں) اپنی کتاب "تسکین صدور" ط ۲ ص ۲۹۹ میں بحوالہ ابوداؤد ج ۱ ص ۵۰ دارمی ص ۱۹۵ نسائی جلد ۱ ص ۱۵۲ مستدرک حاکم

ج ۱ ص ۲۷۸ ج ۲ ص ۵۶۰ موارد الظمآن ص ۱۴۶ ابن ماجہ ص ۷۷ سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶ - اپنی اس کتاب میں ذکر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں -

۱ - جسد مبارک کا اپنی دنیاوی حالت میں برقرار رہنا -

۲ - عود روح اور قیامت تک کے لیے آپ کا مدینہ والی قبر میں زندہ رہنا

۳ - اعمال کا پیش کیا جانا خاص طور پر جمعہ کے دن -

نوٹ : اس روایت میں ابن تمیم راوی ضعیف ہے جسے امام بخاریؒ اور حاکم نے ضعیف کہا تاریخ کبیر، تاریخ صغیر، علل الحدیث اور کتاب الجرح و التعدیل میں اس کو ضعیف کہا گیا ہے -

نیز یہ قرآن کے بھی خلاف ہے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوچھے گا کہ تمہاری اُمت نے تمہیں کس طرح مانا وہ فرمائیں گے فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم مجھے کیا پتہ، جب تو نے مجھے فوت کیا پھر تجھے ہی معلوم ہے کہ وہ کیا کرتے رہے -

علاوہ ازیں تمام انبیاء سے پوچھا جائے گا ماذا اجبتم وہ کہیں گے لا علم لنا - ہمیں اپنی اُمت کے حالات کی کچھ خبر نہیں -

مگر مولانا نے اس مجروح حدیث سے تین مسائل ثابت کر دیے -

اس کے برعکس | اپنی کتاب آنکھوں کی ٹھنڈک ۳ر رجب ۱۳۶۸ھ بمطابق ۲۰ر مئی ۱۹۴۹ء و ط ۲ ۱۰ر ذی قعد ۱۳۷۴ھ

مطابق یکم جولائی ۱۹۵۵ء میں محترم بریلویوں کے خلاف لکھتے ہیں :

رہی عرض اعمال کی بحث تو ہم اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ رہے ہیں سردست یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس کی کوئی سند بھی صحیح نہیں اور جن محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے وہ اتنے متساہل ہیں کہ ان کی بات اصول حدیث کے تحت قابل قبول ہی نہیں - احمد رضا خاں بریلوی کی اصطلاح میں خبر واحد قرآن

کے مقابلہ میں پیش کرنا ہرزہ بافی ہے۔
چونکہ اس آیت میں تمام رسولوں کو جمع کر کے سوال کرنے کا ذکر ہے جس میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں اور چونکہ مجموعی اُمت کے لحاظ سے سوال ہوگا اس لیے تمام پیغمبر اس سے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا بریلویوں کے مقابلہ میں ایسا تمام ذخیرہ احادیث ناقابل قبول ہے اور حیات النبی کے مسئلہ میں تمام دیوبندیوں کے مقابلہ میں انہی احادیث سے استنباط حیات اگر یہ سارا ذخیرہ ضعیف اور ناقابل قبول ہے تو اسے صحیح اور سچا کہنا کتنا بڑا جرم ہے اور بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا شخص جہنمی ہے (من کذب علیّ متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار) مگر مولانا کو نہ خدا کا خوف نہ حشر کا ڈر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام باندھتے ہیں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے میری دُعا ہے کہ اللہ انہیں موت سے پہلے رجوع کرنے کی توفیق دے۔

دُوسرا تضاد مولانا احسن الکلام ج ۲ ص۱۲۷ ط ۲ میں لکھا ہے:
انهم متفقون علیٰ انه لا یحتج بالضعیف فی الاحکام ، کہ ضعیف حدیث سے احکام میں دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

دوسری طرف عبدالہادی نے ہیثم طائی کے متعلق جرح کی تو مولانا سرفراز صاحب نے تسکین الصدور ص۵۶ ط ۲ میں کہا کہ "علامہ ابن الہادی کا اس کو قطعًا موضوع کہنا صرف ہوائی فیر ہے ان کو اس کا حق کیسے اور کہاں حاصل ہوا کہ وہ قطعیت کے ساتھ اس حدیث کو جس کی سند میں یہ راوی ہے موضوع کہیں" یعنی ضعیف حدیث کے متعلق ان کا فیصلہ ہے کہ حجت نہیں مگر موضوع حدیث سے دلیل پکڑنے کیلئے زور لگا رہے ہیں۔

تیسرا تضاد ایک راوی محمد بن اسحاق ہیں جن پر مولانا نے احسن الکلام میں جرح فرمائی اور پورا زور لگا دیا کہ راوی کذاب اور دجال

ہے۔ (احسن الکلام صنے ج ۲)

امام بخاریؒ نے محمد بن اسحٰق کو ثقہ کہا مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے کذاب اور دجال کے بارے میں امام بخاری کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے۔

امام شعبہؒ نے اسے ثقہ کہا تو فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کو ائمہ جرح و تعدیل نے کذاب و دجال تک کہا تو شعبہ کے امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہوسکتی ہے صے۲

احناف نے بعض مسائل میں محمد بن اسحٰق کی بیان کردہ احادیث سے استدلال کیا اس کے جواب میں فرماتے ہیں محمد بن اسحٰق جیسے ضعیف اور کمزور راوی کی روایت کو احناف نے دلیل بنایا ہے تو غلطی کی ہے۔

تحدیث محمد بن اسحٰق کی تحدیث کے متعلق فرماتے محمد بن اسحٰق ثقہ ہوتا تو اس کی تحدیث سے تدلیس کا شبہ جاتا رہتا مگر وہ تو پرلے درجے کا ضعیف اور کمزور اور متروک ہے لہٰذا وہ تحدیث بھی کرے تو اس کی کون سنتا ہے۔

مگر اس کے برعکس حیات النبی پر استدلال کرتے وقت تسکین الصدور ط ۲ صے۳۲۹ ایک حدیث مستدرک حاکم ج ۲ صے۵۹۵ سے نقل فرمائی جس کی سند میں محمد بن اسحٰق موجود ہے پہلی غلط بیانی تو یہ کی کہ مسند احمد کا حوالہ دے دیا مگر مسند احمد میں یہ حدیث بالکل موجود نہیں دوسری مداہنت یہ کی کہ سند کا ذکر چھوڑ دیا اور اس محمد بن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث سے جس کو دجال اور کذاب کہا تھا مسئلہ حیات النبی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہ آپ کے دالد کا کمال ہے کہ جرح کی تو محمد بن اسحٰق کا ستیاناس کر دیا اور ضرورت پڑی تو عقیدہ حیات النبی پر اس

سے استدلال کر لیا۔ پتہ نہیں یہ دیانت کی کونسی قسم ہے۔

چوتھا تضاد

مولانا سرفراز صاحب تسکین الصدور ط ۲ ص۱۰۲ پر فرماتے ہیں کہ راوی شیعہ ہونا لغیر داعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی حرج نہیں۔

اس کے برخلاف تنقید متین ص۸۸ میں عبدالرزاق کے بارے میں لکھ دیا کہ عبدالرزاق چونکہ شیعہ ہے اگرچہ غالی نہیں لہٰذا بریلویوں کا احتجاج اس سے درست نہیں۔

اور پھر اسی کتاب کے ص۹۸ پر اسی شیعہ کو الحافظ الکبیر بھی لکھ دیا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے — اور خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے

پانچواں تضاد

مولانا سرفراز صاحب تسکین الصدور ط ۲ ص۳۱۸ پر عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج کی توثیق بیان فرماتے ہیں مشہور محدث امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ لکھتے ہیں کہ جب دو یا دو سے زیادہ راوی کوئی روایت کریں تو وہ جہالت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے وہ مجہول نہیں رہتا معروف ہو جاتا ہے۔

مگر اس کے برخلاف احسن الکلام ۹۱/۲ میں فرماتے ہیں:

امام ابن حبان اور دارقطنی کا توثیق الرجال کے متعلق مسلک جمہور محدثین سے الگ ہے دیگر محدثین وغیرہم کے نزدیک یہ توثیق مطلقاً غیر مقبول ہے وہ راوی مجہول اور مستور ہی رہتا ہے۔

تیری زلف میں آئی تو حسن ، کہلائی — وہ تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں ہے

چھٹا تضاد

مولانا تسکین الصدور ط ۲ ص۲۱۷ پر فرماتے ہیں علامہ ذہبی کو وہم ہوا۔

اور اس کے برخلاف احسن الکلام ج ۲ ص۹۶ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے رد میں فرماتے ہیں علامہ ذہبی جیسے ناقد فن رجال پر وہم کا الزام سنتا

یون ہے علما۔ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے علامہ ذہبی کو رواۃ اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور بعد میں آنے والے محدثین نے ان پر مکمل اعتماد کیا ہے ان پر بلا وجہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے۔

اپنے والد بزرگوار کی گلکاریاں آپ نے ملاحظہ فرمائیں جب وہ کرتب دکھانے لگتے ہیں تو ان کی پٹاری سے جو کچھ نکلتا ہے اس سے اپنے بیگانے اور بیگانے سرنگوں اور شرمندہ اور عرق انفعال میں غرق ہو جاتے ہیں۔

بہتان

تسکین الصدور ط ۱ صـ۱۸۴ پر ایک حدیث کہ جو میری قبر پر درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے (گویا بعد از وفات آپ نے فرمایا) اس حدیث کی سند پر بحث فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی سند علامہ ابن الہادی کے پیش نظر نہیں ورنہ وہ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

حالانکہ علامہ ابن الہادی سبکی کی کتاب شفاء السقام سے یہی حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں یہ حدیث من گھڑت ہے نہ یہ حدیث ابو ہریرہؓ نے فرمائی نہ ان کے شاگرد ابو صالح نے اور نہ اعمش نے الصارم المنکی صـ۱۹۰ (

ابن الہادی جس حدیث کو موضوع کہہ رہے ہیں اس کے متعلق اس سے سکوت اور عدم تضعیف بتا رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں محمد بن مروان کذاب ہے اور بیسیوں محدثین نے اس پر جرح کی ہے مگر مولانا اس کی توثیق فرماتے چلے جاتے ہیں،

حالانکہ دل کا سرور صـ۱۶۱ پر فرماتے ہیں اکثر طبقہ ثالثہ کی احادیث فقہاء کے ہاں معمول بہ نہیں بلکہ اجماع ان کے خلاف منعقد ہو چکا ہے۔

اسی طرح راہِ سنت ص۱۷۳ پر فرماتے ہیں کہ قرآن خوانی کی روایات کتب احادیث میں اس طبقہ کی روایتیں ہیں جن کو محدثین قبول نہیں کرتے نہ عقیدہ میں نہ عمل میں۔

یکتمون الحق وھم یعلمون

جان بوجھ کر حق کو چھپانا یہود کی خصلت ہے مگر یہ عالم دین ہو کر ایسا کرتے ہیں اللہ سے دُعا ہے اللہ ان کو توبہ کی توفیق دے راویوں کی جرح وتعدیل میں ان کے متعلق کتابوں میں لکھے ہوئے تعارف اور تنقید میں بھی ہیرا پھیری کرتے ہیں اور اس طرح جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا بنا دیتے ہیں

(۱) زاذان

مولانا سرفراز صاحب نے تسکین الصدور ج۳۸، ص۱۸۱ پر ایک روایت ذکر فرمائی جس کا ایک راوی زاذان ہے۔ آپ نے اس کی تصحیح کی اور تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا مگر اس کتاب میں لکھے ہوئے الفاظ "کان یخطی کثیراً" کہ وہ اکثر غلطیاں کرتا تھا مولانا نے یہ جملہ کاٹ دیا اور غلطیاں کرنے والے راوی کو اپنے مطلب کے لیے صحیح بنا دیا۔

(۲) ابو معاویہ الضریر

اس کے متعلق مولانا نے لکھا کہ ابن معین فرماتے ہیں کہ (ابو معاویہ) امام اعمش سے روایت کرنے میں اثبت ہے یہی راوی امام احمد بن حنبل رح کا استاد ہے اور امام احمد بن حنبل رح فرماتے ہیں کہ وہ اکثر غلطیاں کرتا تھا اور اعمش سے حدیث بیان کرنے میں بھی وہ غلطی کرتا تھا مولانا نے کتاب العلل دیکھی جس میں امام احمد بن حنبل کی اپنے استاد کے متعلق رائے تحریر تھی وہ مولانا کے لیے موافق نہیں تھی اس لیے چھپا گئے (تسکین الصدور ط۲ ص۳۱۹)

(۳) مستلم بن سعید

مولانا تسکین الصدر ج ۲ صفحہ ۲۸۸ پر حوالہ دیتے ہوئے اس کے متعلق کہتے ہیں امام ابن حجر نے اس کو صدوق کہا ہے مگر اس کے بعد لکھے ہوئے الفاظ کھا گئے " عابد ربما وھم من التاسعتہ " کہ یہ عابد تھا یہ راویوں کے

نویں طبقے سے تعلق رکھتا ہے ———— اس کو وہم ہو جایا کرتا تھا یہ الفاظ چونکہ مولانا کو موافق نہ تھے اس لیے یہ لفظ کاٹ دیے۔ ایک نویں طبقے کے راوی کو جو وہمی تھا سچا بنا کر دکھا دیا۔

(۴) سوید بن سعید

مولانا احسن الکلام صفحہ ۱۹۴ پر سوید بن سعید کے متعلق فرماتے ہیں کہ صاحب حدیث اور صاحب حفظ تھے لیکن اصل کتاب میزان الاعتدال جہاں سے یہ حوالہ لیا گیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے:

لیکن یہ بوڑھا ہو گیا تھا اور اکثر دفعہ وہ باتیں جو حدیث میں نہیں ہوتی تھیں وہ بھی بیان کر دیتا تھا۔ یہ الفاظ چونکہ مولانا کے ذہن کے خلاف تھے اس لیے ان کو چھپا گئے۔

۵۔ محمد بن حازم

احسن الکلام صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں اگر امام جہر سے قرأت کرتا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے (احسن الکلام ج ا صفحہ ۲۳) اور اس کے بعد والے الفاظ مولانا نے چھپا لیے اور وہ یہ ہیں:

" اگر پڑھے تو سورت فاتحہ کو اس طرح پڑھے کہ امام کو خلجان نہ ہو اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر قول ہے۔" یعنی جس کام کو شاہ ولی اللہ

بہتر بتا رہے ہیں اس کے برخلاف ان کی عبارت سے مفہوم نکال لیا گیا یہ علمی دیانت ہے؟

محدثین کے متعلق زبان درازی

جب مولانا محدثینؒ کی رائے اپنے خلاف پاتے ہیں تو پھر مولانا ان اساطین علم کے متعلق بڑی نا مناسب زبان استعمال کرتے ہیں۔

امام ابن حجرؒ جو جرح و تعدیل کے امام ہیں اور ان کا نام تنقید رداۃ میں بہت بلند ہے اور ان کا فرمان سند کی حیثیت رکھتا ہے ان کے متعلق اپنی کتاب احسن الکلام ص۲۷ میں فرماتے ہیں حافظ ابن حجر نے نہایت رکیک اور ضعیف تاویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تاکہ محمد بن اسحٰق کو قابلِ اعتبار بنانے کی کوشش کامیاب ہو سکے مگر یہ سب کوشش بے کار اور کالعدم ہے۔

نور الصباح جس کا مصنف حافظ حبیب اللہ ڈیروی ظاہر کیا گیا ہے جو ان کے مدرسے نصرت العلوم میں استاد ہے ان کا آموختہ ہے وہ بھی حافظ ابن حجر کی غلطیاں نکالنے بیٹھ گیا ہے اور نور الصباح ص۳۳ پر لکھتا ہے امام ابن حجر کی عبارت میں تین بڑی غلطیاں ہیں پھر ص۳۷ پر لکھتا ہے حافظ ابن حجر کی عبارت میں ایک اور غلطی۔

پھر ص۶۶ پر فرمایا۔ امام شافعی کی مدح میں تو حافظ ابن حجر موضوع حدیث بیان کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور پھر سکوت کر جاتے ہیں پتہ نہیں صحیح حدیث کو موضوع کیوں کہتے ہیں شاید ان کے امام کے مذہب کے خلاف ہے حافظ ابن حجر نے عبداللہ بن عمر کی حدیث بیان کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر تک رفع الیدین کرتے رہے حافظ ابن حجر نے یہ حدیث ذکر کر کے اس پر مہر سکوت لگا دی حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے معلوم نہیں حافظ ابن حجر

کے پاس حدیث پر پرکھنے کا کونسا آلہ ہے شاید یہی ہو کہ جو حدیث موضوع
ان کے امام کی مدح میں ہو اور ان کے مذہب کی تائید کرتی ہو تو وہاں بیان
کرنے کے بعد خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور جو حدیث ان کے مذہب کے
خلاف ہو اس پر کوئی نہ کوئی جرح کر ڈالتے ہیں۔

(۵) پھر ص۲۱۵ پر فرمایا حافظ ابن حجر پر بہت افسوس آتا ہے کہ وہ ضعیف
حدیث کے بارے میں رجالہ ثقات فرماتے ہیں۔

(۶) پھر ص۲۳ پر فرمایا حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور علامہ کشمیری کا نرا حسن ظن۔
جب مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری ان کے مطلب کی بات کہتے ہیں
تو فرماتے ہیں مولانا سید انور شاہ اور مولانا عثمانی لکیر کے فقیر نہ تھے بلکہ سید انور شاہ
صاحب کو رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی کہتے ہیں اور جب اپنے خلاف بات
آ گئی تو وہ صرف علامہ کشمیری رہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۷) ص۲۳ نور الصباح میں فرمایا علوم دینیہ کے بارے علم محیط کلی نہ تو
امام بخاریؒ کا ہے نہ حافظ ابن حجرؒ کا نہ علامہ کشمیریؒ وغیرہ کا۔

پتہ ہے یہ الفاظ کون لکھتا ہے حبیب اللہ ڈیروی اور یہ سیرت اس کو
مولانا سرفراز کی صحبت سے نصیب ہوئی کہ چاہے کتنا بڑا محدث ہو اس کے
متعلق زبان کھولتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی ان اساطین علم کے سامنے تمہاری
حیثیت کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حبیب اللہ ڈیروی ایسی جرأت نہیں کر
سکتا یہ تو ؎

جمال ہم نشین در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اس کی صورت دیکھو تو بیچارہ مسکین معلوم ہوتا ہے وہ کسی آدمی کے سامنے
گستاخی کی جرأت نہیں رکھتا چہ جائیکہ وہ ابن حجر کے متعلق ایسی بے ہودہ
گفتگو کرے یہ صرف اور صرف پیر مکھن کا کارنامہ ہے۔ جو ہمیشہ چھپ کر
وار کرنے کا عادی ہے۔

ورنہ حبیب اللہ ڈیروی کیا حیثیت رکھتا ہے اس کو تو ایک عام آدمی عبدالرشید انصاری نے میدان علم سے بھگا دیا ہے اس نے مولانا ڈیروی سے اس کی کتاب کے متعلق چھ سوال پوچھے مولوی ڈیروی صاحب نے قلت وقت کا بہانہ بنایا عدیم الفرصتی کے سبب جوابات سے معذرت چاہی تو اس نے فی سوال تین سو روپیہ عوضانہ دیا۔ ۱۸۰۰ سو روپے دے کر خط و کتابت کی وہ مولانا حبیب اللہ کو ۱۳ رجسٹریاں کر چکا ہے اور مولوی ڈیروی نو ماہ سے پیسے کھا کر خاموش ہے اور دونوں استاد شاگرد منقار زیر پر بیٹھے ہیں تم کو تو ایک عام آدمی کے جواب کی سکت نہیں امام حجر سے الجھنے کا کیا مطلب؟

تضاد مگر یہ نہ سمجھیں کہ امام ابن حجر کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں جب ضرورت پڑتی ہے تو ص۳۲ نور الصباح پر فرماتے ہیں اکابر محدثین جن میں حافظ ابن حجر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کی تقریب اور تہذیب التہذیب پر آج رواۃ کا دارومدار ہے۔ دیکھا آپ نے اب ان کی کتابوں پر تنقید رواۃ کا دارومدار ہو گیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

امام بخاریؒ کا استخفاف

امام بخاریؒ نے محمد بن اسحٰق کو ثقہ کہا ہے فرمایا ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاریؒ وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے۔ ص۵۵

امام شعبہؒ کا استخفاف

امام شعبہؒ نے بھی محمد بن اسحٰق کو ثقہ کہا ہے اس کے رد میں فرمایا کہ محمد بن اسحٰق کو ائمہ جرح و تعدیل کذاب اور دجال تک کہتے ہیں تو اس لا امام

شعبہ) کے امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہوسکتی ہے

امام بخاری کے متعلق مولانا سرفراز صاحب کا نظریہ

وسواس الشیطان علیٰ قلب ملا عبدالرحمٰن میں مولانا سرفراز صاحب فرماتے ہیں: کیا ان بزرگوں (امام بخاری) کی فاحش غلطی نہیں ہے۔ (الفاظ ملاحظہ فرمائیں مولانا سرفراز صاحب امام بخاریؒ کے متعلق استعمال کر رہے ہیں) جس سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں حسن قسم کی حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے حدیث صحیح ہونے کی شرط امام بخاری کے سوا کسی اور نے نہیں لگائی ان کا یہ نظریہ متقدمین و متاخرین کے خلاف ہے (مولانا سرفراز صاحب کے خیال میں امام بخاری کا یہ فرمان کہ صحیح حدیث پر عمل کرنا چاہیے بڑی فاحش غلطی ہے۔

امام ابو داؤد کے متعلق ان کا نظریہ

امام ابو داؤد کے متعلق اسی رسالہ میں فرمایا: امام ابو داؤد نے سجل والی حدیث کی تخریج کی ہے جس کو ابن قیم

ابن تیمیہ، ابن کثیرؒ نے موضوع کہا ہے یعنی یہ ایک قابل اعتراض حدیث بیان کرنے کی وجہ سے امام ابو داؤد کا سارا علم مشکوک ہوگیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق خیالات

اسی رسالہ کے صـ9 پر فرمایا مسند احمد میں علامہ عراقی نے ۱۹ اور امام ابن جوزی نے ۱۵ احادیث کو موضوع کہا ہے یعنی مسند احمد جیسی حدیث کی کتاب جس میں ہزاروں احادیث کا ذخیرہ محفوظ ہے اس ایک اعتراض کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے۔

امام مالکؒ کے متعلق

فرماتے ہیں امام مالک کے ستر مسئلے لیث بن سعد نے ایسے شمار کیے ہیں جو سنت نبوی کے مخالف ہیں صرف اس ایک اعتراض کی وجہ سے امام مالک کا

تمام ذخیرہ احادیث قابل اعتراض ٹھہرا۔

تمام محدثین کے متعلق یاوہ گوئی

اس رسالہ کے صفحہ ۲۰ پہ فرماتے ہیں حضرات محدثین کرام کی وہ جماعت جن کی کتابوں پر عالم اسباب میں مذہب اسلام کا دارومدار ہے ان "غلط کاروں" کے طبقہ سے آپ کیوں ہمنوا بن گئے نیز فرمایا ان محدثین کی غلطیوں کا قصہ خاصہ طویل ہے اسی رسالہ میں یہ بھی فرمایا کہ محدثین غلط کاروں کا جم غفیر ہے۔

احادیث کے متعلق سرفراز صاحب کا عقیدہ

اس رسالہ میں یہ بھی موجود ہے

"میں اس بات پر تعجب نہیں کرتا جو حدیث بیان کرے اور خطا کرے بلکہ اس بات پہ تعجب کرتا ہوں کہ جو حدیث بیان کرے اور غلطی نہ کرے۔"

یعنی ہر حدیث ان کی نظروں میں مشکوک ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مولانا کے خیالات مختصراً یوں سمجھیے کہ ان کی نظر میں امام بخاریؒ۔ امام ابن حجرؒ۔ امام ابوداؤدؒ۔ امام مالکؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ سبھی مطعون مجروح ہیں

دوسرے الفاظ میں ناقابل اعتماد ہیں اور محدثین غلط کاروں کا ایک جم غفیر ہے اور احادیث کا تمام ذخیرہ مشکوک ہے کیا کوئی منکر حدیث بھی اتنی جرأت کر سکتا ہے کیا شیخ الحدیثی اس کا نام ہے کہ فرامین رسول کو جھٹلانے اور مشکوک بنانے میں ساری عمر گزر جائے۔

کیا یہ رسول کے خلاف محاذ آرائی نہیں اور جس قدر ان کو حدیث سے بغض ہے اور جس قدر محنت انہوں نے حدیث اور ائمہ حدیث کو مشکوک بنانے میں کی ہے کوئی غیر مسلم بھی کر سکتا ہے پتہ نہیں ان کا رسول پہ ایمان بھی ہے کہ نہیں۔ چھوٹے میاں فرماتے ہیں: یہ مذہب تو غیر مقلدین

کا ہے کہ پہلے قرآن مانو پھر حدیث مانو پھر اجماع پہ غور کرو اور سب سے بعد تمام ائمہ کے قیاسات میں سے اقرب الی الکتاب والسنہ پہ عمل کرو ہم تو ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ بس فقہ پہ عمل کرو۔

مصدقہ مسلمات سے انکار کا ایک اور ڈھنگ

مسلمانوں کے نزدیک قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف کی احادیث سمجھی جاتی ہیں ان سے انکار کا ایک اور ڈھنگ نکالا ہے۔

نورالصباح کے مقدمہ میں ص۱۳ پہ فرماتے ہیں:

کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کہ حضرت رفع الیدین کیا کرتے تھے بخاری شریف اور مسلم شریف میں موجود ہے اور اس کے برخلاف ابوعوانہ اور مسند حمیدی میں موجود ہے کہ آپ رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے۔

لہٰذا دونوں احادیث میں تعارض ہو گیا اس لیے دونوں کو چھوڑ دو۔

اللہ اللہ کس قدر بھولے بھالے اور سادہ لوح ہیں بخاری شریف اور مسلم شریف کی احادیث جو پہلے طبقے سے تعلق رکھتی ان کے مقابلے میں مسند حمیدی اور ابوعوانہ کی احادیث پیش کی جارہی ہیں جو سب سے نچلے درجے کی کتابیں ہیں مولانا کو خوب معلوم ہے کہ جس کو فن حدیث سے ادنیٰ تعلق بھی ہے وہ یہ بات کہہ نہیں سکتا مگر ان کو اس سے کچھ غرض نہیں انہیں تو خبط سوار ہے کہ امام صاحب کے مذہب کے مطابق مواد تلاش کرتے ہیں اور کہیں ان کو تنکے کا سہارا بھی مل جائے وہ اسے پہاڑ بنا کر پیش کر دیتے ہیں انہیں بہرطور اپنے مسلک کی تائید کرنی ہے چاہے ان کے دلائل تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔

حالانکہ مسند حمیدی میں کوئی حدیث موجود نہیں مگر مسند حمیدی جب مولوی حبیب الرحمن اعظمی نے شائع کی تو اس حدیث کے متن میں تبدیلی

کر دی۔

اصل حدیث : رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین

خط کشیدہ الفاظ کو تبدیل کر کے فلا یرفع ولا بین السجدتین بنا دیا۔

اور یہی حال مسند ابوعوانہ کا ہے

وہ باب جس کے تحت یہ حدیث لکھی گئی ہے کہ رفع الیدین رکوع سے پہلے اور بعد میں نہیں کرنی چاہیے اس کا عنوان ہے۔

باب بیان رفع الیدین فی افتتاح الصلوۃ قبل التکبیر بحذاء منکبیہ وللرکوع ولرفع راسہ من الرکوع وانہ لا یرفع بین السجدتین۔

یہ باب ہے کہ رفع الیدین نماز شروع کرتے رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت حضور کرتے اور سجدوں کے مابین نہیں کرتے تھے۔

اس عنوان کا مطلب ہی یہ ہے کہ رفع الیدین کرنی چاہیے پھر اس کے تحت نہ کرنے کی حدیث کیسے آ سکتی ہے۔ مگر یار لوگوں نے گھپلا ڈال دیا۔

اصل الفاظ مندرجہ ذیل ہیں :

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما وقال بعضھم حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع۔ لا یرفعھما وقال بعضھم ولا یرفع بین السجدتین۔

یار لوگوں نے نشان (۔) اڑا دیا یرفعھما پہلی عبارت سے لگا دیا حالانکہ راوی کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ یہاں یا تو لفظ لا یرفعھما ہے اور یا لا یرفع ہے اور وہ معنی جو بنایا گیا ہے اس باب سے اخذ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

مگر مولانا سرفراز ان مشکوک احادیث کے مقابلہ میں بخاری اور مسلم کی صحیح احادیث چھوڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

مولانا سرفراز صاحب دن رات یہی سوچتے رہتے ہیں کہ کس طرح ان صحیح احادیث کو جو اُن کے خلاف ہیں مسترد کیا جائے۔

توقع

مولانا سرفراز کے ہم مسلک ایک دیوبندی مصنف ندائے حق فرماتے ہیں کہ مولوی سرفراز سے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی حدیث کو ثابت کرنے کے لیے وہ اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کر کے کسی پرانے چھاپہ خانہ کا نام لکھ کر چھپوا دیں کیا ایسے شخص کی دیانت اور امانت پہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

اور اس قدر ہیرا پھیری کے بعد الزام اہلحدیث پر کہ منکرین حدیث ان میں سے ہیں۔

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

حضرت اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں کہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کا سابقہ سربراہ فضل الرحمٰن جس نے قرآن و حدیث کا حلیہ بگاڑ دیا تھا اور پورے ملک میں اس کے خلاف احتجاج ہوا وہ مشہور دیوبندی عالم مولانا شہاب الدین لاہوری کا بیٹا تھا مولوی عمر عثمان (کراچی) کون ہے جو انکار حدیث کا سب سے بڑا مبلغ ہے یہ مشہور دیوبندی عالم اور مولانا تھانوی کے قریبی عزیز اور تربیت یافتہ مولانا عثمانی کا فرزند ارجمند ہے۔

مولانا جن مدارس میں آٹھ سال تک حدیث کے علاوہ تمام فنون پڑھائے جاتے ہوں اور ہر دفعہ حدیث کی تردید کی جاتی ہو اور آخری سال دورہ حدیث کے نام پر حدیث کی کتابوں سے بغیر سوچے سمجھے صرف قرأت کر کے تمسخر کیا جاتا ہے وہاں منکرین حدیث کے علاوہ اور کون پیدا ہو سکتا آپ تو صرف

یہ پڑھاتے ہیں کہ حدیث کو کیسے مسترد کیا جا سکتا ہے اور آپ نے اپنی اور اپنے شاگردوں کی عمریں صرف حدیث کی مخالفت میں برباد کر دی ہیں۔

تیسری تحریف

اس سے پہلے میں مسند حمیدی اور مسند ابو عوانہ کی احادیث میں تحریف کا ذکر کر آیا ہوں ایک تیسری حدیث ہے نماز تراویح کے سلسلہ میں حضرت حسن بصری سے ایک روایت جس کے الفاظ ۱۳۱۸ھ سے پہلے سب نسخوں میں یہ تھے ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین لیلۃ" (ابوداؤد شریف ص۶۱) مگر ابوداؤد علمائے دیوبند نے چھپوائی تو اس میں آخری لفظ "لیلۃ" کی جگہ "رکعۃ" کر دیا۔

چوتھی تحریف

احناف نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ ابن ماجہ میں ایک حدیث جس میں جابر جعفی ضعیف ہے اس کی اصل سند یہ ہے حدثنا علی بن محمد۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ۔ عن الحسن بن صالح عن جابر عن ابی الزبیر عن جابر راوی ہے۔ جابر جعفی جسے خود امام ابو حنیفہؒ کذاب کہتے ہیں مگر دیوبندی حضرات نے جابر عن ابی الزبیر کی جگہ عن جابر و ابی الزبیر کر دیا ہے تاکہ جابر کی متابعت ابی الزبیر سے ہو اور حدیث صحیح ثابت ہو سکے دیوبندی حضرات کے مطبوعہ نسخوں کے علاوہ کسی میں یہ تحریف موجود نہیں ابن ماجہ ص۶۱

پانچویں تحریف

صحیح بخاری کے محشی مولانا احمد علی سہارن پوری حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث جس میں لکھا تھا کہ جب میں (نبی صلعم) بلند آواز سے قرأت کروں تو فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو اس کی عبارت یہ ہے فلا تقرؤا بشیٔ من القرآن اذا جہرت الا بام القرآن۔ اس کو یوں بنا دیا۔

فلا تقرؤا بشیٔ من القرآن اذا جہر الامام بالقرآن۔

اور خط کشیدہ لفظ درمیان میں سے کاٹ کر اپنے مطلب کی حدیث بنا لی۔
(عون المعبود ج ۱ ص ۳۴۲)

بدطولیٰ اور اس سلسلے میں علمائے دیوبند بدطولیٰ رکھتے ہیں مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:
"کیا بتاؤں بھائی کمال ہو گیا جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ تو کچھ اور ہی تھا ہم (عامر عثمانی) نے پوچھا کیا مطلب ہوا؟ انہوں نے فرمایا میرے تقریباً پانچ سو صفحات بدل دیے گئے ہیں۔" مولانا عامر عثمانی فرماتے ہیں کہ اس حقیقت کو اور بھی اصحاب جانتے ہیں (تحریک جہاد ص ۱۰۶)
یہ کسی ایک آدمی کی کارگزاری نہیں بلکہ اس میں اکثر علمائے دیوبند ملوث ہیں۔

چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی

اور جن کے اکابر کو یہ عادت ہو اصاغر اس سے کیسے بچ سکتے ہیں چنانچہ یہی عادت حافظ عبدالحق بشیر تخم پیرتا ثیر کو وراثت میں والد صاحب سے ملی ہے علمی میدان میں تو وہ صفر ہیں انہوں نے تاریخ میں ہیرا پھیری کر کے اپنے اصلی فرزند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

پہلی ہیرا پھیری انہوں نے مرزا غلام احمد کو اہلحدیث ثابت کرنے کے لیے ایک حوالہ دیا جو رئیس قادیان ج ۲ ص ۱ پر مرقوم ہے مصنف رئیس قادیان لکھتے ہیں "میری دانست میں یہ شخص لامذہب معلوم ہوتا ہے" مگر مولوی عبدالحق صاحب نے اسے یوں بنا دیا "یہ شخص میری دانست میں غیر مقلد معلوم ہوتا ہے۔" (فتوی ص ۸)

دوسری ہیرا پھیری مولانا سید نذیر حسین صاحب کو بدنام کرنے کے لیے یہ جھوٹ بولا کہ سید نذیر حسین صاحب نے مرزا

صاحب کا نکاح علماء لدھیانہ کے فتوئے کفر کے ایک سال بعد پڑھا یا تھا۔ (فتویٰ ص۴۸)

حنفی دیوبندی مورخ مولوی رفیق دلاوری صاحب لکھتے ہیں کہ یہ نکاح سی وقت ہوا جب کہ علمائے امت نے ہنوز ارتداد کا فتوئے صادر نہیں کیا تھا اور مرزا صاحب بھی اپنے نہ ماننے والوں کے کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا تھا اور مرزا صاحب بھی اپنے ماننے والوں کے کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تھے (رئیس قادیان ج ۱ ص۸۶)

تیسری ہیرا پھیری

مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ علمائے لدھیانہ نے کفر کا فتویٰ مرزا صاحب کے نکاح سے ایک سال پیشتر دیا تھا (فتویٰ ۴۷)

مولانا رفیق دلاوری صاحب فرماتے ہیں:

جس روز مرزا قادیانی صاحب لدھیانہ میں قدم فرما ہوئے مولوی اسماعیل اور مولوی عبداللہ نے کتاب براہین احمدیہ کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے فتویٰ دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق اور خارج از اسلام ہے۔

عبدالقادر قادیانی اپنی کتاب حیات طیبہ میں لکھتا ہے "۷ نومبر ۱۸۸۴ء کو مسجد خواجہ میر داد کی مسجد میں یہ نکاح سید نذیر حسین صاحب نے پڑھایا (حیات طیبہ ص۶۶) یہی مورخ لکھتا ہے۔

"کہ مرزا صاحب ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ تشریف لے گئے (حیات طیبہ ص۹۲)

یعنی نکاح تو ہوا ۱۸۸۴ء میں اور فتویٰ صادر ہوا ۱۸۸۹ء میں مگر اس کو مولوی صاحب نے نکاح سے ایک سال پہلے لکھ کر یہ ثابت کیا کہ فتوئے ۱۸۸۳ء میں صادر ہوا تھا جو کہ بالکل جھوٹ ہے اس ہیرا پھیری سے اصل مقصد سید نذیر حسین صاحبؒ کو بدنام کرنا تھا۔

مگر یہ سب حوالے بھی غلط ہیں اور تخمیناً لکھے گئے ہیں کیوں کہ میاں صاحبؒ

تو مرزا کو اس سے بہت پہلے ہی کافر قرار دے چکے تھے یہ نکاح اس سے بھی پہلے کا ہے۔ کیونکہ کافر قرار دینے کے بعد نکاح پڑھنے کا کوئی مطلب نہیں میاں صاحب اپنے فتوے میں لکھتے ہیں کہ نہ ان سے دعوت کھاؤ نہ ان کو دعوت دو تو پھر وہ کفر کا فتوے دینے کے بعد کیسے نکاح پڑھانے کے لیے جا سکتے تھے۔

چوتھی ہیرا پھیری

عبدالحق صاحب فرماتے ہیں "مرزا قادیانی پہلے غیر مقلد تھا اور حوالہ دیا ہے "موج کوثر" ص۱۲ مگر موج کوثر میں یہ عبارت کہیں موجود نہیں۔

پانچویں ہیرا پھیری

عبدالحق بشیر صاحب لکھتے ہیں حافظ عنایت اللہ اثری صاحب حیات مسیح کے منکر تھے (فتویٰ ص۲) مگر حافظ صاحب اپنی کتاب آیات للسائلین ص۲۷ "یہود نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو اللہ نے ان کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا" حافظ صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف کئی کتابیں لکھی ہیں اور قطع الوتین تو اسی موضوع پہ لکھی ہوئی ہے۔

چھٹی ہیرا پھیری

مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے فتویٰ کفر سے رجوع کر لیا (فتویٰ ص۵۵)
اور اس کے جو حوالے دیے وہ مرزائیوں کی کتابوں سے دیے مگر رفیق دلاوری صاحب دیوبندی اپنی کتاب رئیس قادیان ص۱۳۳ ج۲ پہ فرماتے:
"مرزا نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے مرزائی ہونے کی پیشگوئی کی لیکن اس کی یہ پیشگوئی بھی غلط نکلی مولوی بٹالوی نے مرزائیت قبول کرنے کی بجائے الٹا اخیر وقت تک مرزائیت کے جسم پہ چرکے لگاتے رہے اور مرزا کے سینے پہ مونگ دلتے رہے تردید مرزائیت تو مولانا کا دن رات کا مشغلہ تھا غرض مرزا کی سینکڑوں دوسری پیشگوئیوں کی طرح یہ پیشگوئی بھی جھوٹی نکلی۔

ساتویں ہیرا پھیری

عبدالحق بشیر صاحب فرماتے ہیں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی تمام جماعت کی طرف سے یہ اعلان کر دیا کہ ہماری جماعت غیر مقلدین مرزا قادیانی کو کافر نہیں سمجھتی (فتویٰ ص۵۴)

یہ حوالہ آپ کو مولانا بٹالوی صاحب کی کسی کتاب سے نہیں ملے گا یہ محض جھوٹ اور الزام تراشی ہے۔

آٹھویں ہیرا پھیری

مولانا عبدالحق صاحب بشیر صاف لکھتے ہیں مولانا ثناء اللہ صاحب نے فرمایا "میرے استاد نے جھوٹ بولا ہے (فتویٰ ربانی ص۴۵) اور اس کے متعلق حوالہ یہ دیا کہ فیصلہ کہ میں یہ لکھا ہوا ہے:

مگر آپ پورا فیصلہ کہ پڑھ لیں آپ کو یہ الفاظ نہیں ملیں گے۔

نویں ہیرا پھیری

عبدالحق صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کے متبعین بسم اللہ بالجہر کے قائل تھے (فتویٰ ص۳۳) لیکن مرزا بشیر صاحب فرماتے ہیں:

میں نے حضرت صاحب کو کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا ان کا عمل وہی تھا جو میاں عبداللہ نے بیان کیا (سیرت المہدی ص۱۶۲ ج ۴)

دسویں ہیرا پھیری

عبدالحق صاحب فرماتے ہیں مرزا صاحب فرض نماز کے بعد دعا کو بدعت قرار دیتے تھے (فتویٰ صفحہ ۴۴)

مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ ہم دعا مانگنے سے تو منع نہیں کرتے اور ہم خود بھی دعا مانگتے ہیں (ملفوظات مرزا ص۴۴۳)

گیارہویں خیانت

عبدالحق بشیر کہتا ہے کہ مولوی عنایت اللہ اثری نے جامع مسجد اقصیٰ ربوہ میں تراویح پڑھائے

کی پیش کش کی ہے (فتویٰ ص۴۶) اور حوالہ دیا (الجسر البلیغ ص۱۲)
اول یہ کہ الجسر البلیغ میں یہ عبارت کہیں موجود نہیں یہ جھوٹ اور الزام ہے۔

پھر کہتا ہے کہ یہ پاکستان بن جانے کے بعد کی بات ہے علماء لدھیانہ کے فتویٰ کفر کے ساٹھ سال بعد غالباً تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے بعد کی۔ (فتویٰ ص۴۶)

اتنا بڑا جھوٹ کبھی شیطان کو بھی نہیں سوجھا ہوگا۔

۱۔ کتاب الجسر البلیغ ص۱۲ حافظ عنایت اللہ صاحب اثری لکھتے ہیں "اس کے بعد ایسے لوگوں کی اقتداء سے احتراز ہی کرتا رہا ہوں یہ لوگ اپنی تکفیر کے نیچے ماخوذ ہیں۔

۲۔ یہ کتاب دسمبر ۱۹۴۷ء میں چھپی اور ربوہ ۱۹۴۸ء میں بنا۔

۳۔ اور مسجد اقصیٰ مرزا ناصر کے دور ۱۹۶۵ء کے بعد ۱۹۶۸ء میں بنی۔

۴۔ ربوہ بننے سے پہلے حافظ صاحب کو ربوہ میں پہنچا دیا۔

ب۔ مسجد اقصیٰ ربوہ بننے سے پہلے وہاں تراویح پڑھانے کی پیشکش کرا دی۔

ج۔ کتاب ۲۱ سال مسجد اقصیٰ بننے سے پیشتر چھپی آپ نے مسجد بننے سے ۲۱ سال پیشتر حافظ صاحب کو وہاں پہنچا دیا۔

خداوندا ترے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

مولانا عبدالحق صاحب کی اصل نسلی اور مادری زبان جو انہوں نے ہم عقیدت مندوں کے لیے استعمال کی ہے

ہم مسکینوں نے نہ تو عبدالحق کے خلاف کوئی رسالہ لکھا ہے نہ ان کو کبھی گالی دی نہ

ہی آج کل کسی اہلحدیث نے گنگوہیؒ صاحب کے متعلق کچھ کہا ہے مگر نہ معلوم عبدالحق صاحب کو اس قدر غصہ کیوں ہے آنکھیں سرخ ہیں منہ سے جھاگ بہہ رہی ، بپھرے ہوئے ہیں دھاڑ رہے ہیں اور للکار رہے ہیں اور یہ پتہ نہیں وہ تواضع اور انکساری اور شرم و حیا اخلاق اور بردباری جو علماء سلف کا طرہ امتیاز تھا کہاں رخصت ہوگئی سچ بات ہے جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس سے ان کی ذات کو اتنا نقصان پہنچا ہے کہ جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے ان کی اخلاقی موت واقع ہوگئی ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اب ذرا حوصلہ کر کے علماء کی زبان ملاحظہ فرمائیں ۔

کلیجہ تھام کے بیٹھو

وہ فرماتے ہیں :

" حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ اہلحدیث کے ہر فرد کی زبان بے ہودہ اور قلم گستاخ ہے اور یہ ترک تقلید کا نتیجہ ہے ۔ نام نہاد مدعیان عمل بالحدیث کی گالیوں اور بیہودگیوں کا جواب دینا ضروری خیال نہیں کرتے ۔ شر انگیز رد یہ فقہ حنفیہ کے غیر مفتیٰ بہا اقوال میں قطع برید ۔ اس گروہ کی مبلغ سرگرمیاں ، سازش کے تحت چیلنج بازیوں کا بازار گرم ۔ شر انگیز تقریر میں اس گروہ کی گستاخانہ زبان ۔ بے ہودگی ۔ زبان درازی ۔ اخلاقی پستی ۔ حسد اور کینہ کا اظہار کیا ۔ اسی گروہ کے ہر کس و ناکس کا مزاج گستاخانہ انتہائی المناک اور شرمناک ۔ ان کے غلیظ بہتانات کہ شرافت اور دیانت سر پیٹ کر رہ جائے ۔ علمائے امت سے ناراضگی صلحائے امت سے بیزاری شہدائے آزادی کی تکفیر لچر اور بے ہودہ الزامات ۔ کہ شرافت اور انسانیت تلملا اٹھے ۔ دو گروہوں نے انگریزی اقتدار کی کوکھ سے جنم لیا فرنگی سامراج کی گود میں پرورش پائی سلطنت برطانیہ کے دارالسلام میں عہد شباب کو پہنچے اور ان کے سایہ شفقت میں زندگی بسر کی منکرین ختم

نبوت۔ منکرین حدیث۔ منکرین حیات النبی۔ نیچریت اور چکڑالویت سب اسی گروہ نامراد کی پیداوار ہیں جھوٹے اہلحدیث متبدعین۔ مخالفین سلف صالحین۔ ماجاء بہ الرسول سے جاہل۔ وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ اور روافض کے جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ زنادقہ منافقین کے اور مثل اہل تشیع دیکھو ملاحدہ نیچریہ جو کفار اور منافقین ہیں وہ بھی انہی کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہوئے اور ان کو گمراہ کر کے اپنا حصہ مفروض کامل اور وافی مثل شیطان لے لیا پھر ملاحدہ مرزائیہ قادیانیہ نکلے تو اس کے باب اور دہلیز اور مدخل سے اور جماعت کثیرہ کو منافق بنایا پھر ملاحدہ چکڑالویہ نکلے اور ایک خلق کو انہوں نے مرتد بنایا۔ ثناء اللہ خاتمۃ الملحدین نکلا تو وہ بھی انہی جہال الحدیث کے باب سے [۱] غیر مقلدین کے پیشوا نے حرمت جہاد پر ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھا گورنر چارلس کی طرف معنون اور منسوب کیا انگریزوں کے خلاف جہاد کو حرام قرار دے کر جن مسائل کو ائمہ نے کبھی استحباب اور سنن سے زیادہ اہمیت نہیں دی اس گروہ کی طرف سے ان مسائل پر فرائض و واجبات کا لیبل لگا کر ائمہ امت کی تکفیر اور تکذیب شروع کر دی۔ ائمہ محدثین و مفسرین پر شرک و بدعت کی تہمت رکھ کر اسلام کے دامن عفت و عصمت کی دھجیاں بکھیری گیئں

[۲] علمائے دیوبند نے فرنگی سامراج کی گمراہ کن سازش کو بے نقاب کیا اور ان فرنگی لیڈروں اور ان کے حاشیہ برداروں سے بچانے کے لیے تمام جید علمائے ہند و حجاز نے مشترکہ فتویٰ جاری کیا کہ مساجد میں فساد کرنے والے مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف سرگرمیاں جاری کرنے والے ان فسادی لوگوں کا داخلہ اہلسنت والجماعت کی مساجد میں بند کیا جائے کیونکہ یہ لوگ فساد مچانے والے اور گستاخ ہیں یہ انگریز کے ایجنٹ ہیں ان کا کام مساجد میں فساد پیدا

کرنے کے سوا کچھ نہیں انہوں نے اتحاد و ملت کو پارہ پارہ کیا اور معابد کو جھگڑوں کا اکھاڑہ بنا دیا اور آئے دن مساجد میں نت نئے جھگڑے پیدا کرتے رہتے ہیں پہلے یہ فتویٰ انتظام المساجد کے نام سے اور دوسری دفعہ جامع الشواہد کے نام سے شائع ہوا پھر ان کو اپنے آقایان ولی نعمت کا سہارا لینا پڑا فرنگی اقتدار کی چوکھٹ پر بہنے والے آنسو اور وفاداری کے سپاسنامے کام کر گئے ان کو دوبارہ مساجد میں گھس کر فساد کرنے کا موقع مل گیا ان نامراد گروہوں نے علمائے دیوبند کو تختہ مشق بنا رکھا۔

مرزا صاحب غیر مقلد تھے حکیم محمود صاحب توہین اور گستاخی کی تمام حدود پھلانگ غلام احمد قادیانی کا غیر مقلد ہونا اظہر من الشمس ہے [۲۶] یہ فرقہ انگریز نے اپنی ضرورت کے لیے پیدا کیا اس لیے اس کے ذمہ مختلف فروعی اختلافی مسائل لگا دیے مرزا صاحب مسلکاً غیر مقلد تھے۔ پورے ملک میں فتنہ برپا کر دیا مرزا غیر مقلدوں کی طرح فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ تراویح۔ بسم اللہ جہر۔ مسح جوربین۔ جمع بین الصلوٰتین سینے پہ ہاتھ باندھنا۔ قصر سفر۔ قنوت نازلہ۔ دُعا بعد از نماز۔ گوہ حلال۔ بٹالوی صاحب کا مرزا صاحب سے مقابلہ۔ مرزا صاحب کا اعتراف۔ نظریہ تقلید۔ مولوی ثناء اللہ تو ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور فٹ بال کھیلنے والوں کے لیے اس لیے اس کے جواز کا فتوے دیتے ہیں اکثر اہلحدیث احمدی ہوئے مرزا صاحب غیر مقلد تھے اور ان کا قارورہ میاں صاحب سے ملا ہوا تھا ان کو انگریزی حکومت سے شمس العلماء کا خطاب ملا ہوا تھا مرزا صاحب کے دعاوی قدیم ۱۸۹۰ء سے پہلے کے تمام دعوے بٹالوی صاحب کے مشورے سے طے پائے بے چاروں کو بیسیوں وفاداری کے سپاسنامے پیش کرنے پڑے۔

لاہور میں مناظرہ پر اصرار کی سمجھ تو کسی قدر آتی ہے کہ ممکن ہے مرزا صاحب کو بٹالوی صاحب مسجد چینیانوالی کے منتظمین اور لاہور کے غیر مقلدین سے امداد کی توقع ہو کہ وہ عین مناظرہ کے وقت ہلڑ بازی وغیرہ کے اپنے روایتی طریقے سے مرزا صاحب کی جان بخشی کرا دیں گے۔

ماشاء اللہ کس قدر پیاری زبان ہے

جو پیارے عبدالحق نے جماعت اہلحدیث کے متعلق استعمال فرمائی ہے۔

کس قدر شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث سے ان کو کتنا پیار ہے یہ کام انہوں نے محض اتحاد پیدا کرنے کے لیے کیا۔

ستوں چشم بد دُور ہیں آپ دیں کے نمونہ ہیں خلق رسولِ امیں کے

یہ رسیلی زبان ماشاء اللہ آپ کی اصلی اور نسلی زبان ہے اور مولانا سرفراز صاحب کی تربیت نے اس کو چار چاند لگا دیے ہیں اور مولانا اپنے اس بچے کی رس بھری زبان پر جتنا بھی ناز کریں تھوڑا ہے مولانا صاحب کے پاس جو بھی بیٹھ گیا اس کی فطرت بدل گئی انسانوں کے زمرے سے نکال کر اسے نفش عفرب عنایت فرما دیتے ہیں یہ دیکھو بھولا بھالا حبیب اللہ ڈیروی کتنی بھولی بھالی صورت منہ میں زبان نہیں اب آپ ان کی کتاب نور الصباح اُٹھا کر دیکھیں کسی اہلحدیث کا نام عزت سے نہیں لیا یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اُجڈ گنوار ہے جسے تمیز تک نہیں۔ چلو ہماری تو کوئی بات نہیں مگر ایں جناب نے امام بخاریؒ اور امام ابن حجرؒ تک کو نہیں بخشا اور وہ زبان استعمال کی ہے کہ الامان والحفیظ۔

مولانا کے شاگردان گرامی قدر نے ایک رسالہ غیر مقلدین کے ڈھول کا

پول لکھا جس کے مصنف ملک اعوان جانباز اور نصراللہ راشد ہیں اس رسالہ کی اخلاقی سطح کا اندازہ کرنے کے لیے صرف ایک حوالہ کافی ہے۔
منڈیالہ تیگہ کے اہلحدیث عالم نے کہا کہ فاتحہ نہ پڑھنا ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

مولانا جانباز صاحب فرماتے ہیں منہ مانگے انعام میں بہت کچھ آجاتا ہے اس لیے اپنے قریبی ہم سفر سے مشورہ کرلیں کہیں انعام دے کر پچھتانا نہ پڑے، جب علماء کی اخلاقی سطح اس قدر پست ہو جائے تو پھر ایسے داعیان اسلام کی وجہ سے اسلام سے نفرت کا سبب تو بن سکتے ہیں اور اسلام کو نقصان تو پہنچ سکتا ہے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

میرا گناہ

مولانا سرفراز صاحب نے ایک کتاب کا مقدمہ لکھا جس میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب کو ایک مناظرہ میں فرضی شکست دلوادی یہ کتاب مولانا احمد علی صاحب نے سپرد قلم کی تھی وہ سکول میں میرے عربی کے استاد تھے ان کی زبان کے متعلق میں نے یہ لکھ دیا کہ ان کی زبان پر سوقیت غالب تھی۔ مولانا عبدالحق کو طیش آگیا انہوں نے میرے متعلق لکھ دیا کہ گستاخی کی تمام حدود پھلانگ گیا ہے حالانکہ میں نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مولانا احمد علی کے جواہر پاروں کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

آئیے مولانا سرفراز صاحب کی پسند اور ذہنیت کی عکاس شخصیت کا تعارف کرادوں پھر آپ فیصلہ کریں کہ میں گستاخ ہوں یا نہیں۔

ہماری جماعت میں ایک صاحب محمد شفیع صاحب پڑھتے تھے جو ابھی تک بقید حیات ہیں انہوں نے کہا میں نے سبق بہت یاد کیا مگر بھول گیا ہوں مولانا فرمانے لگے تمہارا کوئی قصور نہیں عربی بڑی لیسدار چکنی ہوتی ہے کتنا بھی زور لگاؤ نکل جاتی ہے۔ تم بیندی پر پنکچر لگاؤ وہ بیچارا بہت شرمندہ ہوگیا۔

۲۔ ایک شاگرد نے کہا مجھے ٹڈیاں لگی ہوئی تھیں جس سے مجھے کمزوری

ہوگئی اس لیے سبق نہیں یاد کر سکا فرمانے لگے۔
تجھے دو چھوٹی چھوٹی ٹٹیوں سے کمزوری مجھے تو دو بڑے بڑے .... لگے ہوئے ہیں ان سے بہت طاقت ہوگئی ہے۔ وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

۳۔ عربی میں۔ ل۔ن۔ حروف عاطفہ میں مستعمل ہے جب مولانا یہ لفظ پڑھتے تو لڑکے ہنسنے لگے مولانا فرماتے کہ لندن اور برلن میں بھی یہ لفظ موجود ہوتے ہیں وہ تو بہت آسانی سے تمہارے اندر چلا جاتا ہے عربی کے اس ...... سے تمہیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔

۴۔ مہدی حسن صاحب اور سیرا ابھی زندہ موجود ہیں انہوں نے بتایا کہ میں نے مولانا کو چپ کرانے کے لیے ایک ترکیب سوچی ایک پان خریدا مولانا پان کے بہت شوقین تھے میں نے پان مولانا احمد علی صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے منہ میں ڈال لیا، مہدی حسن کہتے ہیں میں نے طنزاً کہا "میرے پان دا کتنا مزہ آیا۔" مولانا فی البدیہہ بولے "مفت نہ پان دیا کر ورنہ پھٹ......

علاوہ ازیں مولانا کے بے شمار لطائف موجود ہیں جن کو صفحہ قرطاس پہ نہیں لایا جا سکتا مذکورہ لطائف کو بیان کرنے والا خود خفت محسوس کرتا ہے اس لیے میں نے ان کا تذکرہ چھوڑ کر صرف اتنا کہا کہ ان کی زبان پہ سوقیت غالب تھی اس پہ مولانا عبدالحق صاحب نے فتویٰ لگا دیا کہ میں گستاخ ہوں اور یہ گستاخی ترک تقلید کا نتیجہ ہے میں مولانا سے سوال کرتا ہوں کیا یہ مولانا احمد علی صاحب بھی غیر مقلد تھے جو استاد یعنی باپ بن کر بچوں سے ایسی باتیں کرتے تھے۔

میں بتانا تو یہ چاہتا تھا کہ مولانا سرفراز صاحب کو اس قسم کے زبان دراز لوگ پسند ہیں اور ان کی تحریر کردہ کتاب چھپوا کر انہوں نے اپنی اخلاقی ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

ہم تو پیچ پیچ کے بھی لکھتے ہیں تو مطعون کیے جاتے ہیں
شرمندہ پراگندہ نزا ظلم سہے جاتے ہیں

کیا گستاخی ترک تقلید کا نتیجہ ہے

مولانا غیر مقلد بیچارے کیا گستاخی کریں گے آپ مقلدین کی شرافت کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں مولوی محمد حسن سنبھلی جو مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے فوائد حاشیہ شرح عقائد میں گل افشانی فرماتے ہیں:

"یہ ٹولہ (اہلحدیث) باغی حرام کمائی کرنے والا قنوجی خدا کا جسم ماننے والا فرعون کی امت سے ہے۔ خدا کو مخلوق سے تشبیہ دینے والا اپنی عورتوں کی زنا کی کمائی کھانے والا بدعات کا یاد مارنے والا کبھی آواز اور کبھی بغیر آواز کے ساتھ اور اماموں کی شان میں بدزبانی کرنے والے۔ (ص ۱۴۱)

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے:

اس ملت وہابیہ کے چار خلفاء ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ اور شوکانیؒ بمصداق تین چوتھا ان کا کتا ہے اور جب ابن حزم اور داؤد ظاہری کو ساتھ ملایا جائے تو چھ ہو جاتے ہیں اور بمصداق قرآن پانچ چھٹا ان کا کتا غیب کی ٹکلیں لگاتے ہیں اور خاتم المکلبین کی مثال کی طرح ہے اس پر وزن ڈالو تو بھی ہانپتا ہے اور نہ ڈالو پھر بھی ہانپتا ہے۔ (ص ۱۰۲)

مولانا حسین احمد مدنیؒ

اپنی کتاب شہاب ثاقب میں فرماتے ہیں:
"فتاوی رشیدیہ میں متعدد مقامات میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے طائفہ وہابیہ غیر مقلدین کو فاسق تحریر فرمایا ہے اور ان کی اقتداء کو مکروہ کہا کہ سلف صالحین و ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے فسق عائد ہوتا ہے۔

پھر ص ۶۶ پر اپنی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ السلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور

قرأت دلائل الخیرات قصیدہ بردہ قصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے استعمال کو قبیح جانتے ہیں۔

پھر صـ۶۲ پر فرماتے ہیں:

"ان جہلاء وہابیہ کے نزدیک معاذ اللہ زنا اور سرقہ کرنے والا اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا اور وہ اعلیٰ درجہ کے فساق و فجار سے وہ نفرت نہیں کرتے جو تمبا کو استعمال کرنے والوں سے کرتے ہیں۔"

مولانا مدنیؒ کو اس قدر غصہ کیوں آیا اس لیے کہ ان کے والد بزرگوار حقہ پیتے تھے نقشِ حیات صـ۸۹ پر فرماتے ہیں:

"والد صاحب مرحوم کو حقہ کی اس قدر عادت تھی کہ پاخانہ میں بھی حقہ لے کر جاتے تھے اور رات میں اُٹھ اُٹھ کر پیا کرتے تھے۔"

اس کتاب کے صـ۵ و ۶۵ و ۶۶ پر وہابیہ خبیثہ کے الفاظ سے نوازا گیا اس کے علاوہ صـ۶۲-۶۳ پر فرماتے ہیں:

"وہابیہ کسی امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ کی شان میں الفاظ واہیہ استعمال کرتے ہیں چنانچہ غیر مقلدین ہند اس طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔

مولانا شہاب ثاقب صـ۴۶ پر فرماتے ہیں:

"محمد بن عبدالوہاب کے عقائد و نظریات کا فاسد و باطل تھے اس لیے اس نے اہلسنت کو قتل کیا اور ان سے لڑا وہ ان کے مال کو چھیننا اور ان کو قتل کرنا موجب ثواب سمجھتا خاص طور پر اہل حجاز کو اس نے بہت ایذا دی سلف صالحین کو گالیاں دیتا تھا اور ان کی شان میں بے ادبی کرتا تھا بہت سے لوگ اس کے ہاتھ سے شہید ہوئے حاصل کلام یہ کہ وہ ظالم سفاک فاسق تھا اس لیے عرب اس سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ بغض رکھتے تھے۔

آپ اگر بُرا نہ محسوس کریں تو ایک حوالہ دے کر ختم کرتا ہوں۔

آپ کا مشہور فتویٰ جامع الشواہد ص۱۱ ملاحظہ فرمائیں۔

"عقائد اسی جماعت کے خلاف جمہور ہیں بدعتی ہونا ظاہر اور مثل تجسیم اور تحصیل چار سے زائد ازدواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف کا فسق کفر ثواب نماز اور نکاح اور ذبیحہ میں ان کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض کے ساتھ احتیاط چاہیے۔

دستخط: محمد یعقوب نانوتوی (شیخ الحدیث اوّل دارالعلوم دیوبند) رشید احمد گنگوہی؟۔ محمد محمود دیوبندی۔ محمود حسن عفی عنہ (شیخ الہندؒ) ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ۔

یہ کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان بتائیے کیا غیر مقلدین نے استعمال کی ہے جب آپ کے اکابرین اس سطح پر اتر آتے ہیں تو آپ کا کیا گلہ اور کیا افسوس آپ پھر اپنی تحریر دوبارہ پڑھیں۔

"ہمارا مذہب اور ہمارا اخلاق ہمارے لیے شرعًا اخلاقًا اور عرفًا گالی کا جواب گالی سے دینے کو روا نہیں رکھتا اور ہمارے اکابر کی روش اور روایات بھی گستاخانہ انداز تحریر بے ہودہ طرز تعلم اور فرقہ وارانہ اختلافی اور فروعی موضوع سخن اختیار کرنے کے معاملہ میں ہماری سرپرستی کرنے یا حوصلہ افزائی کرنے پر آمادہ نہیں۔

ایک مثال

اب اس پاکیزہ زبان کی شکایت کس سے کی جائے جس میں آپ لوگ ملوث ہیں۔

ایک لڑکا سر بازار ننگا کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا تھا لوگوں نے روکا وہ باز نہ آیا لوگوں نے کہا چلو اس کے باپ کے پاس شکایت کریں لوگ ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ اس کے والد بزرگوار صحن مکان میں کھڑے ہو کر آلہ بول ہاتھ میں تھامے گھوم گھوم کر پیشاب کی دھار سے دائرے بنا رہے تھے لوگ شرمندہ ہو کر واپس چلے آئے اب بتائیے آپ کے اس طرز عمل کی شکایت

کس سے کریں اس بدزبانی کا جواب ہم سے تو ممکن نہیں بس اس کی اللہ ہی سے شکایت کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں باقی الزامات کا جواب دے دیا کیونکہ اپنے مسلک کا دفاع اور اپنے بزرگوں کی صفائی پیش کرنا میرا فرض اور یہ میرے ذمہ فرض تھا جو میں نے اتار دیا ہے۔

دیوبندی مسلک

سچ بات تو یہ ہے کہ دیوبندی کوئی مسلک ہے نہ فرقہ بلکہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہیں۔

دیوبند تو ہندوستان کا ایک گاؤں ہے جو سہارن پور کے ضلع میں واقع ہے اس کا رقبہ کا مونکی گوجرانوالہ کے برابر ہوگا۔ ایک ہی لمبا بازار ہے جو اسٹیشن دارالعلوم تک چلا جاتا ہے۔

میں مولانا مسعود عالم ندوی کے اس خیال سے متفق ہوں جو انہوں نے انکار سندھی کے صفحہ ۲۴ پر رقم فرمایا ہے "کتاب وسنت کے علاوہ کسی امام یا حکیم کے مرتب کردہ فلسفہ وحکمت کو دعوت کی اساس بنانا اسلامی نقطہ نگاہ سے صحیح نہیں خواہ اس مخصوص فلسفہ کے اجزائے ترکیبی تعلیمات ربانی سے کیوں نہ ماخوذ ہوں تجدید کا بلا واصرف قرآن کریم اور اسوہ رسول صلعم کے نام پر ہونا چاہیے ورنہ اشخاص کے نام پر جو بھی تحریک اٹھائی جائے گی اس کا کتاب وسنت کی راہ سے ہٹ جانا ضروری ہے اور اگر وہ تحریک اس گھاٹی سے بھی صحیح وسالم بچ نکلے تو کم از کم ایک نئے فرقے کا ظہور یقینی ہے جو اپنی جگہ مستقل ایک فتنہ ہے۔

مدرسہ دیوبند گو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس کے متوسلین قرآن وسنت کی طرف توجہ کرانے کی بجائے اپنے اکابر کی طرف بلاتے ہیں اور ظاہر ہے ان کا کلام نہ قرآن ہے نہ حدیث اگرچہ ان کے نظریات ان سے ہی ماخوذ ہیں مگر بہرحال ان میں ان کی ذاتی سوچ اور طریق فکر کارفرما ہے۔

فرقہ بندی کی کوئی بُنیاد نہیں

اسلام کو دشمنوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جس قدر فرقہ بندی نے نقصان پہنچایا ہے۔

شیعہ اسلام میں تفرقہ پیدا کرنے والا پہلا فرقہ شیعہ ہے ابتدا میں یہ اختلاف سیاسی تھا مذہب سب کا ایک تھا حضرت حسینؓ کی بیوی آمنہ بنت میمونہ بنت ابوسفیان یزید کی بہن تھی۔

یزید کی بیوی ام محمد بنت زینب حضرت حسینؓ کی سگی بہن کی بیٹی تھی۔

ام حبیبہ یزید کی پھوپھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھی اور فاطمہ حضرت رسول اکرم کی بیٹی تھی اس طرح حضرت حسینؓ یزید کے بھانجے تھے اور حضرت فاطمہؓ اور یزید بہن بھائی تھے۔

شمر ام البنین کے بھائی تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھی۔

عمر بن سعد حضرت رسول صلعم کے ماموں زاد بھائی اور حضرت حسینؓ کا نانا تھا۔

عبید اللہ بن زیاد حضرت نبی اکرمؐ کی بیوی حضرت ام حبیبہ کا بھتیجا تھا اور رشتہ میں حضرت حسینؓ کا ماموں تھا۔ ان کا اختلاف آجکل کے سُنی شیعہ کی طرح نہ تھا آپس میں رشتے ناطے ہوتے تھے بلکہ شہادت حسین کے بعد ان کے آپس میں بارہ رشتے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ ان سب کا مذہب ایک تھا اور حضرت علیؓ نے "نہجتہ البلاغہ" میں فرمایا ہے کہ ہمارا خدا ایک ہمارا رسول ایک نہ تو وہ ہم سے ایمان میں بڑھ کر نہ ہم ان سے ایمان میں پیچھے ہمارا جھگڑا صرف حضرت عثمان رضؓ کے قصاص پر ہے۔

لیکن بعد میں آنے والوں نے اس اختلاف میں اس قدر تشدد پیدا کیا کہ شیعان علی ایک الگ مذہب بن گیا جس کی کوئی دلیل نہیں یہ سب حضور کے تابعدار تھے اور سنت رسول پر چلتے تھے اس تشدد اور تعصب کی بنا پر نہ صرف باہمی رشتے ناطے

ختم ہو گئے بلکہ یہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جانی دشمن بن گئے۔

۱۔ حسن طباطبائی نے تاتاریوں کو بلا کر خوارزم شاہ کی حکومت تباہ کرا دی۔

۲۔ ابن علقمی نے ہلاکو اور چنگیز خاں کی ذریت کو دعوت دے کر بغداد میں وہ قتل عام کرایا کہ دجلہ کا پانی کئی دن تک سرخ رہا بغداد کی علمی درسگاہوں کو مسمار کرایا کتابوں کو دریا میں بہا دیا گیا۔ کتابوں کی سیاہی سے دریا کا پانی مدت تک سیاہ رہا۔

۳۔ فاطمیوں نے سنیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔

۴۔ آصف خان نے نادر خاں کو دہلی بلایا اور قتل عام کرایا کہ ضرب المثل بن گیا۔:

"شامت اعمال ما صورت نادر گرفت"

۵۔ ملتان میں ابوالفتح داؤد نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

۶۔ رضیہ سلطانہ نے دلی کی جامع مسجد میں سنی مسلمانوں کو حالت نماز میں تہ تیغ کرایا۔

۷۔ نوابانِ اودھ نے ریاست میں سنی مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا۔

۸۔ میر جعفر نے بنگال میں غداری کر کے مسلمانوں کو زک پہنچائی۔

۹۔ میر صادق نے سلطان ٹیپو کو غداری کر کے مروا دیا اقبال اس کا نوحہ کرتا ہوا چلا گیا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن ! ننگِ عالم ننگِ دیں ننگِ وطن

۱۰۔ لبنان میں اٹھارہ شیعہ ممبران نے عیسائیوں کا ساتھ دیا اور حمائیل کو مسلمانوں کے مقابلے میں صدر بنایا اور پھر عیسائیوں کی مدد سے شیعہ امل ملیشیا بنائی جس نے فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں میں قتل عام کیا اور جب وہ بھی مقابلے میں آئے تو ان کا کھانا پانی بند کر دیا اور وہ حرام جانور اور انسانوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے مگر ان نام نہاد مسلمانوں کو نہ ترس آیا نہ شرم آئی اقوام متحدہ کی ہلالِ احمر کو بھی مدد نہ کرنے دی۔

۱۱۔ اور اب ایران پہ جنگ کا بھوت سوار ہے ایک طرف وہ عراق سے

دست و گریبان ہے اور دوسری طرف وہ پڑوسی اسلامی ممالک میں اپنا انقلاب برآمد کرنے کے لیے تخریب کار بھیج رہا ہے امریکہ اور اسرائیل کو گالی دیتا ہے مگر خفیہ طور پر ان سے ہی اسلحہ حاصل کرتا ہے اور تمام اسلحہ اسرائیل سپلائی کر رہا ہے تاکہ مسلمان ممالک لڑ لڑ کر کمزور ہو جائیں یہ جنگ صرف اسرائیل کے مفاد میں ہے۔

وہ کبھی کوئٹہ میں رضا کار بھیجتا ہے اور کبھی ڈیڑھ لاکھ رضا کار حاجی بنا کر سعودی عرب بھیجتا ہے اور یہ سب تعصب کا شاخسانہ ہے۔

ورنہ عیسائی اور یہودی ہم سب کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

یہی حال سُنّی مسلمانوں کا ہے انہوں نے بھی اسلام کو چار حصّوں میں بانٹ دیا ہے حنفی شافعی مالکی حنبلی ماضی میں جہاں ان میں سے کسی کو اقتدار حاصل ہوا اس نے باقی تینوں اماموں کے ماننے والوں کا ناطقہ بند کر دیا۔

انہوں نے خانہ کعبہ میں چار مصلّے بچھا دیے ایک امام کے ماننے والے نماز پڑھتے اور باقی تین مصلّے والے بیٹھے رہتے حالانکہ یہ سب اہل سنت کہلاتے تھے۔

وہابی، دیوبندی، بریلوی

اسی طرح وہابی، دیوبندی، بریلوی فرقے بھی بے بنیاد ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب کی وفات ۱۷۹۲ء میں ہوئی اس سے پہلے کوئی وہابی نہ تھا۔

دیوبند کا مدرسہ ۱۸۶۷ء میں بنا اس سے پہلے دیوبندی فرقے کا کہیں وجود نہ تھا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب ۱۹۱۱ء میں فوت ہوئے اس سے پہلے بریلوی کہیں موجود نہ تھے یہ سب فرقے جدید ہیں ان پر نجات کا دار و مدار نہیں۔

پھر ان میں سے ہر ہر فرقے کی کئی کئی پارٹیاں بن گئی ہیں اور مسجدیں جو اللہ کا گھر ہے ان کے دروازے کلمہ گو مسلمانوں پر بند کر دیئے گئے ہیں یہ کیا ہے یہ اللہ کا عذاب ہے۔

او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض ۔ کہ تم کو نافرمانی کی وجہ سے آپس میں ٹکرا دیا اور تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اور یہ فرقے بازی کا عذاب کیوں آیا کہ تم نے رسولِ خدا کا دامن چھوڑ کر امتیوں کا دامن پکڑ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے اور فرقے بن گئے۔

فرقہ بندی کی ہوا ایسی چلی گلشن میں ہائے ان موذیوں نے باغ اجاڑا اپنا

بلغارہ ایک وقت تھا نہ صرف تیس سال کے قلیل عرصے میں حضور کے ساتھیوں نے براعظم ایشیا، براعظم افریقہ، براعظم یورپ کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا نہ صرف ان پر حکومت کی بلکہ لوگوں کے دل جیت لیے اور جو جو علاقہ فتح کیا وہاں کے لوگوں نے جب اسلام کی برکات دیکھیں کہ یہ دنیا تو جنت ارضی بن گئی نہ چوری نہ یاری نہ ڈاکہ نہ قتل نہ عزت و ناموس کو خطرہ تو وہ خوشی خوشی مسلمان ہو گئے اور آج بھی اُن علاقوں تک اسلام محدود ہے جہاں تک وہ صاحب کردار لوگ اس کو پہنچا کر گئے تھے ہم نے تو اسلام کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔

مگر پھر اس جنت ارضی کو کبھی باطنی تحریک نے اجاڑا کبھی تاتاریوں نے لوٹا کبھی چنگیز اور ہلاکو خان اور تیمور خان نے اس کے خرمن میں آگ لگائی کبھی سپین میں مسلمانوں کو ملیا میٹ کیا گیا۔ کبھی سلطنت عثمانیہ اور اس کے حصے بخرے کیے گئے۔

لیکن اس کے باوجود عیسائی اور یہودی دنیا ہمیشہ مسلمانوں سے خائف رہی ہے۔ وہ ہمیشہ سوچتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمان مل نہ بیٹھیں وہ ہر ملک میں اُٹھنے والی اسلامی تحریکوں سے لرزہ براندام رہتے ہیں باقاعدہ سکیمیں بنائی جاتی ہیں مسلمانوں کے سربراہوں کو خرید خرید کر اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ

وہ آپس میں لڑتے رہیں اور کہیں اتفاق نہ ہو جائے۔

آجکل ہندوستان میں روس امریکہ، برطانیہ، فرانس، اسرائیل اور مسلمان ممالک میں سے لیبیا، شام، عراق، افغانستان، ایران کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں وہ نہیں چاہتے کہ یہ ملک باقی رہے ہر قسم کی تخریب کاری کی جا رہی ہے اور وہ خائف ہیں کہ اگر یہ مشکل وقت نکل گیا تو پاکستان ناقابل تسخیر بن جائے گا مگر یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں ان سے گلہ نہیں گلہ تو اپنوں سے ہے جو غیروں کے آلہ کار بن کر یا نادانستہ طور پر اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں اور تعصب کو ہوا دے کر اور اختلاف کو اچھال کر دوسرے بزرگوں کو بدنام اور گندہ کر کے اپنا نام پیدا کرنے کی خواہش میں ملک اور اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں مسلمانوں کو سکون سے بیٹھنے نہیں دیتے آئے دن گندگی اچھال کر اپنے پیٹ کا ایندھن مہیا کرتے یہی اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

اگر ہم میں رواداری پیدا ہو جائے ہم اکٹھے مل کر بیٹھ جائیں تو دشمنوں کی ریشہ دوانیاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اللہ وہ دن لائے کہ ہم مل کر بیٹھ جائیں ہمارے فروعی اختلافات ٹھنڈے پڑ جائیں ہم فرقوں میں نہ بٹیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام کر متفق اور متحد ہو جائیں فرقہ جاتی تعصبات کو ختم کر دیں تو وہ عزت لوٹ سکتی ہے۔

الکفر ملّتہ واحدہ

اگرچہ مسلمانوں کی حکومتیں دنیا پر ایک سو سے بھی زیادہ ہیں مگر ان میں کوئی بھی اس قابل نہیں کہ دنیا کی سیاست پر اثر انداز ہو سکے اس کے باوجود برطانیہ، امریکہ فرانس، روس، اسرائیل، ہندوستان بڑی کڑی نگاہ سے احیاء اسلام کی تحریکوں پر نظر رکھتے ہیں۔

فرانس کو الجزائر نے وہ ناک چنے چبوائے کہ اس کا اقتصادی اور معاشی طور پر بھرکس نکال دیا اور ڈیگال خود الجزائر کو خالی کرگیا۔ عیسائیوں کو صلیبی جنگوں میں صلاح الدین ایوبی نے وہ مار ماری کہ رہتی دنیا تک اس کو نہیں بھول سکے گا۔

برطانیہ کو مجاہدین نے ۱۸۲۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک وہ پریشان کیا کہ وہ حکومت جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا بالآخر ہندوستان کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئی اس لیے دوسری جنگ عظیم میں مسلمانوں کے خوف سے روس کے ساتھ صلح کرکے اس کی بالادستی قبول کر لی مگر جرمنی سے صلح نہیں کی کہ وہ مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اور شریک کی دیوار اپنے اوپر گرالی اور آج وہ چوتھے درجے کی طاقت ہے اور اس نے روس کو یورپ پر مسلط کر دیا ہے اب یورپ کی حفاظت امریکہ کے میزائل کرتے ہیں ورنہ آج ہی روس یورپ کو ہڑپ کرلے۔ شکست خوردہ خلافت عثمانیہ پر چرچل اور لارڈ کچنر نے حملہ کیا درہ دانیال میں پانچ لاکھ فوج مروالی اور چرچل اسی غم میں چل بسا۔

روس جیسی سپر طاقت جس سے یورپ لرزہ براندام ہے ایک معمولی مسلمان ملک افغانستان پر چڑھ دوڑا اور آج باہر نکلنے کے لیے راستہ تلاش کر رہا ہے مگر پریشان ہے سات سال میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا بلکہ اس کا اپنا حلیہ بگڑ گیا ہے۔

ہندوستان پاکستان پر ۱۹۶۵ء میں چڑھ دوڑا اور تین گنا طاقت ہونے کے باوجود منہ کی کھائی۔

مصر نے نہر سویز پر قبضہ کیا اور امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل کا منہ موڑ دیا۔ اور آج وہ اس پر قابض ہے۔

مصر نے اسرائیل کی جنگ رمضان میں کمر توڑ دی، امریکہ نے مداخلت کرکے اس کی جان چھڑائی۔

چھ ہزار فدائین نے اسرائیل کی فوج کو لبنان میں چھٹی کا دودھ یاد کرادیا

اس لیے

غیر مسلم دنیا کو امریکہ ، روس ، برطانیہ ، فرانس جنوبی افریقہ ، اسرائیل اور ہندوستان کے ایٹم بم تو کچھ نہیں کہتے مگر پاکستان کے اسلامی بم نے ان کی نیندیں حرام کر دی ہیں اور پوری دنیا پاکستان سے یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ ایٹم بم نہ بنائے۔
بلکہ اسرائیل اور ہندوستان ہمارے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے۔
مگر ان سب سے بڑا اسلام کا دشمن خود مسلمان ہے۔
افریقی سکالر دیدات جس نے امریکہ میں عیسائیت کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور کروڑوں انسانوں نے پادریوں کو شکست کھاتے دیکھا کہتا ہے کہ فروعی مسائل پر جھگڑا کر کے اور انہیں اہمیت دے کر خود مسلمان اسلام کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ آخر میں پھر گزارش کرتا ہوں کہ آپس کے اختلاف کو نظر انداز کر دو ، آپس میں لڑ لڑ کر ذلیل نہ ہو ، ہماری عزت مل بیٹھنے میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حرفِ آخر

از خالد گھرجاکھی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد: حضرت حکیم محمود صاحب سلفی ابن سلفی کے اس کتابچہ پر میں تقریظ لکھنے کی تو جسارت نہیں رکھتا۔ البتہ حیران ضرور ہوں کہ اتنا مصروف آدمی اتنی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک لاجواب رسالہ ترتیب دے رہا ہے۔ یہ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو کام لے لیتا ہے۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ جو ہمارے بزرگوں پر کیچڑ اچھالا گیا ہے ان کے دفاع کا حق ضرور ادا کیا ہے پڑھنے والے بتائیں گے کہ حق پوری طرح ادا ہوا ہے یا نہیں۔

جہاں پڑھنے والے یہ بتائیں گے کہ حق ادا بھی ہوا ہے یا نہیں وہاں میں احباب سے گزارش کروں گا کہ اگر کہیں کوئی کمی دیکھیں یا کوئی اور حوالہ مل سکے تو ضرور ان کو مطلع فرماویں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ لیڈرشپ جھوٹ بولنے سے نہیں ملتی بلکہ کام کرنے سے ملتی ہے جب ہم یہ نعرہ سنتے ہیں" علمائے دیوبند زندہ باد" تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ دیوبند تو ابھی بنا بھی نہیں تھا اس وقت سادے صرف حنفی ہی تھے دیوبندی اور بریلوی تو آپس کے جھگڑے کی وجہ سے کہلائے۔ اور ہم نے الحمدللہ کبھی غلط بیانی کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اگرچہ یہ ساری تحریک دراصل شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ایک سپوت حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شروع کی تھی جو اس وقت پوری طرح سے رفع الیدین وغیرہ پر عمل پیرا ہو چکے تھے لیکن چونکہ حنفی اور اہلحدیث کی منافرت نہیں تھی۔ اپنی قیادت کے لیے جس شخص کو منتخب کیا

وہ حنفی المسلک تھے میری مراد حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ ہیں - اور حنفی اور اہلحدیث دونوں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے کام کرتے رہے کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق یہ لوگ بھی برحق تھے بلکہ ایک دوسرے پر اعتراض بھی نہیں کرتے تھے اور آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے -

بدقسمتی یا خوش قسمتی سے وہ عہدہ شہادت پر فائز ہو گئے (بدقسمتی میں نے اس لیے لکھا ہے کہ کچھ لوگ واقعۂ شہادت سے تحریک کی ناکامی مراد لیتے ہیں) اس کے بعد ایک مرتبہ یہ تحریک رک گئی جس کو ان کے بعد ٹینوی خاندان نے دوبارہ کھڑا کیا اس دورِ جدید میں ایک بھی حنفی کام کرنے والا نظر نہیں آتا - اگر وہاں پر مجاہدین کی قیادت کر رہے تھے تو وہ بھی اہلحدیث تھے بلکہ آخری دَور تک ان کی قیادت اہلحدیث کے ہاتھ میں ہی رہی اور اگر اندرون ہند روپیہ اور مجاہد بھیجنے والے تھے تو وہ بھی خالص اہلحدیث ہی تھے کوئی ایک حنفی نظر نہیں آتا اور اگر دوبارہ تحریک قائم کرنے کی وجہ سے اندرونِ ہند علماء پر مقدمے بنے تو وہ بھی اہلحدیث ہی ہیں اور اگر کالے پانی اور پھانسی کی سزائیں پائیں تو وہ بھی اہلحدیث ہی تھے حتیٰ کہ دو لاکھ اہلحدیث (وہابی) کو سربازار پھانسی دی گئی - اتنی بڑی قربانیاں تو اہلحدیث دے رہے تھے اور حنفی بالکل خاموش حجروں میں گھسے رہے، جن کو شہادت بالاکوٹ کے تقریباً پینتیس چالیس سال بعد مدرسہ دیوبند بنانے پہ لگا دیا گیا، میرا مقصد یہ ہے کہ یہ مدرسہ بھی انگریز نے بنوایا اور اپنے ملازموں سے بنوایا، سکولوں کے انسپکٹروں سے بنوایا اور صرف اس لیے بنوایا کہ یہ لوگ اپنے تعلیمی دھندے میں مصروف ہو جائیں اور اس کے بعد باقاعدہ طور پر انگریز اس مدرسہ کی رپورٹ لیتے رہے اور ان سے مطمئن رہے -

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم نے کبھی کوشش نہیں کی کہ آپ کو بدنام کریں بلکہ خوش ہیں کہ اگر علم کا کام انگریز کی وساطت سے بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن شہید ہونے والوں اور جہاد میں حصہ لینے والوں کو برا بھلا تو

نہیں کہنا چاہیے۔ تاریخ سازی تو نہیں کرنی چاہیے۔
عید کے دن علماء صادق پور کے مکانوں کو گرایا گیا اور بچے اور عورتیں اور بوڑھے کھلے میدان میں پڑے اللہ تعالیٰ کے رنگ دیکھ رہے ہیں کہ ان بچوں کو اتنی بڑی سزا کیوں دی گئی ہے اور ان کے مکانات اور قبرستان پر بل ڈوزر چلا کر صاف کر کے پٹنہ میونسپلٹی کی عمارت اس جگہ بنائی گئی۔
دہلی میں میاں صاحب والی مسجد اور محلہ پنجابیاں کو گرا کر اس پر بلڈوزر چلا دیے گئے اب وہاں ریلوے اسٹیشن بنا ہوا ہے وہاں کسی حنفی کو کوئی سوئی بھی چبھی ہے؟ کوئی جیل گیا ہو، کوئی پھانسی پر لٹکایا گیا ہو کسی کو کالے پانی بھیجا گیا ہو۔ اہلحدیث کے مدارس و مساجد کو گرا کر بے نشان کر رہے ہیں اور آپ کے مدرسے بنا رہے ہیں خدا را کچھ تو احساس کرو ہم آپ کو بھائی سمجھتے ہیں اور ایک نازک دور میں سزاؤں سے بچنے کے لیے گوشہ نشینی کو ناگزیر صورت میں قبول کرنے والے سمجھتے ہیں اور آپ ان کشتگان اسلام کو بھی معاف نہیں کر رہے۔
میرے خیال کے مطابق یہ سب کچھ تعصب کی پیداوار ہے چونکہ آپ نے حنفیت کو اسلام سمجھ رکھا ہے حالانکہ آپ کے بڑے بزرگوں نے برملا لکھ دیا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ حنفیت کا ہر مسئلہ درست ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ غلط ہو، ہم صرف ظن غالب کی وجہ سے اسے حق کہتے ہیں۔ اور ائمہ کرام کے شاگرد بھی ان سے اختلاف کرنے کو کفر نہ کہتے تھے حتیٰ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں نے ان سے تین چوتھائی مسائل میں اختلاف کیا ہے لیکن نہ کسی نے آج تک ان کو کافر کہا نہ ان کے اس اختلاف کو کفر لکھا کیونکہ کفر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت کا نام ہے اس کے علاوہ اگر کوئی کسی سے اختلاف کرتا ہے تو اس پر کسی قسم کا فتوےٰ عائد نہیں ہوتا ہے۔
اس تقلید کا آپ کرشمہ دیکھیں کہ متاخرین نے یہاں تک لکھ دیا کہ اگر کوئی

آیت قرآن کی یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے مذہب کے خلاف ہو گی تو اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ سمجھا جائے گا۔ یہ اتنا بڑا ظلم ہے ؎

خود نہیں بدلتے قرآن کو بدل دیتے ہیں

اس ہی تقلید کا نتیجہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھ دے دی کہ قرآن و حدیث کی مخالفت ہرگز نہ کرنا چاہیے باقی خواہ کتنے لوگوں اور کیسے لوگوں کی مخالفت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں استقامت عنایت فرمائی اور انہوں نے اپنے جان مال اولاد کسی کی بھی پرواہ نہ کی اور دیوانہ وار حق کو اسی طرح قبول کیا کہ پھانسی کے فیصلہ کو سن کر اتنا خوش ہوتے جیسے بے بہا خزانہ اور مقصود حاصل ہو گیا ہو۔ لیکن آپ لوگ ہیں کہ انہیں معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں ان پہ طرح طرح کے الزام عائد کرتے ہیں اور ایسی ایسی تہمتیں لگاتے ہیں الامانُ الحفیظ۔

پھر لطف کی بات ہے کہ آج دنیا بھر میں کوئی بھی مقلد نہیں رہ گیا کیونکہ مقلد کہتے ہی اس کو ہیں جو کسی کی بات کو بے سوچے سمجھے قبول کرے اور اس کے متعلق یہ بھی سوال نہ کرے کہ بات کہاں لکھی ہوئی ہے قرآن کی کس آیت میں ہے یا کس حدیث میں ہے۔ سائل کو دلیل طلب کا حق نہیں دیا گیا چنانچہ آج دیوبندی یا بریلوی طبقہ کوئی بھی مقلد نہیں رہا سب غیر مقلد ہیں اور کوئی بات بھی دلیل کے بغیر کرنے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ آج نئی روشنی میں کوئی بھی شخص بغیر دلیل کے بات کو قبول نہیں کرتا خواہ دلائل کتنے ہی بودے ہوں کمزور ہوں لیکن عوام چونکہ بے علم ہوتے ہیں وہ اسے مان لیتے ہیں چنانچہ گیارہویں کا مسئلہ ایسا ہے کہ کوئی بھی انسان سمجھ بوجھ والا اسے قرآن و حدیث کا مسئلہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ حضرت پیر صاحب ہی جب کئی صدیاں بعد پیدا ہوئے تو مسئلہ قرآن و حدیث میں کیسے آ سکتا ہے لیکن ہمارے دوست دلیل عشر قرآن سے اس کا استدلال نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ لوگ بغیر دلیل کوئی چیز قبول نہیں کرتے تو جب ہر آدمی دلائل سے بات کرتا ہے تو وہ مقلد کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ تقلید نام ہی بغیر دلیل کے بات کو قبول کرنے کا ہے۔

اب چونکہ ہمارے مقلد بھائیوں نے کیا تو کچھ بھی نہیں الٹا جہاد میں حصہ لینے والوں کو کوسا ہے اور پھر ہنسی آتی ہے کہ جب ایک ہی سانس میں غیر مقلد وہابی کہہ جاتے ہیں کیونکہ وہابی مقلد ہوتے ہیں اور اکثر حنبلی المسلک ہیں دوسرے لفظوں میں غیر مقلد بھی اور مقلد بھی کہہ گئے یہ کیسے ہو سکتا ہے مقلد بھی ہو اور غیر مقلد بھی مسلمان بھی اور غیر مسلم بھی ہو یہ بھی ایک کم علمی اور کم عقلی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ دے۔ کہ تعصب سے کام نہ لیں۔

معرکہ شاملی بیان کرتے ہیں تو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے جنگ عظیم کا معرکہ ہے اور اس کے آپ جرنیل ہیں حالانکہ معرکہ شاملی صرف عنایت علی چونکہ بھائی مارا گیا تھا اس کو معلوم ہوا کہ انگریز کے فوجی گڈوں پر کارتوس لاد کر لا رہے ہیں اس نے ان پر فائر کر دیا جسے خرکار چھوڑ کر بھاگ گئے نہ کسی کو گولی لگی نہ کوئی آدمی گولی سے مرا البتہ بھاگتے ہوئے ایک آدمی گھوڑے سے گر کر مر گیا جیسا کہ تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے ایک لمحہ کے واقعہ کو داستان بنا دیا اور ڈیڑھ سو سال کی قربانیوں کو غداری بنا دیا۔ واہ سبحان اللہ۔

ریشمی چٹھیاں لانے والے تو ڈرتے ہوئے نام نہیں لیتے اور جن کو چھٹی دی ہی اس لیے گئی تھی کہ انگریز تک پہنچائے نہ اسے کوئی سزا ہوئی بلکہ الٹا جاگیر میں کئی مربعے زمین ملی تو وہ ہیرو بن گیا۔ اور جو ہر وقت ہتھیلی پر جان رکھے چلتے رہے وہ بے چارے غدار بن گئے حالانکہ آپ لوگوں نے ہی ان کی شکائتیں کر کے ان کو تختہ دار تک پہنچایا اور ان کو کافر کہا۔

نقشِ اوّل: افسوس کہ ہم اپنی تاریخ خود بھول چکے ہیں حکیم صاحب کی کتاب اس باب میں نقش اوّل کی حیثیت رکھتی ہے ہمیں چاہیے کہ اپنے مدارس کے طلبا کو حضرت الشہیدین کی تحریک سے پوری طرح واقف کرائیں بلکہ چھوٹی کلاسوں میں سبقاً پڑھائی جائے۔ تاکہ ان کو معلوم ہو کہ پاکستان کی بنیاد خود حضرت الشہیدین رکھ کر گئے تھے جس پر آج ایک عظیم الشان عمارت قائم ہے۔ کاش کہ آج پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی سٹیٹ بنا دیا جائے یہی خواہش حضرت الشہیدین کی تھی اور اگر اس میں اسلامی نظام نہ آئے تو پھر سمجھیں کہ ابھی تک پوری طرح ان کی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح اسلامی اسٹیٹ بنانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

استدراک

(صفحہ ۶۰ سطر ۲ کے بعد)

سرسیدؔ کون تھے؟

سرسید کوئی انگریزی خاں نہ تھے وہ مذہبی آدمی تھے انہوں نے شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا مملوک علی سے ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۵ء تک فیض حاصل کیا ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ انہوں نے اپنی نظروں سے دیکھا اس کے بعد وہابیوں پر مظالم انہوں نے بچشم خود دیکھے ان تھرا دینے والے مظالم سے متاثر ہو کر انہوں نے ملک چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا" (رود کوثر ص۲۷)

۱۸۵۷ء سے پہلے وہ مجاہدین کے ساتھ تھے لیکن ناکامی کے بعد انہوں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا۔

جرأت مندانہ فیصلہ

سرسید صاحب فرماتے ہیں میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا (رود کوثر ص۲۷)
پھر سید صاحب نے یہ فیصلہ کیا:

"نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر خود کسی گوشہ عافیت میں جا بیٹھوں، نہیں اس مصیبت میں شریک رہنا چاہیے اور جو مصیبت پڑے اس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔"
(رود کوثر ص۲۷)

سرسیدؔ سے اختلاف

حیات جاوید میں مولانا حالی لکھتے ہیں سرسید سے باون مسائل پر اختلاف تھا اس میں سے چالیس ایسے تھے جس میں علمائے اُمت اور اکابرین نے ان کے ساتھ ہمنوائی کی تھی صرف بارہ مسائل ایسے تھے جن میں وہ منفرد تھے (رود کوثر ص۱۶۰)

شاہ سلیمان پھلواری شریف اور دوسرے علماء ایجوکیشنل کانفرنس میں شریک ہوتے رہے امیر حبیب اللہ نے بھی قدم رنجہ فرمایا اور جب انہوں نے کالج کے لڑکوں سے کلام مجید سُنا اور مذہبی سوال کیے تو ان کی تشفی ہو گئی تو انہوں نے کہا سرسید کے مخالف جھوٹ کہتے ہیں۔

"ہمہ دروغ است وکذب و بد گوئی"

مولانا عبدالباری فرنگی محلی فرماتے ہیں

یہ امر ظاہر ہے کہ سرسید کے ساتھ ہم لوگ نہ تو معاندانہ پیش آئے نہ مؤیدانہ پیش آئے، ان کی مذہبی فروگذاشت سے زیادہ ہمارے اکابر کو ان کی سیاست سے بیگانگت تھی ان کے استقلال طبع کے باعث جو خودرائی تھی اس کا تدارک ناممکن تھا اس وجہ سے اکثر تناؤ ہو جاتا تھا (رودکوثر ص ۱۱۳)

سرسید نے قوم میں یک جہتی اور اعتماد پیدا کیا اور علمی اور اقتصادی لحاظ سے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

سرسید نے سب کچھ قوم کے لیے قربان کر دیا

سرسید نے جو جاہ و اقتدار حکام کی نظروں میں حاصل کیا اس کی ہندوستانی مسلمانوں میں نظیر نہیں مل سکتی اگر وہ اپنے اثر کو حصولِ جاہ کے لیے صرف کرتے تو ان کے لیے بے حد مال و متاع جمع کرنا بلکہ مستقل ریاست کی بنیاد ڈالنا مشکل نہ تھا لیکن اپنی قدر و منزلت کا فائدہ اُٹھانا تو ایک طرف وہ اپنا تمام من و دھن قوم پر قربان کر گئے اور پھر بھی یہ حسرت رہی کہ کچھ اور بھی ہوتا تو وہ بھی لٹا دیتے۔

جب وہ فوت ہوئے تو پاس کچھ نہ تھا

جب یہ قلندر مرض الموت میں مبتلا تھا تو بقول مسٹر آرنلڈ نہ اس کے پاس رہنے کو گھر تھا نہ مرنے کو، جب وہ مرا تو اس کی تجہیز و تکفین کے لیے گھر سے کچھ نہ نکلا۔ (رودکوثر ص ۱۱۱)

مصنف رود کوثر کا خیال سرسید احمد انیسویں صدی کے سب سے بڑے مسلمان ہیں انہوں نے اسلام کی خدمت باقی دونوں بزرگوں (سید جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہٗ) سے زیادہ کی۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ میں سرسید سے بہتر دل و دماغ والا عملی رہنما (ابھی تک) پیدا نہیں ہوا اس نے تعلیمی معاشرے کی سیاسی اور اقتصادی ترقی میں مسلمانوں کو غیر اقوام کے برابر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

مولانا شبلی نعمانی رح آپ کے حنفی بزرگ جو فرماتے ہیں کہ مسلمان عیسائی ہو سکتا ہے غیر مقلد نہیں ہو سکتا۔ وہ سرسید کے متعلق فرماتے ہیں:

صورت سے عیاں جلال پادشاہی | چہرے پر فروغ صبح گاہی
وہ ریش دراز کی سپیدی | چھٹکی ہوئی چاندنی سحر کی
پیری سے کمر میں اک ذرا خم | توقیر کی صورت مجسم
باتوں میں اثر تھا کس بلا کا | اک بار جو رخ پھرا ہوا کا
امید کی بڑھ گئی تگ و تاز | اونچی ہوئی حوصلوں کی پرواز
دوڑنے لگے جو پا بگل تھے | آندھی ہوئے جو فسردہ دل تھے
جو تھا وہ عجیب جوش میں تھا | مخمور بھی اب تو ہوش میں تھا
اب ملک کے ڈھنگ تھے نرالے | اخبار کہیں کہیں رسالے
تعلیم کے جابجا وہ جلسے | گھر گھر ترقیوں کے چرچے
بے تاب ہر ایک جزو و کل تھا | ہر بار "بڑھے چلو" کا غل تھا

سرسید نے مسلمانوں کو من حیث القوم اکٹھا کیا اور وہ بھی مثبت مقاصد کے لیے اب ہندوستان میں اسلامی قومیت کا آوازہ پہلی مرتبہ بلند ہوا۔
(رود کوثر ص ۱۳۹)

ڈاکٹر پنیکر اپنی کتاب سروے آف انڈین ہسٹری میں فرماتے ہیں :
"سچائی سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سرسید نے مسلمانوں کے تنزل کو روک لیا بلکہ ایک پشت کے اندر انہیں پھر سے ایک جلیل القدر حساس قوم میں تبدیل کر دیا (رود کوثر ص۱۴۰)

سرسیّد ایک نہایت غیور جرأت مند اور نڈر انسان تھے

ولیم میور نے لائف آف محمد کتاب لکھی اس کے متعلق لکھتے ہیں :

"ان دنوں ذرا میرے دل کو سوزش ہے ولیم میور نے جو کتاب آنحضرتؐ کے حالات میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں اس نے دل کو جلا دیا ہے اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہوگیا ہے اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت کی سیرت میں کتاب لکھ دی جائے اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے قیامت میں تو یہ کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر ہو گیا حاضر کرو" (رود کوثر ص۱۰۹)

وہ پرزور دست و قلم جس نے اسباب بغاوت ہند لکھا تھا اور اس وقت لکھا جب مارشل لاء اور کورٹ مارشل کے ہیبت ناک شعلے بلند تھے وہ بہادر جس نے پنجاب یونیورسٹی کی مخالفت میں لارڈ لٹن کی سپیچوں کی دھجیاں اڑا دی تھیں اور جو کچھ اس نے لکھا کانگرس کا لٹریچر حقوق طلبی پر اتنا پرزور لٹریچر پیدا نہیں کر سکا جو آگرہ کے دربار سے اس لیے برہم ہو کر چلا آیا تھا کہ دربار میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کی کرسیاں برابر درجہ پر نہ تھیں (رود کوثر ص۱۰۱)

وہ سرسید جس نے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب کے خلاف ہنٹر پر ہنٹر لکھی اور اس کی کتاب کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے، اس قدر بے خوف اس قدر نڈر اس قدر جرأت اور اس قدر درد دل رکھنے والے انسان کے متعلق آپ نے کس نفرت کا اظہار کیا تم تو فوت شدہ بزرگوں کی لاشوں پر اس طرح لپکتے ہو جیسے گدھ مردار پر لپکتے ہیں، وہ انسان جس کے

احسانات سے مسلمان قوم عہدہ برآ نہیں ہو سکتی اس کو برا بھلا کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی۔ آج سو سال گذرنے کے بعد بھی اس کی عظمت اسی طرح قائم ہے، غلطیوں سے کوئی انسان مبرا نہیں مگر محسنوں کو گالیاں دینا کہاں کی شرافت ہے۔

اس نے کانگرس اور لارڈ ڈفرن کے خلاف وہ زناٹے دار لکچر دیئے اور جب کسی میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ ۱۸۵۷ء میں گرجنے والا وہ واحد انسان تھا جب کہ مولانا محمود الحسنؒ، مولانا کیرانویؒ۔ حاجی امداد اللہؒ مولانا گنگوہیؒ، مولانا نانوتویؒ ۱۹۲۰ء کے بعد بولنے کے قابل نہ تھے کچھ تو حیا چاہیے۔ سید احمد تو مداہنت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

نواب وقار الملک کے نام خط

میں لکھتے ہیں:

" نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے جس طرح خرابی سے ہو ادا کریں یا قضا کریں لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نماز نہ پڑھو، اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا یہ بات سنی بھی نہیں جا سکتی، میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں بدترین کفر ہے جو کبھی بخشا نہ جائے گا۔ تم کو یا تو پہلے ہی شامت اعمال سے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہ کیا تھا تو پھر گلیجانا اور گڑگڑانا اور حضور رخصت ہی دیں تنخواہ کاٹ لیں کہنا واہیات تھا تڑاق سے استعفا دے دینا تھا اور صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا نہ آپ کی کیا ہوتا؟ نوکری میسر نہ آتی، فاقے سے مرجاتے نہایت اچھا ہوتا۔

(رود کوثر ص ۱۰۸)

مشن سکول کے ایک طالب علم سے خطاب

کرتے ہوئے فرمایا

"یاد رکھو اس پر

تم کو جینا ہے اور جس پر تم کو مرنا ہے اس کو قائم رکھنے سے ہماری قوم قوم ہے۔ اے عزیز بچے اگر کوئی آسمان کا ستارہ ہو جائے مسلمان نہ رہے تو ہم کو کیا وہ تو ہماری قوم میں نہ رہا۔ (رود کوثر ص۱۵۸)

تم باپ بیٹوں کی یہ عادت نہایت نامناسب ہے کہ تم مُردوں پہ چڑھ دوڑتے ہو اس سے رُک جاؤ، کہ حضورؐ نے فرمایا:

لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا ما قدموا بہ۔

(مُردوں کو گالیاں نہ دو وہ اپنے اعمال کا بدلہ پانے کے لیے خدا کے پاس پہنچ چکے ہیں)

اس کی جرأت پر قربان

جب وہابی کے لفظ پر پھانسی کا حکم ہوتا تھا اس نے حاکموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور ذرہ بھر خوف نہیں محسوس کیا اس نے وہابیوں کی تین قسمیں بتائیں:

(۱) وہابی (۲) وہابی کریلا (۳) وہابی کریلا نیم چڑھا۔ اور اپنے متعلق کہا کہ وہابی کریلا نیم چڑھا ہوں۔ رود کوثر

اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور ان کو ان کی نیت کا پھل دے۔ (آمین)

استدراک

صنہ ۱۲۰ سطر ۴ سے

تائید از مولانا مدنیؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنی آپ بیتی نقش حیات ص ۶۱ پر فرماتے ہیں:

"یاغستانی مرکز سے پہلے سے تقاضا بار بار یہ ہوتا رہا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ مرکز میں آجائیں تو اطراف و جوانب سے مجاہدین اس طرح جمع ہو جائیں گے کہ تفرق کا خطرہ نہ رہے گا اور متعدد اوقات میں ایسے لوگ دیوبند آئے جو کہ یاغستان تک اپنی حفاظت میں پہنچا دینے کے ذمہ دار تھے اور ان کو ایسے مخفی راستے معلوم تھے جن سے وہ پہنچاتے اور انگریزوں کو خبر بھی نہ ہوتی مگر شیخ الہندؒ کو مالی امداد کی وجہ سے اس کی مصلحت معلوم نہ ہوئی کیونکہ مرکز کو اس کی مالی امداد کی ضرورت زیادہ تھی اور یہاں دیوبند میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی وجاہت سے مالی امداد خفیہ طور سے حاصل کی جائے اس لیے توقف فرمایا اخیر میں جب کہ جہاد کی عملی کاروائی شروع ہو گئی تو حضرت شیخ الہندؒ بالکل جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر پھر خبر آئی کہ رسد اور کارتوسوں کے ختم ہو جانے کی بناء پر ضروری ہے کہ کوئی باقاعدہ حکومت پشت پناہ ہو جو کہ رسد اور ہتھیار پہنچاتی رہے اس لیے یاغستان جانے کا ارادہ فسخ ہوا۔

مگر یہ بھی غلط ہے پوری تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے کبھی روپیہ اکٹھا کر کے مجاہدین کو یا اپنے فرستادہ مولانا عبید اللہ کو بھیجا ہو، خود جدہ گئے تھے تو ڈاکٹر انصاری کی مدد ... مولانا عبید اللہ گئے تھے تو مولانا آزاد کی معرفت روپیہ حاصل کر کے وہاں جا کر مولانا محمد علی قصوری، شیخ ابراہیم حکومت کابل اور حکومت روس سے روپیہ حاصل کرتے رہے یہ محض ازالہ حیثیت عرفی کی ایک کوشش اور بناوٹ ہے۔"

صفائی کی دوسری کوشش

مولانا مدنی صاحبؒ اپنی کتاب نقش حیات صـ۲۰۶ پر فرماتے ہیں:

”چنانچہ یکبارگی حج کا ارادہ کیا گیا ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر انصاری صاحب) نے بذریعہ تار ٹکٹوں کا انتظام کر دیا اور حضرت دیوبند سے فوراً روانہ ہوگئے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات اور وثائق اور تحریرات حاصل کرنے کے بعد حضرت نے یہ خواہش کی کہ آپ مجھ کو براہِ ایران یا غستان اپنی کفالت میں پہنچا دیں، جمال پاشا نے جواب دیا کہ ہم اس وقت عاجز ہیں، روس نے ایران کا اور انگریزوں نے عراق کے راستے کو کاٹ دیا ہے۔ روسی فوجیں سلطان آباد پر جنگ کر رہی ہیں اور عراق میں انگریزی فوجیں قطالعمارہ پر جنگ کر رہی ہیں اس لیے کوئی اطمینان بخش صورت ہمارے قبضہ میں نہیں۔

پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

”قندھار تک تو ہم بلا پاسپورٹ حکومت کی نگرانی میں پہنچ گئے۔“

”قندھار میں ہمیں دو شخص ایسے ملے جو نائب السلطنت سے اچھے تعلقات رکھتے تھے ان سے ایک صاحب ہمیں سندھ میں مل چکے تھے۔“

”نائب السلطنت نے ہمیں ایک خاص راہداری دی اور اوّل درجے کا سفر کا انتظام کر دیا اپنے پرائیویٹ دوستوں کے نام خطوط دے دیے۔“

”غزنی سے ہم کے سردار محمود طرزی کو اطلاع بھیج دی تھی اس لیے ان کا آدمی ہمیں شیخ محمد ابراہیم کے یہاں سب سے پہلے خوش آمدید کہنے کے لیے آیا وہ سردار عبدالہادی خاں تھا۔“

”شیخ محمد ابراہیم کے توسط سے اُن سب لوگوں سے مل گئے جن کے لیے ہمارے پاس خطوط تھے سپہ سالار نے ہمیں ہر طرح امداد کا یقین دلایا اور ہمارے قیام کابل میں جو سرکاری مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں، ان کے زائل کرنے پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔“

سردار محمد خاں طرزی سے ہمارا رابطہ زیادہ ہوتا گیا (جو انگریز کا بچھو تھا)

انہوں نے ہمیں سردار معین السلطنت سردار عنایت اللہ خاں پسر سردار حبیب اللہ خاں امیر افغانستان سے ملایا اس سے ہمارا ذکر تمام سرداروں تک پہنچ گیا۔

ان تمام مذکورہ بالا حوالہ جات سے صاف نظر آتا ہے کہ مولانا عبید اللہ کو مشن کے آنے کے بعد بلایا گیا اور سندھ سے لے کر کابل تک ان کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

چنانچہ جس غرض کے لیے ان کو بلایا گیا تھا وہ غرض انہوں نے پوری کر دی اور مشن ناکام ہو گیا۔

حالانکہ یہ بھی غلط ہے

یہ بھی بات بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس بدنامی کا ازالہ ہو سکے اور اس سیاہی کو دھویا جا سکے جو مجاہدین سے عدم تعاون کرنے کی وجہ سے اس جماعت دیوبند کے حصہ میں آئی، یہ فوجیں تو قط العمارہ کے مقام پر ترکوں کے محاصرہ میں آگئی تھیں اور بے بس تھیں۔

مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں

نقش حیات ص۱۶۷ پر فرماتے ہیں:

مسٹر ٹارنشنڈ فتح مندی کے نشہ میں بڑھتا چلا گیا۔ مگر پیچھے سے کمک نہ پہنچ سکی بالآخر قط العمارہ میں محصور ہو گیا کچھ عرصہ میں بغاوت فرد کر کے انگریزی فوجیں جب وہاں پہنچیں تو ترکی فوجوں نے حصار بہت مضبوط کر لیا تھا نہ اندر سے کسی کو نکلنے دیتے نہ باہر سے طاقتیں حصار کو توڑ سکتی تھیں۔

مولانا فضل الٰہی فرماتے ہیں

کہ حصار ستمبر ۱۹۱۵ء سے لے کر جولائی ۱۹۱۶ء تک رہا، انگریزی اور روسی فوجیں بے بس تھیں وہ تو ہندوستان سے امن کی تلاش میں حج کے لیے تشریف لائے تھے اور خود انہوں نے کہا کہ ہمیں یہیں رکھو تاکہ واپسی کی وجہ سے ہندوستان کے حالات خراب نہ ہو جائیں وہ اگر جانا چاہتے تو کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ یہ محض عذر لنگ ہے نہ فوجیں راستہ روکے کھڑی تھیں۔ غلطیہائے مضامین مت پوچھ ...

علمائے دیوبند کا ماضی

یہ داستان ہے ایسے لوگوں کی جو اپنے مد مقابل کو اور مسلمانوں کے ہر گروہ کو غلط، غدار وطن اور انگریز کا ایجنٹ قرار دیتے ہوئے ذرا نہیں چوکتے ——— وہ اپنے اس شوق میں بہت سے محترم اور معزز و قابل عزت و احترام گروہوں کو بھی اپنے بے بنیاد الزامات کے تیروں سے چھلنی کر دیتے ہیں۔ ان کے اس مشغلہ و شوق کی زد میں بہت ہی محترم و مکرم اور ملک و قوم کی ہیرو و رہبر اور قائد ہستیاں بھی آچکی ہیں۔ اس میں ان کا بھی قصور نہیں کہ ان کو یہی کچھ پڑھایا اور سکھایا گیا ہے، جس کا وہ نہایت خلوص سے اظہار کرتے ہیں، جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر بنظر غائر اور تحقیق دیکھا و پرکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو الزامات وہ دوسروں پر لگا رہے ہیں وہ یکسر بودے اور بے دلیل ہیں۔ وہ ہستیاں و گروہ تو ان الزامات سے بری الذمہ ہیں البتہ یہ لوگ خود ان الزامات کی زد میں آ کر ان کے مصداق نظر آتے ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے تاریک ماضی کی تاریکی کو کچھ کم کرنے کے لیے دوسروں کے روشن ماضی پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ یوں بقول شاعر یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ:

وہ الزام ہم کو دیتے تھے ——— قصور اپنا نکل آیا......!

حقیقت میں یہ بھولے بھالے اور سیدھے سادھے لوگ بعض دوسرے لوگوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان کو حقیقت کی تلاش کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ وہ جان سکیں کہ حقیقت میں کون انگریز کا مددگار تھا اور کون ان کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔

تحریک مجاہدین یا جماعت مجاہدین بھی ان لوگوں کی ستم ظریفیوں سے نہ بچ سکی حالانکہ ان ہی کی کوشش و قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان کا آزاد وطن معرض وجود میں آیا جہاں مسلمانوں نے آزاد فضاؤں میں اللہ و رسول کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگیاں گزارنی شروع کیں۔

جب ان مجاہدین پر انگریز سے تعاون اور مسلم امت سے غداری کا الزام لگا دیا گیا۔ یا للعجب!!......

تو حقیقت کو جاننے کے لیے ——— مولانا حکیم محمود بن مولانا اسماعیل سلفی کا قلم حرکت میں آیا...... تو انگریز نوازی کی داستان تاریخ کے سینے سے نکل کر صفحہ قرطاس پر رقم ہو گئی۔ اب یہ ہمیشہ ان لوگوں کے لیے مشعل راہ کا کام دے گی کہ جو ایسے نادان لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر تذبذب و تشکیک کے تیروں سے گھائل ہو کر ذہنی و فکری محاذ پر جاں بلب ہیں۔ ان شاء اللہ

ادارہ نشر التوحید والسنۃ نے تاریخ کی اس انوکھی داستان کو منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ہمارے نادان بھائیوں پر حقیقت آشکار ہو جائے اور وہ ان پاکباز ہستیوں کے متعلق ہرزہ سرائی سے باز رہ کر اللہ کی رضا کے مستحق ٹھہر سکیں۔

حافظ اسعد محمود

بن مولانا حکیم محمود رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ نشر التوحید والسنۃ